کالے مندر کا پجاری
ایم الیاس

اکتوبر کا مہینہ تھا۔ اس روز موسم بے حد خوشگوار تھا اور فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ جبکہ اکتوبر میں موسم کبھی خوش گوار نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی تھی کہ موسم کی رت بدل رہی تھی۔ میں ایک روز فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ میری نگاہ ایک جوان شخص پر پڑی جو قدرے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف تیزی سے بڑھا۔ اس نے مجھے بڑے ادب سے سلام کیا اور میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیئے۔ اس نے نہ صرف بڑے ادب اور گرم جوشی سے مصافحہ کیا بلکہ بڑی عقیدت و [illegible] سے میرے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر انہیں چوم بھی لیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بڑے مودبانہ انداز سے پوچھا۔ ”آپ عامل تمیز الدین چوہدری صاحب ہی ہیں نا؟“

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ پھر اس جوان شخص کی طرف ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک خوبصورت، صحت مند و توانا، دراز قد اور وجیہہ تھا۔ اس کی عمر پچیس چھبیس برس کی ہوگی۔ وہ جاذب نظر اور پروقار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چہرے سے سنجیدگی اور بردباری ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے کسی [illegible] خاندان کا فرد دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ با اخلاق اور ملنسار شخص بھی لگ رہا تھا۔ [illegible] آسودگی بھی ظاہر تھی۔ وہ اپنے لب و لہجے سے باری سال کا نہیں بلکہ چٹاگانگ کا باشندہ لگ رہا تھا۔ وہ قدرے پریشان اور متفکر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت خوب صورت اور پرکشش تھیں۔ بہت کم مردوں کی آنکھوں میں ایسی دل میں اتر جانے والی خوبصورتی ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جو شب بیداری کا نتیجہ تھیں۔ اس کے چہرے سے تھکن بھی ظاہر تھی۔

عموماً آج کل کے جوانوں میں اخلاق کہاں ہوتا ہے۔ میں نے اس کے اخلاق

سے متاثر ہو کر پوچھا۔ ''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''میں خاص طور پر چٹاگانگ سے آپ کی خدمات حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ اس ناچیز کو اپنا کچھ قیمتی وقت دیں تاکہ میں اپنی پریشانی اور مسئلہ بیان کروں۔ میں بہت ہی پریشان ہوں۔ اس کا اندازہ آپ شاید ہی لگا سکیں۔''

میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ نشست گاہ میں اسے بٹھا کر گھر والی سے ناشتہ تیار کرنے کے لیے کہا۔ اسے بتایا کہ چٹاگانگ سے مہمان آیا ہوا ہے۔

میں نے نشست گاہ میں آ کر اس سے دریافت کیا۔ آپ کو میرے بارے میں کس نے بتایا اور آپ کو کس نے مجھ سے ملنے کا مشورہ دیا؟''

''آپ کا شہرہ پورے چٹاگانگ شہر اور آس پاس کے تمام مضافات تک پھیلا ہوا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''آپ کو سبھی جانتے ہیں۔''

''اچھا۔'' اس نے ایک ایسی بات بتائی تھی جس کے بارے میں مجھے آج ہی معلوم ہوا تھا۔ اس نے سچ بیانی سے کام لیا تھا۔

اس کے اس انکشاف سے کہ میری شہرت چٹاگانگ میں پھیلی ہوئی ہے اس لیے حیرت ہوئی تھی کہ میں کبھی باری سال سے باہر نہیں گیا تھا۔ نہ ہی باری سال کے علاوہ کسی شہر اور گاؤں کے لوگوں نے آ کر میری خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کا میرے پاس آنا اور میری خدمات حاصل کرنا اس لیے بھی عجیب سی بات تھی اور ناقابل فہم بھی تھی کہ چٹاگانگ میں بڑے بڑے عامل حضرات اور برگزیدہ بزرگ بھی موجود تھے۔ جن کے علم و فضل کا میں خود بھی معترف تھا اور ان کی دل و جان سے عزت کرتا تھا۔ اس جوان شخص کا ان کے مقابلے میں مجھ ناچیز پر ترجیح دینا انتہائی تعجب خیز امر تھا۔ ایسا ناممکن تھا کہ اس کے علم میں وہ ہستیاں نہ ہوں۔ وہ انہیں بالکل بھی نہ جانتا ہو۔

میں نے چند ایک ہستیوں کا نام لے کر اس سے کہا۔ ''آپ کے شہر میں ان جید عالموں کے ہوتے ہوئے آپ کا میرے پاس آنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ میں ان کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس پائے کے بزرگ اور عامل ہیں۔''

''میں نے ان سب کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن ان سے میرا مسئلہ حل نہ ہو

سکا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس لیے میں آخری کوشش کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میرے ایک مولوی دوست نے بتایا کہ آپ انشاء اللہ اس مسئلے کو حل کر دیں گے۔''

اس کی بات سن کر میرا تجسس اور اشتیاق بڑھا۔ پھر اس نے ناشتے سے فراغت پانے کے بعد اپنی کہانی کا آغاز اس طرح سے کیا۔ میرا نام تنزیل الرحمان ہے۔ میں چٹاگانگ کے ضلع آٹھ ہزاری کا رہنے والا ہوں۔ میں ایک زمین دار ہوں۔ میرے والد فوت ہو چکے ہیں۔ بھائی کوئی نہیں ہے۔ تین بہنیں تھیں وہ بیاہی جا چکی ہیں۔ دو بہنیں کوڈای کا شہر میں رہتی ہیں۔ ایک بہن کا سسرال باگریاٹ میں ہے جہاں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ تینوں بہنیں اللہ کے فضل سے بہت خوش و خرم زندگی گزار رہی ہیں۔ دو برس قبل میری شادی سندیپ جزیرے میں ہوئی تھی۔ میری بیوی کے والد بھی جن کا نام توحید احمد ہے ایک چھوٹے سے زمین دار ہیں۔ ان کی بیٹی زینب جو میری بیوی ہے وہ اس جزیرے کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے حسن و جمال کی تعریف سن کر میں نے اپنا رشتہ بھیجا۔ مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ میرا رشتہ قبول کر لیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کے حسن و جمال کی ایسی شہرت اور اس قدر چرچا تھا کہ اس سے شادی کرنے کے لیے بہت سارے اور مجھ سے بڑے بڑے گھرانوں کے لڑکے آرزو مند تھے۔ چونکہ ان امیدواروں کے چال چلن سے میرے سسر مطمئن نہیں تھے اس لیے انہوں نے میرا رشتہ قبول کر لیا۔ پھر میری شادی زینب سے روایتی انداز سے ہو گئی۔ میں بہت خوش تھا کہ ایک حسین و جمیل لڑکی میری بیوی بن گئی۔ میری بیوی زینب حسین ہی نہیں بلکہ حسین سیرت بھی ثابت ہوئی بلکہ میرے اندازے سے کہیں بڑھ کر سگھڑ اور سلیقہ شعار تھی جس پر میں اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک لڑکی میں دنیا و جہاں کی خصوصیات یکجا ہو جائیں۔ اس نے نہ صرف گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیا بلکہ اپنے آپ کو ہر ایک کی نظروں کا تارا بنا لیا۔ جو دیکھو اس کے گن گا رہا ہے اور اس کی سیرت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں تھی۔ وہ ایک مثالی بیوی بن گئی تھی۔ جسے دیکھو وہ زینب کی مثال پیش کر رہا ہے لیکن ان تعریفوں سے اس کا دماغ خراب نہیں ہوا۔ شادی کے بعد میں نے اس بات کو محسوس کیا کہ میری بیوی اپنے میکے جانا پسند نہیں کرتی۔ کبھی اس کے والد اسے لینے آ گئے اور انہوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو وہ صرف ایک دن رہ کر واپس آ جاتی تھی۔ حالانکہ لڑکیاں

شادی کے بعد میکے جانے کے لیے بے چین رہتی ہیں جیسے سسرال انہیں کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ جب وہ میکے جاتی ہیں تو اس طرح خوش ہو جاتی ہیں جیسے زنداں سے رہائی پا کر جا رہی ہوں۔ پھر وہ میکے سے کئی کئی دن واپس آنے کا نام نہیں لیتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں بڑے مسائل پیدا کر دیتی ہیں۔ تلخیاں جنم لینے لگتی ہیں جس سے ازدواجی زندگی پر اثر پڑتا تھا۔

میں اپنے تئیں یہ سمجھتا رہا کہ اسے مجھ سے بہت زیادہ محبت ہو گئی ہے اور میری جدائی اس کے لیے سوہان روح ہوتی ہے۔ اس لیے وہ میکے جانا نہیں چاہتی ہے۔ حالانکہ اسے کبھی میں نے میکے جانے سے نہ تو منع کیا اور نہ ہی روکا تھا۔ جبکہ اس کی ایک دن کی جدائی بھی مجھ پر شاق گزرتی تھی۔ میں نے ایک اور بات شدت سے محسوس کی کہ جب بھی اس کے والد اسے اپنے گھر لے جانے کے لیے آتے ہیں تو وہ بری طرح خوف زدہ سی ہو جاتی ہے۔ مختلف حیلے بہانے سے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ جب اس کے والد بہت زیادہ اصرار کرتے تو وہ رونے لگتی تھی یا پھر کسی بیماری کا بہانہ کر کے بستر سے لگ جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد نے اسے لے جانا چھوڑ دیا۔ جب کبھی اس کے والدین، بھائی بہنوں کا دل کرتا وہ اس سے ملنے چلے آتے۔ وہ ان سے مل کر بہت خوش ہو جاتی۔ حالانکہ اس کی ماں سوتیلی نہیں سگی تھی۔

یہ جون کے مہینے کی بات ہے شاید پیر کا دن تھا۔ اس رات موسلا دھار بارش جو ہوئی تو اس نے رکنے کا نام نہیں لیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ سلسلہ دو ایک دنوں تک جاری رہے گا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا۔ جس سے بڑی گھٹن اور گرمی پیدا ہو گئی تھی۔ لہٰذا میں نے کمرے کی تمام کھڑکیاں کھول دیں۔ میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میرا مکان دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل پر ہماری رہائش ہے۔ پہلی منزل پر میں نے اناج کا گودام بنا رکھا ہے۔ سب سے نیچے نوکر میاں بیوی رہتے ہیں۔ میرا مکان صرف دو منزلہ ہی نہیں بلکہ بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔

میں گہری نیند میں غرق تھا کہ ایک دل خراش چیخ کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ میں ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر مجھے ایک چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ میری بیوی کی تھی۔ میں نے گھبرا کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا جو میرے برابر سو رہی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم سفید پڑتا چلا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر لہو کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں خوف و وحشت سے

پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ دھلی ہوئی سفید چادر کی طرح ہو رہا تھا۔ لہو کی ایک بوند بھی نہیں رہی تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں تر تھا۔ ایسی بھی گرمی نہیں تھی کہ اس قدر پسینہ اس کے چہرے پر پھوٹ پڑے۔

"کیا ہوا زینب؟" میں نے گھبرا کر اس سے پوچھا۔ "کیا تم نے بہت ہی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟ خواب خواب ہی ہوتے ہیں۔"

"ہاتھ...... ہاتھ۔" وہ مجھ سے لپٹ گئی اور کانپتے ہوئے بولی۔ "وہ ہاتھ پھر آ گیا ہے۔" اس کی آواز گلے میں اٹک سی گئی۔

"کون سا ہاتھ؟ کون سا ہاتھ؟" میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا خواب میں کوئی ہاتھ نظر آیا؟"

زینب نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا لیکن وہ اس قدر دہشت زدہ تھی کہ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا نہیں بلکہ میرے سینے میں اپنا سر چھپا لیا۔ وہ کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپ رہی تھی۔ میں نے اسے فوراً ہی ایک طرف ہٹایا تاکہ کھڑکی کے پاس جا کر دیکھوں۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی چور ہوگا جو کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر اوپر آنے کی کوشش کر رہا تھا کہ زینب نے اسے دیکھ لیا۔ پھر اس نے چیخیں مار کر مجھے بیدار کیا۔

میں بستر سے اترنے لگا تو زینب نے فوراً ہی میرا بازو تھام لیا۔ پھر اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "آپ خدا کے لیے اس طرف نہ جائیں۔"

"وہ کس لیے......؟" میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے حیرت سے دریافت کیا۔ "تم مجھے روک کیوں رہی ہو......"

"اس لیے کہ وہ ہاتھ آپ کا گلا نہ دبا دے......" اس نے مرتعش آواز میں رک رک کر کہا۔ "وہ بہت خطرناک ہاتھ ہے......؟"

میں نے محسوس کیا کہ وہ خوف کے باعث اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے اور اس کا دماغ معطل ہو چکا ہے۔ پھر بھی میں نے اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا اور کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکا۔ چاروں سمت دیکھا۔ وہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ بارش کا سلسلہ ابھی تھما نہیں تھا۔ پھر ایک اور خیال ذہن میں آیا تو میں اس کھڑکی کے پاس گیا جس کی طرف زینب نے اشارہ کیا تھا۔ اس کی چوکھٹ پر نہ تو مٹی لگی تھی اور نہ پانی تھا...... نہ ہی

بھی کے ہاتھ کے نشانات تھے۔ کوئی چور آیا ہوتا اس کے ہاتھ میں مٹی لگی ہوتی یا اس کے ہاتھ گیلے ہوتے اس صورت میں چوکھٹ پر دونوں میں سے کوئی ایک چیز لگی ہوتی۔ چوکھٹ ایک دم خشک اور صاف تھی۔ اس پر بارش کا پانی بھی نہیں پڑ رہا تھا کیوں کہ کھڑکی کے اوپر چھجا تھا اور بارش کا رخ دوسری طرف تھا۔ ادھر اس کی پھوار ہی نہیں آئی تھی۔

میں نے زینب کے پاس جا کر اسے تسلی دی کہ کوئی ہاتھ اور چور وغیرہ نہیں ہے۔ تم نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ جیسے ہی تمہاری آنکھ کھلی تمہیں وہم ہو گیا ہو گا کہ کوئی چور چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر کمرے میں داخل ہونے کے لیے چڑھ رہا ہے۔ لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

میری بات سن کر زینب کا خوف کسی حد تک کم ہوا۔ پھر وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔ "آپ کمرے کی ساری کھڑکیوں کے پٹ بند کر دیں۔"

"اس طرح تو کمرے میں گھٹن ہو جائے گی۔" میں نے اسے سمجھایا۔ کیا تم دیکھ [illegible] کہ پہلے ہی ہوا بند ہے اور حبس بھی ہو رہا ہے؟"

زینب نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ چادر منہ پر رکھ کر لیٹ گئی۔ اس پر اس قدر خوف چھایا ہوا تھا کہ وہ نیند کی حالت میں بار بار چونک پڑتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے نیند کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے سنا وہ ہاتھ...... وہی ہاتھ...... شیطانی ہاتھ...... مجھے بچاؤ...... بچاؤ...... اس شیطانی ہاتھ کو بھگا دو...... یہ خونی ہاتھ ہے...... یہ زندہ نہیں چھوڑے گا۔ گلا دبا دے گا......"

میں سمجھ گیا کہ اس نے بہت زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔ بعض اوقات ڈراؤنے خواب انسانی ذہن پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ انہیں ذہن سے جھٹک دینا آسان نہیں ہوتا ہے۔ صبح وہ بیدار ہوئی تو بہت دیر تک سہمی ہوئی سی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی طبیعت نارمل ہوتی گئی۔ میں دانستہ رات کا واقعہ گول کر گیا۔ اس موضوع پر بات کر کے اسے پھر سے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اس واقعہ یا خواب کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اسے نارمل حالت میں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔

دو راتیں سکون اور خیریت سے گزر گئیں۔ ہم دونوں نے دو راتیں بڑے اطمینان سے سو کر گزاریں۔ لیکن تیسرے دن رات کے وقت کوئی ایک بجے کا وقت ہو گا۔ میں نے

نیند کی حالت میں محسوس کیا کہ کوئی میرا شانہ جھنجوڑ کر مجھے بیدار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں فوراً ہی بیدار ہو گیا اور آنکھیں مل کر زینب کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ متغیر تھا۔ اس کی حالت مردے سے بھی بدتر ہو رہی تھی۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

"زینب......" میں نے پریشان ہو کر اسے مخاطب کیا۔ "کیا بات ہے......؟ کیا تم نے پھر وہی خواب دیکھا ہے......؟"

اس نے پھر اس کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنا چاہا تو اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔ جیسے سانس آواز کا ساتھ نہیں دے رہی ہو۔

"زینب!" میں نے اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ "تم نے آج پھر اس خواب کو دیکھ کر اثر لے لیا ہے؟"

چند لمحوں کے بعد وہ بہ دقت تمام اتنا ہی کہہ سکی۔ "ہاتھ......" پھر اس نے اس کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

میں فوراً ہی برق رفتاری سے اس کھڑکی کی طرف لپکا۔ کھڑکی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ حد نگاہ تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس روز آسمان صاف تھا اور چاندنی رات بھی تھی۔ البتہ میں نے ایک کالی بلی کو مکان کے عقبی دروازے کے پاس بیٹھا پایا۔ میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ زینب کو ایک گلاس پانی پلایا تو اس کے حواس قدرے بحال ہوئے۔

پھر میں نے چند لمحوں کے بعد اس سے کہا۔ "زینب مجھے تو وہاں کوئی ہاتھ دکھائی نہیں دیا......؟"

"میں نے ایک بہت ہی خوفناک کالا ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر ابھرتے ہوئے دیکھا تو میرے منہ سے ایک زوردار چیخ نکل گئی۔" وہ بولی۔ وہ ہراساں سی ہو رہی تھی۔ "معلوم نہیں کیا بات تھی کہ ہاتھ نظر آنے سے پہلے میری آنکھ آپ ہی آپ کھل گئی۔"

میرے دل کے کسی کونے میں شک کی ایک لہر اٹھی کہ...... کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی بدمعاش زینب کیلئے چوری چھپے یا کسی برے ارادے سے تو نہیں آ رہا ہے......؟ اس بات کو جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کمرے میں اکیلی نہیں سوتی ہے۔ اس کا شوہر بھی ہوتا ہے ایسے برے ارادے کی ہمت اور جرأت ایک خطرناک اور جرائم پیشہ بدمعاش ہی کر سکتا تھا۔

وہ زینب کی چیخ سن کر فوراً ہی فرار ہو جاتا ہے۔ زینب بیدار نہ ہو تو شاید اس کا منصوبہ یہ ہو کہ کمرے میں داخل ہو کر مجھے کلوروفارم سونگھا دے اور اسلحے کے زور پر زینب کو درندگی کا نشانہ بنائے۔ میرے بیدار ہونے میں کوئی چار پانچ منٹ لگ جاتے ہیں۔ اس کیلئے یہ لحات بہت ہوتے ہیں۔ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔ میں اس امکان کو اس لیے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ زینب کے حسن و جمال کا چرچا سارے علاقے میں تھا۔ زینب یوں بھی گھر سے بہت کم نکلا کرتی تھی۔ اسے بلاوجہ گھومنے کا کوئی شوق نہ تھا۔ وہ گھر کی چار دیواری میں رہنا زیادہ پسند کرتی تھی۔ جب کبھی وہ کسی تقریب میں یا کسی سے ملنے جاتی تھی تو مرد اور عورتیں اس کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے تاب ہوتے تھے۔ بعض اوقات مجھے ان شادی شدہ مردوں اور منچلے لڑکوں پر سخت غصہ آتا تھا جو اسے مختلف حیلے بہانے سے گھورا کرتے تھے۔ یوں بھی وہ بڑی سادگی سے گھر سے نکلتی تھی اور عورتوں کی طرح بن سنور کر نہیں نکلتی تھی۔ عورتیں بھڑکیلا لباس' سنگھار اور آرائش مردوں کو متوجہ کرنے کیلئے کرتی ہیں۔ سادگی سے اس میں ایسا بے پناہ حسن پیدا ہو جاتا تھا کہ وہ مردوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی تھی۔ اس میں اس غریب کا قصور نہ تھا' قدرت نے اسے ایسا حسن ودیعت کیا تھا۔ اس کے اس حسن نے شاید کسی مرد کو پاگل کر دیا تھا۔

میرے پاس ایک بندوق تھی جسے میں نے لوڈ کر لیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس بدمعاش کو بلا تامل گولی مار دوں گا۔ مجھے اس بات کا حق تھا اور قانون بھی اس کی اجازت دیتا ہے کہ گھر میں گھسنے والے کسی جرائم پیشہ افراد کو ہلاک کر دینا چاہیے۔ میں آخری پہر تک مسلسل جاگتا رہا۔ ایک پل کیلئے بھی نہیں سویا۔ وہ خوفناک ہاتھ مجھے دکھائی نہیں دیا جس نے نہ صرف زینب کا چین وسکون غارت کر کے رکھ دیا تھا بلکہ مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔ میں نے دن کے وقت مکان کے آس پاس بھی دیکھا کہ شاید کوئی چھپ کر زینب کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہو لیکن ایسے کسی بھی شخص کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ زینب دن میں دو ایک مرتبہ تازہ ہوا کیلئے کھڑکی میں کھڑی ہو جاتی تھی۔

پھر میں نے زینب کو سمجھایا کہ وہ کوئی ہاتھ وغیرہ نہیں ہے۔ یہ تمہارا واہمہ ہے۔ یہ کالی بلی ہے جو کھڑکی میں دودھ پینے کیلئے چڑھ آتی ہے اور تمہاری چیخ کی آواز سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتی ہے۔ تمہاری آنکھ جیسے ہی کھلتی ہے اندھیرا اور نیند کا خمار ہونے کے

باعث تمہیں بلی انسانی ہاتھ کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا اب تم اس واہمہ کو دل سے نکال پھینکو اور آرام وسکون اور اطمینان سے سو جایا کرو۔

میری ان باتوں کا اس پر خاصا اثر ہوا۔ چوتھے روز اس نے نہا کر بال کھلے چھوڑے اور اپنا ایک بہترین جوڑا پہنا جو میں نے اسے کچھ دنوں پہلے چٹاگانگ سے خرید کر لا کر دیا تھا۔ پھر وہ ملازمہ کے ساتھ میری خالہ سے ملنے ان کے گھر چلی گئی۔ دن ڈوبنے سے پہلے وہ گھر آئی تو بہت خوش تھی۔ اسے خوش دیکھ کر میں بھی خوش ہوا کہ ایک اذیت سے نجات تو ملی...... مگر میری اور زینب کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ اس لیے اس رات ہم دونوں خوش خوش سوئے تو بارہ بج چکے تھے۔ تھکن اور نشہ سا چھایا ہوا تھا۔ اس لیے جلد گہری نیند سو گئے۔

اس رات بھی کمرے میں گھپ اندھیرا سا تھا۔ اس لیے کہ آسمان گہرے گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مغرب کے بعد بادل اچانک چاروں طرف سے اٹھ آئے اور چھا گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک موسلا دھار بارش بھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد بارش کا سلسلہ ختم گیا۔ گرمی اور حبس کا وہی عالم تھا جو کئی دنوں سے چلا آ رہا تھا۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ مون سون ختم نہیں ہوا تھا۔

میں اچانک نیند سے بیدار ہو گیا۔ گہری نیند سے اس طرح اچانک بیدار ہو جانے کی وجہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ عموماً ایسا ہوتا نہیں تھا۔ حبس تو تھا اور چھت کا پنکھا پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ میں نے سونے کی کوشش کی تو لگا کہ نیند آنکھوں سے کوسوں دور ہے۔ پھر میں نے زینب کی طرف کروٹ لی اور اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ گہری نیند میں غرق تھی۔ اس کے لانبے چمکیلے ریشمی سیاہ بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے حسین اور پھول کی طرح تر و تازہ چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی جس نے اس کی معصومیت دوچند کر دی۔ وہ سو رہی تھی لیکن اس کا حسن جاگ رہا تھا اور اس کی حشر سامانیاں واضح تھیں۔ اس گھپ اندھیرے میں اس کا حسن و شباب ایک قیامت بن کر مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ میرے جذبات میں تلاطم پیدا ہونے لگا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس کی نیند اور آرام میں خلل ڈالنا نہیں چاہیے۔ غریب دن رات میرے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے اور نوکروں کو میرے کام کرنے نہیں دیتی ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرا اور گہرا ہو گیا۔ اتنا گہرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا

تھا۔ حتیٰ کہ زینب کا چہرہ جو سرخ و سفید تھا آسمان پر اور گھرے بادل چھا گئے تھے۔ دوسرے لمحے زوردار بارش شروع ہوگئی۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر رکھ دیا۔ چند لمحے بمشکل گزرے ہوں گے میں نے اپنے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ میں یہ سمجھا کہ زینب کا ہاتھ ہے لیکن میں نے دوسرے ہی لمحے محسوس کیا کہ زینب کے ہاتھ میں وہ پھولوں جیسی نرمی' محبت کی گرمی اور گداز پن موجود نہیں ہے۔ انگلیاں بھی پتلی' لمبی اور نازک سی نہیں ہیں...... یہ تو کوئی اور ہی ہاتھ ہے۔ بے حد مردہ جیسے برف کا تودہ...... اس میں کھردرا پن ہے اور فولاد جیسی سختی ہے۔ انگلیاں موٹی اور سلاخوں جیسی ہیں۔

پھر وہ ہاتھ میرے ہاتھ پر کسی کن کھجورے کی طرح رینگنے لگا۔ میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس لمحے سب سے پہلا خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ...... کہیں یہ وہ پراسرار ہاتھ تو نہیں ہے جسے زینب دو مرتبہ دیکھ چکی ہے۔ شاید یہ کسی بدمعاش کا ہاتھ ہے جو میرے ہاتھ کو زینب کا ہاتھ سمجھ کر اس پر رینگ رہا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنے حواس اور اپنی ساری قوت جمع کی اور اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا۔ پھر میں نے فرش پر کسی چیز کے دھپ سے گرنے کی آواز سنی۔ پھر میں بجلی کی سی سرعت سے پلنگ سے کود کر نیچے آیا اور سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر سوئچ آن کیا۔ کمرہ ایک دم سے تیز روشنی میں نہا گیا۔ میں نے دیکھا کمرے میں کوئی نہیں ہے۔ میں نے فوراً ہی فرش کی طرف اور پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھا کہ شاید وہ بدمعاش نیچے نہ چھپ گیا ہو...... پلنگ کے نیچے بھی کوئی نہیں تھا۔ معاً میری نظر سامنے والی کھڑکی پر پڑی تو میں دم بخود رہ گیا۔ میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ میں نے جو منظر دیکھا وہ میرے لیے ناقابل یقین تھا۔ میں نے کھڑکی کی چوکھٹ پر ایک سیاہ رنگ کا انتہائی بدصورت ہاتھ دیکھا۔ یہ ہاتھ کلائی تک کٹا ہوا تھا۔

اگر میں مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ جتنی دیر میں میں نے بندوق اٹھائی اتنی دیر میں وہ ہاتھ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کمرے میں روشنی ہونے کی وجہ سے زینب کی آنکھ بھی کھل گئی۔ اس نے مجھے جو بندوق لیے کھڑے ہوئے اور پریشان سا دیکھا تو فوراً ہی اٹھ بیٹھی۔ اس نے متوحش نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بات ہے...... خیریت تو ہے......؟''

میں نے بستر پر اس کے پاس بیٹھ کر اسے مختصر الفاظ میں وہ واقعہ سنایا تو اس کا چہرہ

زرد پڑ گیا اور وہ میرے کندھے سے لگ کر رونے لگی۔ میں نے اسے سمجھایا اور دلاسا دیا کہ رونے کی ضرورت نہیں اس سے کچھ حاصل نہیں۔ حوصلے کی ضرورت ہے۔ پریشان اور ہراساں نہ ہو۔ دل مضبوط کر کے رہو۔ بات یہ ہے کہ ہمارا کوئی دشمن ہے جو سفلی علم سے ہماری جان لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں کل ہی کسی عامل سے مل کر اس جادو کا توڑ کرتا ہوں۔ اچھا ہوا کہ میں نے بھی اس ہاتھ کو دیکھ لیا۔

میں فجر کی نماز پڑھتے ہی چٹا گانگ شہر چلا گیا۔ پھر میں ایک عامل صاحب کو لے کر مغرب سے پہلے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ زینب بے ہوشی کی حالت میں بستر پر پڑی ہے۔ اس کے پاس میری خالہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ زینب کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی زینب بے ہوش ہوئی تھی اور ایک نوکر ڈاکٹر کو بلانے گیا ہوا تھا۔ میں عامل صاحب کو کمرے میں لے آیا۔ عامل صاحب نے ایک گلاس پانی منگوایا اور اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور اس گلاس کے پانی میں سے چند چھینٹے زینب کے منہ پر مارے۔ چند لمحوں کے بعد اس کے سارے جسم میں حرکت ہوئی۔ پھر اسے رفتہ رفتہ ہوش آنے لگا۔

جب زینب پوری طرح ہوش میں آ گئی تو اس نے خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ مجھے اور گھر والوں کو دیکھ کر اس کا خوف قدرے کم ہوا اور اس نے جیسے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر میں نے عامل صاحب کو نشست گاہ میں لے جا کر بٹھایا۔ نوکروں سے کہا کہ رات کا کھانا تیار کریں۔ جب نوکر چلے گئے تو میں اور خالہ کمرے میں رہ گئے۔ اب زینب سے کھل کر بات ہو سکتی تھی۔

''تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا زینب......'' میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم بلا خوف و خطر بتاؤ۔ عامل صاحب بھی گھر میں موجود ہیں۔''

''میں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر تک بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔'' زینب بتانے لگی۔ ''جب مجھے نیند آنے لگی تو میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ پھر سونے کیلئے بستر پر دراز ہوگئی۔ گہری نیند سو گئی۔ سونے سے پہلے میں نے کمرے کی تمام کھڑکیاں بند کر لی تھیں کیوں کہ میرے دل میں اس ہاتھ کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ لاپروائی کروں۔ گو میں یہ جانتی تھی کہ وہ خوفناک ہاتھ رات کو آتا ہے لیکن اس کا کیا بھروسہ؟ میری

آنکھ کھلی تو میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سنی۔ میں سمجھی کہ آپ شہر سے واپس آگئے ہیں۔ میں نے بستر سے نکل کر لباس اور بال درست کئے اور دروازے کی طرف بڑھی۔ ابھی میں نے دروازہ کھولا نہیں تھا کہ پھر دستک ہوئی جو پہلے کے مقابلے میں کچھ زور کی تھی۔ میں نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ پھر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ باہر کوئی بھی نہیں ہے۔ راہداری خالی پڑی ہے۔ سامنے والے کمروں کے دروازے بھی بند تھے اور باہر سے ان کی کنڈی لگی ہوئی تھی۔ معاً میری نظر فرش پر پڑی تو میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ایک خوفناک' انتہائی بدصورت اور کٹا ہوا ہاتھ میرے پیروں کی طرف نہایت آہستہ آہستہ رینگتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ اس ہاتھ کو دیکھ کر میری جان ہی نکل گئی اور رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اسی لمحے معلوم نہیں مجھ میں کہاں سے اتنی ہمت اور طاقت آگئی کہ میں نے اس ہاتھ کو ایک لات رسید کی۔ وہ ہاتھ کمرے سے باہر ہوگیا۔ اس کے باہر ہوتے ہی میں نے جھٹ سے دروازہ بند کرکے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

پھر میں دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی اور آنکھیں بند کر کے لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ میرا سینہ بری طرح دھڑک رہا تھا۔ دل تو ماہی بے آب کی طرح اس طرح پھڑپھڑا رہا تھا جیسے سینہ شق کر دے گا۔ میرا جسم پسینے سے بھیگ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میری سانسیں اور دل قابو میں آیا تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے احتیاط کے طور پر کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک ایک جگہ دیکھ لی' نہ صرف پلنگ کے نیچے بلکہ بستر اور تکیوں کے نیچے بھی دیکھا کہ کہیں وہ منحوس اور خوفناک ہاتھ موجود نہ ہو۔ میں اچھی طرح سے اپنا اطمینان کرنے کے بعد کھڑکی کی طرف بڑھی تاکہ کھڑکی کا پٹ کھول کر نوکروں کو آواز دے کر اوپر بلاؤں۔ اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جاؤں۔

کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے میرے قدم اس طرح سے رک گئے جیسے کسی نادیدہ پراسرار ہستی نے پکڑ لیے ہوں۔ پھر میرے جسم کا سارا خون خشک ہو کر رہ گیا۔ وہ کٹا ہوا خوفناک اور بدصورت ہاتھ قالین پر کھڑا ہوا تھا اور میری طرف ایک انسان کی طرح مسکراتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ گوکہ اس ہاتھ کا چہرہ نہیں تھا لیکن اس کی ہتھیلی پر میں نے ایک استہزائی مسکراہٹ محسوس کی۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو اب تم میری ذات سے بچ کر کیسے جا سکو گی...... میں آج تم پر غالب آجاؤں گا۔ تمہیں فتح کروں گا۔ تم اسیر ہو جاؤ گی۔

میں نے ایک زوردار ہذیانی چیخ ماری اور پلٹ کر دروازے کی طرف بڑی سرعت سے لپکی۔ میں نے جلدی اور بدحواسی کے عالم میں چٹخنی گرائی۔ میں نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ اس ہاتھ نے میرے دائیں پیر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس ہاتھ کی گرفت اتنی سخت اور مضبوط تھی کہ مجھے اپنے پیر کی ہڈی چٹختی سی محسوس ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میرا پیر کسی شکنجے میں کسا ہوا ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی اور جدوجہد کی کہ اپنا پیر اس ہاتھ کی گرفت سے چھڑا لوں مگر چھڑا نہ سکی۔ پھر میں زور زور سے چیخنے لگی۔ دوسرے لمحے دہشت سے بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟ میں کتنی دیر تک بیہوشی کے علم میں پڑی رہی۔"

میری خالہ نے جو زینب کی زبانی کٹے ہوئے ہاتھ کا لرزہ خیز اور سنسنی انگیز واقعہ سنا تو وہ خوف سے بے ہوش ہوگئیں۔ اتنی دیر میں ڈاکٹر آگیا تھا۔ اس ڈاکٹر نے انہیں انجکشن دیا۔ وہ ہوش میں آئیں تو اس قدر خوفزدہ تھیں کہ ایک لمحے کیلئے بھی میرے ہاں رکنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے میں نے انہیں ایک نوکر کے ساتھ ان کے گھر روانہ کر دیا۔ پھر عامل صاحب کو جا کر زینب کے ساتھ پیش آنے والا تازہ واقعہ بھی من وعن سنا دیا۔ عامل صاحب نے بڑی توجہ اور دھیان سے سنا اور دلاسا دیا کہ فکرمند اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر عامل صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ رات میرے کمرے میں گزاریں گے۔ مجھے کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔

ہم سب نیچے والے کمرے میں آگئے۔ برابر کے کمرے میں نوکر میاں بیوی تھے ان کے کانوں میں اس کٹے ہوئے ہاتھ کا قصہ پڑ چکا تھا۔ اس لیے وہ دونوں بھی بہت خائف تھے۔ میں نے انہیں دلاسا دیا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ گھر میں عامل صاحب موجود ہیں۔

عامل صاحب نے رات کمرے میں جانے سے قبل ہم سے ایک لوہے کا صندوقچہ طلب کیا تھا۔ ہم نے لوہے کا ایک صندوقچہ ان کے حوالے کر دیا تھا۔

ساری رات ہم نے آنکھوں میں کاٹی۔ رات کے دو بجے ہم نے اوپر والے کمرے میں عامل صاحب کی گرج دار آوازیں سنیں۔ اس کے جواب میں بھونڈے اور بھیانک قہقہوں کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں۔ جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے رہے۔ زینب کی حالت غیر ہوتی رہی۔ میں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسی مکروہ اور بھونڈی آواز نہیں سنی۔ ایسی آواز ایک شیطان کی ہی ہوسکتی ہے۔ کوئی دو گھنٹے بعد ان بھونڈی آوازوں اور

قہقہوں کا سلسلہ بند ہو گیا تھا جس سے ایک طرح کا دل کو سکون ہوا لیکن نیند تو روٹھ کر رہ گئی تھی۔ میں اور زینب سونا بھی نہیں چاہتے تھے۔

فجر کی اذان کے بعد عامل صاحب نیچے آئے تو ان کے ہاتھ میں وہی صندوقچہ تھا جو میں نے ان کے طلب کرنے پر دیا تھا۔ انہوں نے کہا۔

"میں نے رات کئی گھنٹوں کی کوشش اور جدو جہد کے بعد اس ہاتھ کو اپنے عمل سے طلب کر کے قابو میں کیا ہے۔ اسے اس صندوقچے میں قید کر دیا ہے۔ یہ بڑا شیطان مردود ہے۔ اسے ہر کوئی عامل قید نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اسے سمندر میں بہت دور لے جا کر پھینکنا ہو گا۔"

میں بہت خوش ہوا جب میں نے یہ خوشخبری اپنی بیوی کو سنائی تو اس پر ایک سرشاری سی طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے تھے۔ صبح ناشتے سے فراغت پانے کے بعد میں اور عامل صاحب چٹا گانگ کیلئے روانہ ہو گئے۔ میں نے ان سے پوچھا۔

"عامل صاحب! کیا یہ ہاتھ میرے کسی دشمن کے ایما پر میری جان لینے کے درپے ہو گیا ہے۔ حالانکہ میری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔"

"یہ کٹا ہوا ہاتھ تمہارا دشمن نہیں ہے۔ یہ بات دل سے نکال دو۔" عامل صاحب نے جواب دیا۔ "تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے۔"

"جب میرا کوئی دشمن نہیں ہے تو پھر یہ کٹا ہوا ہاتھ ہم دونوں میاں بیوی کو کیوں تنگ اور پریشان کر رہا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"یہ ہاتھ تمہارا نہیں بلکہ تمہاری حسین و جمیل بیوی کا دشمن تھا۔" عامل صاحب نے جواب دیا۔ "اب میں نے اسے صندوقچے میں قید کر دیا ہے۔

"مگر میری بیوی تو ایک سیدھی سادی اور نہایت معصوم عورت ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "اس سے کسی کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"تمہاری بیوی کا دشمن تمہارے سسرالی رشتہ داروں میں سے ہے۔" عامل صاحب بولے۔ "اس دشمنی کا سبب یہ ہے کہ اس دشمن نے تمہاری بیوی کا رشتہ مانگا تھا۔ تمہارے سسر نے اور ساس نے بھی اسے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ غم اور غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے کسی جادوگر سے جادو سیکھنے کی ٹھان لی تا کہ اس توہین کا بدلہ

لیا جا سکے۔ چونکہ تمہارے ساس سسر سے بدلہ لینے سے کچھ حاصل نہ تھا اس لیے وہ تمہاری بیوی کی جان لینے کے درپے ہو گیا۔ وہ اسی علاقے میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے اسے یہ علاقہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب اس کی مجال نہیں کہ اس علاقے میں آ کر تم دونوں میاں بیوی کو تنگ اور ہراساں کرے۔"

☆......☆......☆

چٹا گانگ کی بندرگاہ پہنچ کر میں نے ایک تیز رفتار لانچ کرائے پر لی جو مچھلی کے شکار کے لیے مخصوص تھی۔ کوئی تیس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ایک مضبوط تھیلے میں بند کر کے سمندر برد کر کے میں واپس آ گیا۔ اس لانچ والے کو بھی بتا دیا کہ اس صندوقچے میں کیا تھا۔ عامل صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ پھر میں عامل صاحب کو ان کے ہاں پہنچا کر اور ان کی خدمت میں ان کا منہ مانگا نذرانہ پیش کر کے اپنے گھر آ گیا۔

تیسرے دن جمعہ تھا۔ میں نے اس خوشی میں اپنے گھر پر قرآن خوانی کی محفل منعقد کی۔ زینب نے عورتوں کو بلا کر میلاد کیا۔ رات کے وقت نہ صرف مہمان مرد اور عورتوں کو کھانا کھلایا بلکہ محتاجوں اور مسکینوں کو بھی۔ ان میں کپڑے بھی تقسیم کیے۔

دو مہینے کا عرصہ خیر و عافیت سے گزر گیا۔ ابتدائی دنوں تک ایک خوف سا مسلط رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا۔ ہم دونوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے ہماری ابھی ابھی شادی ہوئی ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایک تو دل سے اس ہاتھ کا خوف نکل گیا تھا اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ ان واقعات کو ہم دونوں تقریباً بھول چکے تھے۔ زینب تھی کہ اور حسین اور قیامت ہوتی جا رہی تھی۔

ایک مرتبہ مجھے کاروبار کے سلسلے میں کومیلا، رنگ پور اور کسان بھی جانا پڑا۔ میری غیر حاضری میں زینب ایک نوکرانی کی نوجوان بیٹی کو رات اپنے کمرے میں ساتھ سلا لیا کرتی تھی۔ اب اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس کا حوصلہ اور اعتماد لوٹ آیا تھا۔

ستمبر کا پہلا ہفتہ تھا۔ تین دن پہلے زینب کے والدین بھائی اور بہنیں اس سے مل کر اور تین دن رہ کر گئے تھے۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ وہ دس دنوں کے بعد اپنے میکے آ کر بارہ پندرہ دن رہے گی۔ سبھی کو بڑی حیرت اور خوشی ہوئی تھی۔ یہ ایک بڑی اور حیرت انگیز خوشگوار تبدیلی تھی جو اچانک اور غیر متوقع تھی۔ اس کی زبان سے یہ بات سننے

کے لیے سب کب سے ترس رہے تھے۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین تو نہیں آیا لیکن ان سب نے اس کی بات کو اس لیے بھی سچ جانا کہ اس نے یہ بات پہلی بار کہی تھی۔

میں نے اور زینب نے دانستہ اس کٹے ہوئے ہاتھ کا واقعہ ان میں سے کسی کو نہیں سنایا تھا۔ اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ مردہ دفن ہو چکا تھا۔ زینب بہت خوش تھی۔ اس کی خوشی دیکھ کر میں بھی سرشار ہونے لگتا تھا۔ آخر میں کیوں نہ خوش ہوتا۔ اس دنیا میں یہ ایک ہی تو ایسی ہستی تھی جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ میرے لیے دولت، نعمت اور قدرت کا ایک بیش بہا اور انمول عطیہ تھا۔ میں کفران نعمت کیسے کر سکتا تھا۔

ایک رات ہم دونوں ایک دوست کی بہن کی شادی میں جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ یہ چودھویں کی رات تھی۔ چاند اپنے شباب کی آخری منزل پر تھا۔ باہر دودھیا چاندنی کا منجمد دریا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں سونے کے لیے بستر پر لیٹے۔ چاند ایک کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا۔ کمرے میں اس کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے بھی نہیں بیتے تھے کہ زینب نے میرا شانہ ہلایا۔

میں آنکھیں کھول کر دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ میں یہ سمجھا کہ چاندنی راتیں اس کی بہت بڑی کمزوری ہیں۔ لہٰذا وہ چاہتی ہے کہ ہم چاندنی سے لطف اندوز ہونے کے لیے چھت پر چلے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا چھت سے چاندنی کا نظارہ بہت اچھی طرح ہوتا تھا۔ پھر ایسی جذباتی کیفیت اس پر طاری ہوتی کہ ہم دونوں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے۔ ایک سحر میں جکڑے رہتے تھے۔

دوسرے لمحے میں اس کا زرد چہرہ اور دہشت بھری آنکھیں دیکھ کر چونک پڑا اور میری مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ اس نے اپنے مرتعش ہاتھ سے اس کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جس میں سے چاند جھانک رہا تھا۔ اس کھڑکی کی چوکھٹ پر وہی خوفناک قسم کا مکروہ کٹا ہوا ہاتھ کھڑا تھا اور اس کا سایہ کمرے کے فرش پر پڑ رہا تھا۔ ایک سرد سی لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں کسی چاقو کی نوک کی طرح کاٹتی ہوئی اتر گئی۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہو گیا۔

میں اس بات پر ششدر تھا کہ یہ ہاتھ صندوقچے سے کیسے نکل آیا......؟ یہ وقت ان باتوں کو سوچنے کا نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی بستر سے نکل کر سوئچ آن کیا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ ہاتھ کسی ڈھیٹ بچے کی طرح اپنی جگہ اکڑ کر کھڑا ہوا تھا۔ پھر مجھے

ایسا لگا کہ جیسے وہ مجھ پر ہنس رہا ہے...... میرا تمسخر اڑا رہا ہے...... استہزائیہ انداز سے کہہ رہا ہے کہاں ہیں وہ تمہارے عامل صاحب...... انہیں بلاؤ۔ ان سے کہو کہ وہ مجھے پھر سے قید کر کے دکھائیں۔ میں تو ان کے فریب میں آ کر ان کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اب وہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ یہ ہاتھ روشنی ہوتے ہی گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو جاتا تھا لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ اس ہاتھ کو اس رخ کھڑے دیکھ کر ایک عجیب سی سنسناہٹ میرے سارے بدن میں پھیل گئی۔ پھر میں نے الماری کے اوپر رکھی ہوئی بندوق اٹھا کر اس کی طرف شست باندھی تھی کہ وہ ایک دم سے نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ میں بجلی کا کوندا بن کر کھڑکی کے پاس پہنچا اور باہر جھانک کر ہر سمت دیکھا۔ دور دور تک اس کا پتا نہیں تھا۔ چاندنی رات تھی اس چاندنی میں دور کی چیز بھی نظر آ رہی تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ شاید کسی ایسی جگہ چھپ گیا تھا جو میری نظروں سے اوجھل تھا۔ میرے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ وہ مجھے نظر آ جاتا تو میں اسے گولیوں سے نشانہ بنا دیتا۔ میرا نشانہ بہت اچھا تھا۔ چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو زینب میرے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''زینب...... زینب......'' میں نے اس کے سر کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''رو نہیں...... وہ چلا گیا ہے اب نہیں آئے گا۔''

''لیکن وہ صندوقچے سے نکل کر کیسے آ گیا......'' زینب ہچکیوں کے درمیان بولی۔

''عامل نے تو کہا تھا کہ اب وہ کبھی نہیں آئے گا......؟''

''میں خود حیران ہوں زینب۔'' میں نے کہا۔ ''دو ماہ سکون سے گزرے ہم تو اسے بھول بھی چکے تھے تم پریشان نہ ہو کچھ کرتے ہیں۔''

''اب وہ آیا ہے تو ایک بدترین دشمن بن کر......'' زینب نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''عامل صاحب کو چاہیے تھا کہ اسے صندوقچے میں قید کرنے کے بعد اس کو جلا دیتے۔ سمندر میں پھینکنے سے وہ ختم نہیں ہوا۔ معلوم نہیں وہ کس طرح نکل آیا اور یہاں پہنچ گیا۔ اللہ خیر کرے۔''

دوسرے دن صبح ایک دردناک خبر ملی کہ عبدل میاں کی نوجوان لڑکی عابدہ جس کی عمر سولہ برس کی تھی تالاب کے پاس مردہ حالت میں پائی گئی۔ وہ سورج نکلنے سے پہلے حسب

معمول نہانے کے لیے تالاب پر گئی تھی۔ اس وقت اس کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔ عابدہ نہ صرف نوجوان تھی بلکہ اس کا گاؤں کی حسین لڑکیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس میں جاذبیت اور دلکشی تھی۔ گاؤں کے بہت سارے گھرانے اس کے حسن سے اس قدر متاثر تھے کہ اسے اپنی بہو بنانے کے خواہش مند تھے۔ بہت سارے لڑکے اس کی محبت میں گرفتار بھی تھے۔ پولیس کا کہنا تھا کہ کسی ہوس پرست نے اسے اپنی خواہش کا نشانہ بنانے کے بعد اس کا گلا دبا کر جان سے مار دیا۔ اس ڈر سے کہ اس کا راز افشا نہ ہو جائے۔ عابدہ کے بارے میں بہت ساری باتیں میرے علم میں تھیں۔ اس کے والدین نے جن لڑکوں کے رشتے نامنظور کر دیئے تھے وہ لڑکے بڑی خار میں تھے۔ ایک لڑکے نے اسے ایک ویرانے میں دبوچ لیا تھا۔ اس وقت میں عابدہ کی چیخ و پکار سن کر وہاں پہنچا۔ اگر مجھے چند لمحوں کی دیر ہو جاتی تو اس کی عزت خاک میں مل جاتی۔ وہ لڑکا میری شکل دیکھتے ہی بھاگ نکلا۔ میں نے عابدہ کا لباس اٹھا کر اس کے جسم پر ڈالا۔ جب وہ کپڑے پہن چکی تو میں اسے گھر لے آیا تا کہ وہ خود پر قابو پا کر گھر جا سکے۔ ایسی حالت میں گھر جانے سے گاؤں کے لوگ اس کی ظاہری حالت سے غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے۔ اور پھر وہ اس واقعہ کے بارے میں کسی کو حتی کہ اپنے والدین اور کسی سہیلی کو نہ بتائے۔ اس میں اس کی عزت ہے اور والدین کی بھی۔ میں نے کہا زینب نے اس کی بڑی دلجوئی کی۔ جب وہ نارمل ہو گئی تو نوکرانی کے ساتھ اسے گھر بھیج دیا۔ وہ گاؤں کے ایک لڑکے جبر کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی۔ میں نے ان دونوں کو چوری چھپے ملتے دیکھا تو اسے کہا کہ وہ عزت سے کبھی بھی محروم ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ مرد ذات کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ اس نے میری بات مان لی تھی۔ وہ اس روز سے میری بڑی عزت کرتی تھی۔

وہ جو روزانہ نیم اندھیرے تالاب پر نہانے جاتی تھی اسے کسی ہوس پرست نے دیکھ لیا تھا۔ اس جگہ کی تنہائی سے اس ہوس پرست نے فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ تالاب کے کنارے برہنہ حالت میں پڑی تھی۔ اس کا لباس ایک بڑے پتھر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آزادی سے نہا کر تالاب سے نکلی تھی کہ اسے بدمعاش نے دبوچ لیا۔

جب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سامنے آئی تو پتا چلا کہ اس کی عزت پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

سارے گاؤں میں خوف و ہراس طاعون کی طرح پھیل گیا۔ ہر کسی کا یہ خیال تھا کہ اس کٹے ہوئے ہاتھ نے عابدہ کی جان لے لی ہے' جب یہ بات پولیس کے علم میں لائی

گئی تو اس نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ لڑکی نے چوں کہ اپنی آبرو بچانے کے لیے بڑی جدو جہد کی تھی اس لیے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ پھر اس نے شک میں گاؤں کے تین اوباش لڑکوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر پوچھ گچھ کے بعد انہیں رہا کرنا پڑا۔ کیوں کہ ان کے خلاف کوئی ثبوت اور عینی شاہد نہیں تھا اور پھر وہ لڑکے اس روز وہاں نہیں تھے۔ تین دن قبل میلہ دیکھنے رنگا مائی گئے ہوئے تھے۔

اس کے تیسرے دن پولیس انسپکٹر کی تیسری حسین و جمیل اور نوجوان بیوی اپنے کمرے میں مردہ پائی گئی۔ اس کا لباس تار تار ہو کر فرش پر پڑا تھا۔ اس روز شام کے وقت پولیس انسپکٹر ایک مفرور قاتل کی تلاش میں کومیلا گیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی گھر پر اکیلی تھی۔ ان کی شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے تھے۔ اس کی بیوی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ جو آئی وہی تھی جو عابدہ کی تھی۔ میں ایک بات بتانا بھول گیا۔ عابدہ اور پولیس انسپکٹر کی بیوی کو گلا دبا کر مارنے کے بعد قاتل نے ان کے جسم کے مختلف حصوں سے ان کا خون چوس لیا تھا۔ ان کے جسموں میں لہو کی ایک بوند بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے خون پینے کے لیے ہی ان دونوں کو برہنہ کیا تھا۔ پولیس کا یہ کہنا تھا کہ کوئی جنونی قاتل ہے جو صرف حسین اور جوان لڑکیوں کے خون کا پیاسا ہے۔

گاؤں کی کنواری لڑکیوں اور خوبصورت شادی شدہ عورتوں نے گھروں سے اکیلے نکلنا اور تالاب پر جانا چھوڑ دیا تھا۔ جو جوان لڑکیاں اور حسین عورتیں تھیں وہ تو بہت زیادہ پریشان اور خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ بہت ساری لڑکیاں اور عورتیں گاؤں چھوڑ کر شہروں میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں چلی گئی تھیں اور سب سے برا حال میری بیوی زینب کا تھا۔ میں نے اس سے بارہا کہا بھی کہ وہ کچھ دنوں کے لیے اپنے والدین کے پاس چلی جائے۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ میں بھی ساتھ چل کر اس کے ساتھ رہوں۔ مگر میرے لیے یہ بہت ہی مشکل تھا کیوں کہ ابھی ابھی تو بارش کا موسم ختم ہوا تھا۔ میری عدم موجودگی سے میرا کاروبار بھی متاثر ہو سکتا تھا۔ نوکر اس قابل اور ذمے دار نہ تھے کہ انہیں کاروبار سونپا جائے۔

زینب نے دن میں بھی خوابگاہ میں اکیلے رہنا چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ نیچے اوپر کسی نہ کسی کام سے آتی جاتی تھی اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ہوتا تھا۔ کوئی چار پانچ دنوں سے اس کٹے ہوئے ہاتھ نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ میں مسلسل پانچ راتوں سے متواتر جاگ رہا تھا

اور گاؤں والوں نے دو تین بڑے بڑے عاملوں کی خدمات حاصل کر لی تھیں تاکہ اور عورتوا
کی جان سلامت رہے۔

اس ہاتھ نے بڑا ہنگامہ مچایا۔ ایک روز اس کٹے ہاتھ نے ایک عامل صاحب کی
کلائی توڑ کر رکھ دی۔ پھر اس نے دوسرے عامل کو اوپر اٹھا کر تالاب میں پھینک دیا تھا۔
تیسرے عامل کے منہ پر اتنے زور سے اس نے تھپڑ مارا کہ انہیں دن میں تارے نظر آ گئے۔
وہ اس کٹے ہاتھ کو قابو میں نہ کر سکے۔ اس کا نشانہ بن گئے۔ اپنا یہ حشر دیکھ کر عامل حضرات
بھی گاؤں چھوڑ کر چلے گئے۔ جس کی توقع نہیں تھی۔

ان عاملوں کے جانے کے بعد دوسرے دن ایک اور جوان عورت دن کے ایک
بجے تالاب پر نہانے کے لیے اکیلی چلی گئی۔ وہ تالاب کے کنارے برہنہ اور مردہ حالت
میں پڑی ہوئی ملی۔ اسے بھی گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا اور اس کا خون بھی پی لیا گیا تھا۔
یہ عورت ایک کانسٹیبل کی بیوی تھی۔

پولیس اپنے آپ کو عقل کل سمجھتی ہے۔ ان کی کھوپڑی میں جو بات سما گئی اسے
کوئی نکال نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ ان میں اتنی رعونت اور فرعونیت ہوتی ہے کہ وہ آدمی کو
آدمی نہیں سمجھتے ہیں۔ کانسٹیبل کی بیوی کی لاش کیا ملی ایک طوفان آ گیا۔ پولیس نے میری یا
گاؤں والوں کی بات کو تسلیم کرنے کے بجائے مشتبہ افراد کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ان کا یہ
خیال تھا کہ اس عورت کی اجتماعی بے حرمتی کی گئی ہے۔ وہ ایک بدچلن عورت تھی۔ پوسٹ
مارٹم رپورٹ میں اس کی آبروریزی کے بارے میں کچھ نہ تھا۔ پولیس کے نزدیک کٹا ہوا
ہاتھ ایک واہمہ اور توہم پرستی تھی۔ پولیس کو عقل اس روز آئی جب تھانے دار کی پڑھی لکھی اور
جوان بیٹی نے رات کے وقت اپنے کمرے کی کھڑکی میں ایک کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر چیخیں مارنا
شروع کر دیں۔ سارا گھر بیدار ہو کر اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی
تھی۔ تھانے دار کی بیٹی کوئی جاہل نہ تھی۔ وہ گریجوایٹ تھی۔ باپ کو اپنی بیٹی کی بات کا یقین
کرنا پڑا۔ مشتبہ افراد کو رہا کرنے کے سوا چارہ نہیں رہا۔ پولیس کی بڑی بے عزتی اور سکی
ہوئی۔

گاؤں پر ایسی دہشت مسلط ہو گئی تھی کہ لوگ دن ڈوبنے سے پہلے ہی گھروں میں
جا کر بیٹھ جاتے تھے اور صبح سورج نکلنے کے بعد گھروں سے نکلتے اور کوئی عورت اور مرد اکیلے

کہیں نہیں جاتے تھے۔ اس کٹے ہوئے ہاتھ نے گاؤں والوں کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی
تھی۔

ایک روز میں کسی کام سے چٹا گانگ گیا ہوا تھا۔ زینب اپنے کمرے میں بیٹھی
بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ بوا فرش پر بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی۔ صبح کے دس بجے کا وقت تھا۔
زینب نے بالوں میں کنگھی کرنے کے بعد جوڑا باندھا۔ پھر اس نے اچانک اپنی گود میں کوئی
بھاری چیز محسوس کی۔ اس نے چونک کر اور ہڑبڑا کر دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ حلق
میں گرہیں پڑ گئیں۔ وہی کٹا ہوا ہاتھ اس کی گود میں پڑا تھا جو اب تک نہ جانے کتنی عورتوں
کی جانیں لے چکا تھا اور خون پی چکا تھا۔ یہ خونی ہاتھ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس خوفناک
اور مکروہ ہاتھ کو جھٹکتی اس نے ایک دم سے اچک کر زینب کا گلا پکڑ لیا اور دبانے لگا۔ زینب
نے چیخنے کی کوشش کی تو وہ چیخ نہ سکی۔ اس کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

زینب نے اپنی ساری طاقت جمع کی۔ حواس قابو میں کیے۔ ہمت کر کے اس نے
اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کٹے ہوئے ہاتھ کو پکڑ لیا اور وہ اپنے گلے کو اس ہاتھ سے
چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگی۔ اس نے پورا زور لگا دیا تھا کیوں کہ وہ لمحہ بہ لمحہ موت کے
قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس کوشش میں وہ پلنگ سے فرش پر گر پڑی۔ اس خونی ہاتھ کی
گرفت رفتہ رفتہ گلے پر سخت ہوتی گئی اور اس کا دم سینے میں گھٹنے لگا تھا۔ پھر اس کے کانوں
میں بھیانک قہقہے گونجنے لگے۔ جیسے وہ اس کی بے بسی پر خوش ہو رہا ہو۔ تمسخر اڑا رہا ہو۔ اس
کی نظروں میں ایک انتہائی مکروہ اور خبیث چہرہ گھومنے لگا۔ اس نے کسی ایسے چہرے کے
بارے میں سنا تک نہیں تھا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہونے لگا۔

بوا نے جو یہ ہولناک منظر دیکھا تو ایک لمحے کے لیے اس کے اوسان خطا ہو گئے
اور اس کے ہاتھوں پیروں میں جان ہی نہ رہی۔ دوسرے لمحے اس میں جانے کہاں سے اتنی
ہمت آ گئی کہ اس نے اپنی مالکن کو ہر قیمت پر بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے اندر نفرت اور
غصے کی تیز لہر آئی۔ اسے وہ معصوم مرد لڑکیاں اور عورتیں یک لخت یاد آ گئیں جنہیں اس خونی
ہاتھ نے موت کے منہ میں پہنچایا تھا۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح غضبناک ہو کر اپنی جگہ سے
اٹھی اور پیاز کاٹنے والی چھری لے کر زینب کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ وہ اپنا ہاتھ اس
خونی ہاتھ پر سے ہٹا لے۔ اس وقت زینب کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ اس لیے اس کے

دونوں ہاتھ آپ ہی آپ بے جان ہو کر گر پڑے تھے۔ بوا نے فوراً ہی چھری کی نوک اس خونی ہاتھ کی پشت میں اپنی پوری قوت سے جھونک دی۔ اس چھری کی نوک کا اس خونی ہاتھ میں چبھنا تھا کہ وہ ایک دم سے غائب ہو گیا۔

اس ہاتھ کے غائب ہوتے ہی بوا نے زینب کو دیکھا۔ زینب بے ہوشی کی حالت میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا کر لایا گیا۔ بروقت طبی امداد سے زینب کی جان بچ گئی لیکن دوسرے دن بوا اپنی کوٹھری میں مردہ پائی گئی۔ اس خونی ہاتھ نے بوا کا خون بھی پی لیا تھا۔ بوا کوئی بوڑھی عورت نہیں تھی۔ اس کی عمر تیس برس کی تھی۔ وہ ایک بھرپور اور پرکشش عورت تھی۔ کسی وجہ سے اس کی شادی نہ ہو سکی تھی۔

زینب نے پہلے ہی سے دن میں بھی کمرے میں اکیلے رہنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ نیچے اوپر آتی جاتی تو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ہوتا تھا۔ اس نے بوا کی موت کا بہت زیادہ اثر اس لیے بھی لیا تھا کہ بوا نے اس کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کی تھی۔ اس خونی ہاتھ نے بوا سے انتقام لیا تھا۔ اس قدر دہشت زدہ ہو گئی تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے پاس سے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔ بوا کو یاد کر کے زار و قطار روتی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میں اس کے میکے سندیپ اسے لے گیا۔ اسے وہاں چھوڑ کر چلا آیا۔ صرف ایک دن اپنی سسرال میں رہا۔

اس گاؤں میں غنی سوداگر بہت بڑے زمین دار تھے ان کی زمینیں صرف آٹھ ہزاری میں ہی نہیں بلکہ باری سال اور دو ہزاری میں بھی ہیں۔ آپ بھی ان سے واقف ہوں گے۔ ان کی بیٹی اور بیٹا امریکہ میں پانچ برس رہ کر تعلیم حاصل کر کے واپس آئے ہوئے تھے۔ لڑکی کی عمر بیس برس کی اور لڑکے کی عمر بائیس برس کی ...... ان کی بیٹی کومل امریکہ میں پانچ برس کیا رہی وہ وہاں کے ماحول اور تہذیب میں پوری طرح ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کا لباس قدرے نیم عریاں اور اس قدر بھڑکیلا تھا کہ اس میں اس کے بدن کی نمائش ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت مغرور تھی اور اسے اپنے باپ کی دولت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنے نوکروں سے حقارت آمیز سلوک کرتی تھی اور اس کے نزدیک وہ جانوروں سے بھی بدتر تھے۔

اسے بتایا گیا کہ ایک کٹا ہوا ہاتھ لڑکیوں اور عورتوں کے خون کا پیاسا ہے۔ وہ انہیں ہلاک کر کے ان کا خون پی جاتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی بھی تالاب پر نہانے کے لیے نہ جائے

اور نہ ہی اکیلی گھر سے نکلے۔ اس نے ان باتوں کو سن کر خوب مذاق اڑایا۔ پھر وہ ایک روز اپنے گھر سے قدرے فاصلے پر جو تالاب تھا وہاں نہانے اور تیرنے چلی گئی۔ یہ تالاب درختوں اور جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں صرف عورتوں کو نہانے کی اجازت تھی اور ان کے لیے مخصوص تھا۔ اس لیے یہاں جو بھی لڑکیاں اور عورتیں نہانے اور تیرنے کے لیے آتی تھیں وہ آزادی کا لبادہ اوڑھ لیتی تھیں۔

میں ایک قریبی گاؤں سے وہاں گزر رہا تھا تو کومل کو تالاب پر نہانے کے لیے جاتا دیکھا۔ کومل مجھے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ امریکہ سے آنے کے بعد میری اس سے ایک ملاقات ہو چکی تھی۔ میں نے اسے دور سے دیکھ لیا تھا۔ میں اسے تالاب پر نہانے سے روکنے اور منع کرنے کے لیے لپکا۔ جب میں جھاڑیوں کے پاس پہنچا تو وہ اپنے کپڑے اتار چکی تھی اور اسے ایک پتھر کے نیچے رکھ رہی تھی تاکہ ہوا سے نہ اُڑ جائیں۔ وہ ایسی حالت میں تھی کہ میں اس کے سامنے جا نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اسے آواز دے سکتا۔ میں اسے آواز دیتا تو وہ یہ خیال کرتی کہ میں اسے چھپ کر دیکھ رہا ہوں۔ وہ سبک خرامی سے تالاب میں اتر کر نہانے اور پھر تیرنے لگی۔ میں اس لیے وہاں کھڑا رہا کہ اگر کٹا ہوا خونی ہاتھ آ گیا تو اسے بچا سکوں۔

کچھ دیر بعد میں نے ایک ایسا منظر دیکھا کہ اسے ساری زندگی بھلا نہیں سکتا۔ میں نے مقابل والی جھاڑیوں میں خونی ہاتھ کو دیکھا۔ جس وقت وہ وہاں نکلا تھا اس وقت کومل تالاب کے باہر آ کر کنارے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی بے حجابی نے میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑا دی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے موت کے خطرے سے کیسے آگاہ کروں...... وہ خونی ہاتھ اس کی پشت پر تھا۔ وہ خونی ہاتھ جھاڑیوں سے باہر آیا اور اس نے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی کا بہروپ بھر لیا اور وہ کومل کی طرف بڑھا۔ کومل نے غیر ارادی طور پر مڑ کر دیکھا۔ ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر کومل نے کوئی شرم اور جھجک محسوس نہیں کی۔ اس نے کومل کے قریب پہنچ کر نسوانی آواز میں کہا۔ ”تم کتنی سندر ہو۔ تمہارا کومل بدن کیسا پرکشش اور گداز ہے۔“

”تم ہو کون......؟“ کومل اس کی زبان سے اپنی تعریف سن کر خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ ”تم بھی تو بلا کی حسین ہو......“

"پہلے ہم تالاب میں چل کر کچھ دیر نہاتے اور تیرتے ہیں۔" خونی ہاتھ نے کہا۔ "پھر ہم تعارف ہوتے ہیں۔ کیا خیال ہے۔"

خونی ہاتھ جو عورت کے بہروپ میں تھا اس نے اپنا لباس اتار دیا۔ پھر دونوں تالاب میں اتر گئیں۔ نہانے اور تیرنے کے دوران آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ میں ایک کرغنی سوداگر کے ہاں پہنچا۔ وہاں ان کی بیوی تھی۔ میں نے انہیں مختصر طور پر بتایا تو وہ اپنی نوکرانیوں کو لے کر میرے ساتھ تالاب کی طرف بڑھیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خونی ہاتھ نے کول کو دبوچا ہوا ہے۔ وہ اس کا گلا گھونٹ چکا تھا۔ اس کا خون پی رہا تھا۔ جب ہم قریب پہنچے تو وہ ایک دم سے نظروں سے غائب ہو گیا۔ ماں نے بیٹی کو مردہ دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

☆......☆......☆

کول کی موت کے بعد سے وہ خونی ہاتھ نظر نہیں آیا نہ پھر قتل کی کوئی واردات ہوئی تھی۔ ایک عامل صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اسے بھگا دیا ہے۔ کوئی پندرہ دنوں کے بعد میں زینب کو لینے اس کے میکے پہنچا۔ زینب نے بتایا کہ وہ خونی ہاتھ یہاں بھی پہنچ گیا ہے۔ ایک روز اس نے اپنے کپڑے نکالنے کے لیے اٹیچی کھولا تو وہ خونی اس کے کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حرکت کرنے لگا اور ایک دم سے اچھل کر کپڑوں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے تیور سے ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بھی پل اچک کر اس کا گلا دبوچ لے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ خونی ہاتھ اٹیچی سے باہر آتا زینب نے اٹیچی بند کر دیا۔ پھر اس نے فوراً ہی اسے مقفل کر دیا۔ اس کا سینہ اس بری طرح دھک دھک کر رہا تھا کہ یہ ہاتھ بند اٹیچی میں کیسے اور کیوں کر آ گیا۔ رات اس نے جوڑا نکالا تھا تو شاید اس نے اٹیچی کھلا چھوڑ دیا ہوگا۔ کسی نے بعد میں اس کی اٹیچی کھلا دیکھ کر بند کر دیا ہوگا جب اٹیچی کھلا ہوگا تب وہ اس میں جا بیٹھا ہے۔ پھر اس نے شور مچا کر گھر والوں کو جمع کر لیا۔ پھر اس کے والد، بھائی، پڑوسی اور محلے کے چند لڑکے چاقو چھروں اور ڈنڈوں سے مسلح ہو کر کمرے میں اٹیچی کے گرد کھڑے ہو گئے۔ جب اس اٹیچی کا منہ کھولا گیا تو اس میں وہ خونی ہاتھ موجود نہیں تھا، غائب ہو چکا تھا۔

اس کے دوسرے دن ایک لرزہ خیز واقعہ پیش آیا۔ اس خونی ہاتھ نے سندیپ جزیرے کے ایک جج کی حسین و جمیل بیوی کا گلا دبوچ لیا تھا۔ اس گھر میں میاں بیوی رہتے تھے۔ بیوی بہت ماڈرن قسم کی تھی۔ وہ ایسے لباس اور فیشن سے گھر سے نکلتی تھی کہ مرد اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اس کے ساس اور سسر اسے ٹوکتے تھے کہ وہ اس لباس میں باہر نہیں نکلا کرے۔ اس کے علاوہ اس سے ساس یہ بھی کہتی تھی کہ وہ بے حجابی سے صحن میں نہ نہائے لیکن وہ اپنی ساس اور سسر کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ اپنی من مانی کرتی تھی۔ غسل خانہ

ہوتے ہوئے بھی وہ صحن میں نہاتی تھی۔ اسے ضد سی ہوگئی تھی۔ شوہر اس کے حسن و شباب کی وجہ سے اس کا غلام بن کر رہ گیا تھا اور اس کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا۔ صحن کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ اسے نہاتے ہوئے باہر سے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس روز وہ بے حجابی کی حالت میں نہا رہی تھی تو اس نے اپنی پشت پر ہاتھ کو محسوس کیا۔ وہ ہاتھ اس کے بدن پر رینگتا ہوا اس کی گردن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ یہ سمجھی کہ اس کا شوہر ہوگا۔ جب اس نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ پھر وہ ہاتھ اس کی پشت سے ہوتا ہوا اس کی گلے کے نیچے آ گیا۔ وہ اس خونی ہاتھ کو دیکھ کر سکتے میں آ گئی۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ بے جان ہو گئے تھے کہ وہ اس ہاتھ کو پکڑ کر پھینک دے۔ اس کٹے ہوئے مکروہ اور انتہائی خوفناک ہاتھ نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ پھر وہ ہاتھ دست درازی کرنے لگا۔ اس میں ایسا وحشیانہ پن تھا کہ اسے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس ہاتھ نے چند لمحوں تک من مانی کی پھر اس نے گلا دبوچ لیا۔ جب وہ اس کا گلا گھونٹنے لگا تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اتفاق سے اس کا شوہر گھر پر موجود تھا۔ اس نے ایک کٹے ہوئے ہاتھ کو اپنی بیوی کا گلا دباتے ہوئے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے اور وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ پھر اس سے دیکھا نہ گیا۔ اپنی بیوی کو درد اور تکلیف سے تڑپتے دیکھا تو وہ اس کی جان بچانے کے لیے لپکا۔ ہمت کر کے اس کٹے ہوئے ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ ہاتھ اس کے قابو میں نہ آ سکا البتہ اس کی ایک انگلی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ ہاتھ ایک دم سے غائب ہوگیا۔ اس کی بیوی صدمے اور دہشت سے دو دن بے ہوش رہی۔ تیسرے دن جب وہ ہوش میں آئی تو اس کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ کر ہذیانی لہجے میں چیخنے۔ "ہاتھ...... ہاتھ...... خونی ہاتھ...... میرا گلا دبا رہا ہے...... مجھے بچاؤ...... ورنہ میں مر جاؤں گی۔ وہ دیکھو...... وہ ہاتھ میری طرف آ رہا ہے...... مجھے دبوچ رہا ہے...... اس کے شوہر نے جب اس کی یہ نفسیاتی اور ذہنی کیفیت دیکھی تو وہ اسے علاج کی غرض سے ڈھاکہ شہر لے گیا۔ وہ لرزے کی بھی مریض بن چکی تھی۔

اس واقعہ کے تیسرے روز زینب نے اپنے بھائی کے ہاتھ سے مچھلی منگوائی۔ بھائی نے وہ تھیلی لا کر زینب کے ہاتھ میں تھما دی جس میں مچھلی تھی۔ زینب نے تھیلی میں ہاتھ ڈال

کر مچھلی باہر نکالی۔ جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں مچھلی کے بجائے وہی کٹا ہوا خونی ہاتھ تھا۔ زینب نے حواس باختہ ہو کر وہ خونی ہاتھ فرش پر پوری قوت سے دے مارا۔ اس ہاتھ نے ایک قہقہہ مارا۔ ایسے ناشائستہ جملے ادا کئے جو میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پھر وہ ہاتھ موری کے راستے غائب ہوگیا۔ زینب غش کھا کر گر پڑی۔

سندیپ میں اسی روز شام کے وقت دریا کے شمال میں ایک دور دراز اور ویران جگہ پر ایک حسین اور نوجوان لڑکی پدما کی لاش برہنہ حالت میں ملی تو ایک کہرام سا مچ گیا۔ پولیس نے اسے قتل کا کیس قرار دے کر اس لڑکے کو شبہے میں گرفتار کر لیا جو اس لڑکی کو محبت بھرے خط لکھتا رہتا تھا اور اس سے جائے وقوع پر ملتا رہتا تھا۔ پولیس کا کہنا تھا کہ اس لڑکے نے لڑکی سے اس کی شادی نہ کرنے کے فیصلے سے دلبرداشتہ ہو کر اس کی آبروریزی کی اور اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔ اور اس کے جسم کے حساس گوشوں میں زخم ڈال کر خون بھی پی گیا۔ لڑکے نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ وہ اور پدما اس جگہ ملتے تھے اور بہک جاتے تھے۔ کیوں کہ وہاں ان کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا اور آزادی ہوتی تھی جس سے دونوں فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس روز ہوا یہ تھا کہ دونوں جذبات کی رو میں بہنے کے بعد حسب معمول دریا میں نہانے اور تیرنے کے لیے اتر گئے تھے۔ لڑکی جلد ہی پانی سے نکل گئی تھی تاکہ جسم اور بال خشک کرے لیکن وہ تیرتا ہوا دور تک چلا گیا۔ جب وہ واپس ہوا تو اس نے دیکھا ایک مرد پدما کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ جب وہ غصے کی حالت میں دریا کے کنارے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ مرد ایک کٹے ہوئے مکروہ اور بہت ہی خوفناک ہاتھ میں بدل گیا۔ پھر اس نے پدما کا گلا گھونٹ دیا جو غشی کی سی حالت میں پڑی تھی۔ پھر وہ ہاتھ جونک کی طرح پدما کے بدن سے خون پینے لگا۔ وہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر اپنے کپڑے لے کر وہاں سے بھاگ آیا۔ پولیس نے اس کے بیان کو مفروضہ قرار دیا۔ اسے تسلیم نہیں کیا۔ میں نے اور کچھ لوگوں نے پولیس کو سمجھایا کہ لڑکا بدکاری کا مرتکب ہوا ہے لیکن اس نے اس لڑکی کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ اس کٹے ہوئے ہاتھ نے...... اس ہاتھ نے جج صاحب کی بیوی کو بھی گلا گھونٹ کر قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر اس لڑکی کا قتل ہو جانا اور اس کا خون پینا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خبیث بدروح کی حرکت ہے۔ ایک شخص قتل کرنے کے بعد کہیں مقتول کا خون پی سکتا ہے۔ پھر میں نے اپنی بیوی کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا بھی ذکر کیا۔ پولیس انسپکٹر اس بات کو

مانتے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے میری بیوی کا خوب مذاق اڑایا اور مجھے مشورہ دیا کہ میں اپنی بیوی کو کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جاؤں۔ ابھی ہم پولیس اسٹیشن میں تھے کہ اس پولیس انسپکٹر کے ایک پڑوسی نے بتایا کہ اس کی نوجوان بہن کی چیخ و پکار سن کر پڑوس مدد کے لیے دوڑے دروازہ بند تھا۔ دروازہ بہت کھٹکھٹایا کھلا نہیں۔ آخر دروازہ توڑنا پڑا۔ اس کی بہن کی عریاں لاش فرش پر پڑی تھی۔ اس کے چہرے اور جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔ اس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا جس سے اس کی آنکھیں ابل پڑی ہیں۔ اس کے بدن پر جا بجا زخموں کے جو نشانات ہیں ان سے ایسا لگ رہا ہے کہ قاتل نے اس کا خون پی لیا ہے اور اس کی بے حرمتی بھی کی ہے۔ دیکھ لیں ہم نے کسی کو مکان سے نکلتے نہیں دیکھا اور نہ ہی مکان میں کوئی تھا۔ یہ کسی بدروح کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ پولیس انسپکٹر یہ کہانی سن کر غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آیا۔ وہ اسی وقت اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ کیوں کہ میں دوسرے دن زینب کو اپنے ہاں لے آیا۔ اس واقعے سے سندیپ جزیرے میں سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ سندیپ کے ایک عامل صاحب نے تعویذ لکھ کر دیا جو میں نے زینب کے گلے میں ڈال دیا۔ انہوں نے ایک اور تعویذ گھر میں رکھنے کے لیے دیا۔ لیکن ان دونوں تعویذوں سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کوئی تین روز پہلے کی بات ہے کہ میں نے اور زینب نے کھڑکی کی چوکھٹ پر دو کٹے ہوئے ہاتھ دیکھے۔ ایک ہاتھ نے پہلے ہی کیا کم فتنہ مچا رکھا تھا اب دوسرا ہاتھ بھی نظر آنے لگا۔ یہ ایک نئی افتاد تھی۔ زینب نے ایک دلخراش چیخ ماری۔ میں نے لپک کر بندوق اٹھائی۔ ان کا نشانہ لے کر پے در پے دو فائر کر دیے۔ ان ہاتھوں پر گولیوں کا ذرا برابر اثر نہیں ہوا۔ دوسرے لمحے ایک انتہائی خوفناک قہقہہ گونجا جس میں استہزائیہ انداز تھا۔ پھر ایک ہاتھ نے کہا کہ کیا تمہارے پاس اور گولیاں نہیں ہیں۔

دوسرے دن میں ریلوے سٹیشن اپنا مال بک کرنے سائیکل پر جا رہا تھا جو وہاں نوکر لے کر پہنچے تھے۔ آم کے باغ کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے ایک نسوانی چیخ سنی۔ یہ جگہ بہت ویران اور سنسان تھی۔ بعض اوقات بدمعاش کسی لڑکی یا عورت کو اغوا کر کے یہاں لاتے تھے۔ یہاں ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ میں سائیکل سے اتر گیا۔ وہاں ایک لاٹھی پڑی ہوئی تھی جس سے پھل توڑے جاتے تھے۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور ان

چیخوں کی سمت لپکا۔ میں نے تین چار درختوں کے درمیان گاؤں کی لڑکی نوری کو دیکھا۔ اس کی عمر چودہ برس کی اس کی اٹھان بڑی غضب کی تھی۔ دو کٹے ہوئے ہاتھ اسے لباس سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دست درازی بھی کرتے جا رہے ہیں اور استہزائی قہقہے بھی لگا رہے ہیں۔ میں ڈنڈا لے کر لپکا اور ہذیانی لہجے میں چلایا۔ ''ابے چھوڑ دو...... ورنہ......''

ان دونوں ہاتھوں نے مجھے انسانوں کی طرح پلٹ کر دیکھا پھر وہ ایک دم سے غائب ہو گئے۔ نوری مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ نوری کو میں نے گودوں میں کھلایا ہوا تھا۔ جب وہ چھوٹی بچی تھی تو بڑی سندر تھی اس کی ماں اسے ہمارے ہاں لایا کرتی تھی۔

میں جب چٹاگانگ سے باری سال کے لیے لانچ میں سوار ہوا تو ایسا لگا جیسے کوئی نادیدہ طاقت اس سفر سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جب میں سفر کے دوران کیبن سے نکل کر عرشہ پر آیا اور ریلنگ کے پاس کھڑا دریا کا نظارہ کر رہا تھا تو دیکھا کہ فضا میں اچانک وہی دونوں کٹے ہوئے ہاتھ نمودار ہوئے اور مجھ پر عقابوں کی طرح جھپٹے۔ میں جھک گیا۔ میں نے فوراً ہی آیت الکرسی پڑی تو وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ وہ سفر کے دوران نمودار ہو کر مجھے تنگ و ہراساں کرتے رہے۔ قرآنی آیت کی تلاوت نہ کرتا تو وہ مجھے ختم کر دیتے۔

یہ ہے اس منحوس، مکروہ اور خوفناک خونی ہاتھ کی کہانی جس نے نہ صرف کئی جانیں لے لیں بلکہ ہماری اور سارے گاؤں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ گاؤں میں اس خبیث روح کی ایسی دہشت اور خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے کہ ہر شخص غم زدہ اور بیمار ہو کر رہ گیا ہے۔ خصوصاً جوان لڑکیوں کے والدین اور شوہر حضرات بھی سخت پریشان ہیں۔ میں آپ کو نوری کے بارے میں بتانا بھول گیا کہ وہ اس باغ میں کیسے پہنچی۔ اس نے میرے پوچھنے پر بتایا تھا کہ وہ اپنی ہم جماعت کے گھر جانے کیلئے کھیت سے گزر رہی تھی کہ دونوں ہاتھ اچانک اس کی نظروں کے سامنے نمودار ہوئے اور اسے اٹھا کر یہاں لے آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں پہنچ گیا تھا۔

تنزیل الرحمٰن نے جو کہانی مجھے سنائی تھی وہ نہ صرف حیرت انگیز، خوفناک اور خون خشک کر دینے والی بلکہ بہت ہی دردناک بھی تھی۔ میں نے اس کی ساری کہانی سننے کے بعد

اسے دلاسا دیا کہ گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کی ذات سے بڑی کوئی ذات نہیں ہے۔ اس نے بڑے سے بڑے جادو کا توڑ پیدا کیا ہے۔ یہ کالا جادو ہے۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد اس خونی ہاتھ سے نجات مل جائے گی۔ ویسے آپ صحیح جگہ آئے ہیں۔ میں آج ہی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ظہر کی نماز اور کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ اذان ہونے والی ہے چل کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر آ کر کھانا کھاتے ہیں اس کے فوراً بعد چل پڑتے ہیں۔

اذان ہوئی تو ہم دونوں نے مسجد جا کر نماز پڑھی۔ پھر گھر آ کر کھانا کھایا۔ چائے پینے کے دوران اس نے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا تو میں نے اس کی طرف متعجب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے......؟''

''ایک حقیر سا نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ قبول کر لیں تو مجھے خوشی ہو گی۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر دیکھا تو اس میں پانچ ہزار کی رقم موجود تھی۔ میں نے اس میں سے ایک ہزار کی رقم نکال کر ایک رسید بنائی۔ پھر اسے چار ہزار کی رقم اور رسید دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ رقم میں نے دینی مدرسے کے لیے رکھ لی ہے۔ اللہ نے مجھے اس قدر نوازا ہوا ہے کہ میری گزر بسر کسی نہ کسی طرح ہو جاتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی بنی نوع انسان کی ذات کے لیے وقف کر دی ہے۔ اللہ آپ کو دولت اور نیک اولاد سے نوازے۔ اس خبیث روح پر قابو پانے کے بعد آپ یہ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں تو آفات و حادثات سے محفوظ رہیں گے۔''

ہم دونوں اسٹیمر سے چٹا گانگ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس نے سفر کے دوران مجھ سے کہا۔ ''ایک بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

''وہ کیا......؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔ میں نے اس بات کو جان لیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟

''یہ اللہ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اس نے میری بیوی کو اس خونی ہاتھ سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔'' وہ کہنے لگا۔ ''ایک بات میری سمجھ میں جو نہیں آ رہی ہے وہ یہ کہ وہ اب تک اس خونی ہاتھ سے کیوں اور کیسے محفوظ رہی۔ جب کہ دوسری معصوم لڑکیاں اور عورتیں بچ نہ

سکیں۔''

''جب تک انسان کی زندگی باقی ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا کیوں کہ زندگی موت کی امانت ہوتی ہے وہ اس کی حفاظت کرتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کی بیوی جواب تک اس خونی ہاتھ سے محفوظ رہی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ دونوں پنج وقت نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ صدقات و خیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ آپ کی عبادت اور یہ ساری نیکیاں کام آ رہی ہیں اور ہر طرح کی بلاؤں سے محفوظ رکھ رہی ہیں۔ آئندہ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔''

دوسرے دن سہ پہر کے وقت ہم چٹا گانگ پہنچے۔ پھر وہاں سے ریل گاڑی سے آٹھ ہزاری روانہ ہوئے۔ میں نے اس کی زبانی کہانی جو سنی تھی اس کہانی میں کہیں کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو کسی بھی مرد کے ساتھ پیش آیا ہو۔ اس خونی ہاتھ نے صرف لڑکیوں اور عورتوں کی جانیں لی تھیں اور وہ زینب کی جان لینے کے درپے تھا۔ اس خونی ہاتھ نے اس وجہ سے اب تک زینب کی جان نہیں لی تھی کہ وہ اسے ذہنی اذیت پہنچا کر اور ترسا ترسا کر مارنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس طرح سے اسے تنگ کر رہا تھا۔ اس لیے وہ اس کے پیچھے سائے کی طرح لگا ہوا تھا۔

میں نے غسل کرنے کے بعد نماز پڑھی۔ پھر چائے کا ایک کپ پینے کے بعد اس سے کہا۔ ''میں آپ کی بیوی زینب سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا اور اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور میرے خیال میں آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ آپ کی اجازت ہو تو......''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اس نے حیرانی سے جواب دیا۔ ''میں آپ کو بہت ساری باتیں بتا چکا ہوں۔ کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔''

''دراصل آپ نہیں جانتے ہیں کہ عورت کیا چیز ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عورت اپنی ماں یا اپنے بھائی سے کہہ دیتی ہے لیکن اپنے شوہر سے نہیں...... اس خونی ہاتھ کا پس منظر وہی بتا سکتی ہے۔ آپ اس کی ذات پر کوئی شک و شبہ نہ کریں۔ وہ ایک پاک دامن عورت ہے۔''

تھوڑی دیر بعد میں تیسری منزل کی نشست گاہ میں بیٹھا تھا اور زینب میرے سامنے موجود تھی۔ زینب بلا کی حسین تھی۔ بذات خود وہ ایک جادو تھی۔ ایک ایسا جادو جس کا

کوئی توڑ نہیں تھا اس کے حسن کا طلسم مردوں کو مسحور کر دینے والا تھا۔ اس کے کولہوں تک لہراتے لمبے' چمکیلے ریشمی سیاہ بال...... اس کی بڑی بڑی بھونرا جیسی آنکھیں جن میں بے پناہ حسن بھرا تھا...... اس کے چہرے کے تیکھے تیکھے نقش و نگار جس میں بڑی جاذبیت تھی۔ اس کی سندرتا اور کشش میں اس کی بلند قامت نے حد درجہ اضافہ کر دیا تھا۔ اس میں ایک اچھوتی معصومیت بھی تھی...... اسے دیکھ کر یہ کہا جا سکتا تھا کہ قدرت نے اسے فرصت میں بنایا ہو گا...... میں نے اپنی زندگی میں بہت کم ایسی حسین و جمیل لڑکیاں دیکھی تھیں۔ اس کی آواز بھی بڑی دلکش تھی۔ قدرت نے اسے ہر چیز سے بڑی فیاضی سے نوازا تھا۔

"زینب!" میں نے اسے شفیق لہجے میں مخاطب کیا۔ "تم مجھے ایک عامل نہیں بلکہ اپنے باپ' بھائی اور دوست کی جگہ سمجھو...... مجھ سے کوئی بھی بات نہیں چھپانا' تم مجھے اپنی زندگی کا وہ واقعہ سناؤ جو تم نے آج تک کسی کو نہیں سنایا ہے...... حتیٰ کہ اپنے شوہر اور کسی قریبی سہیلی کو بھی...... اپنی ماں اور بہن کو بھی نہیں بتایا۔ اس واقعہ کو سننے کے بعد ہی میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہوں۔"

میری بات سن کر زینب بڑے زور سے چونکی۔ جب اس نے اپنا جھکا ہوا خوش نما سر اوپر اٹھایا تو اس کے حسین چہرے پر زردی سی تھی۔ اس نے مجھے متوحش نظروں سے دیکھا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے حیرت سے کہا۔ "کون سا واقعہ...... میں آپ کی بات سمجھی نہیں؟"

"وہ واقعہ جس نے اس خونی ہاتھ کو جنم دیا......" میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ "کیا یہ حقیقت نہیں ہے......؟"

"اس خونی ہاتھ کا کسی واقعہ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" وہ تذبذب سے بولی۔ "یہ ہاتھ کیا خبیث روح کا نہیں ہے......؟"

"وہ واقعہ جو تم مجھے بتانا نہیں چاہتی ہو اس سے اس خونی ہاتھ کا گہرا تعلق ہے۔" میں نے اسے تولنے والی نظروں سے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا۔ "کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ خونی ہاتھ تمہاری جان کا بدترین دشمن بنا ہوا ہے۔ اب تک تم محض اتفاقات کی وجہ سے اس سے بچتی رہی ہو اور وہ تمہیں ذہنی اذیت پہنچا کر اور سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہے۔ کل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خونی ہاتھ تمہاری نظروں کے سامنے تمہارا سہاگ اجاڑ

دے...... تمہیں بیوہ کر دے۔ پھر اس کے بعد تمہاری بہنوں' بھائیوں اور والدین کو بھی موت کے منہ میں دھکیل دے۔ تمہیں شاید اس لیے زندہ رکھے کہ تم سے ساری زندگی کھیلتا رہے۔"

زینب کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ پھر وہ سفید ہوتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی۔ "نہیں...... نہیں......" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔

"تم مجھ پر بھروسا رکھو۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "میں تمہاری کہانی کسی کو نہیں سناؤں گا۔ تمہارے شوہر کو بھی نہیں...... تمہارا راز میری امانت میں رہے گا۔ میں اسے اپنے سینے میں دفن کر کے رکھوں گا...... سچی بات یہ ہے کہ جب تک مجھے اصل بات اور واقعہ کا پتا نہیں چلے گا میں تمہیں' تمہارے شوہر اور تمہارے گھر والوں کو اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا۔ من و عن سارا واقعہ سنا دو۔"

میری باتیں سن کر وہ ساڑھی کے پلو میں منہ دے کر کچھ دیر تک زار و قطار روتی رہی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رونا موقوف کیا۔ اپنے آنسوؤں اور جذبات پر قابو پانے کے بعد اس نے اپنی کہانی سنانا شروع کی۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ میں جزیرہ سندیپ کی رہنے والی ہوں۔ میرے شوہر نے آپ کو بتایا ہو گا۔"

اپنی بہنوں اپنے خاندان بلکہ پورے جزیرے سندیپ میں میں سب سے حسین و جمیل لڑکی تھی۔ بچپن ہی سے میرے حسن و جمال کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ میں سکول جانے لگی۔ سکول میں میرے حسن کی مناسبت سے مجھے رانی جزیرہ سندیپ کا خطاب دیا گیا۔ میرا نام رانی رکھ دیا گیا۔ میں رانی کے نام سے اتنی مشہور ہوئی کہ لوگ میرا اصل نام بھول گئے۔ مگر میرے گھر والے مجھے زینب ہی کہہ کر پکارتے تھے۔

جب میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو میرا حسن جوانی کے خمار سے اور قیامت خیز بن گیا اور وہ نکھرتا اور دو آتشہ بنتا گیا۔ ہائی سکول پاس کرنے کے بعد میں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ میں محسوس کرنے لگی تھی کہ میرے جزیرے کے لڑکے مجھ میں دلچسپی لینے لگے ہیں اور مجھے اپنانے کے خواہش مند ہیں لیکن ان میں ایسے لڑکے بھی تھے جو مجھے اپنی محبت کے جال میں پھانس کر فریب دینا چاہتے تھے۔ چوں کہ میری تربیت ایک خاص اور اچھے ماحول میں ہوئی تھی اس لیے میں ان لڑکوں سے دور رہتی۔ جوانی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ جوان لڑکی بہت سارے خواب دیکھتی ہے۔ جوان ہوتے ہی اس کے سینے میں طرح

طرح کے ارمان پیدا ہونے لگتے ہیں اور امنگیں بھی جوان ہونے لگتی ہیں۔ دل کسی کو چاہنے کو کرتا ہے۔لڑکوں نے مجھے عشقیہ خط لکھنا شروع کیے۔ وہ اس قدر سطحی اور گھٹیا قسم کے ہوتے تھے کہ ان کی ذہنیت سے مجھے سخت نفرت ہوگئی۔ میں ان کے خط پڑھے بغیر پھاڑ کر پھینک دیا کرتی تھی۔ مجھے ایسے لڑکوں سے سخت نفرت تھی۔ بہت سارے لڑکے اور مرد تو بری نظروں سے میرا بدن گھورا کرتے تھے۔ میں ان لڑکوں کی بری نظروں اور عشقیہ خطوں سے سخت پریشان تھی۔ میرا بس نہیں چلتا تھا ورنہ میں ان کا منہ نوچ لیتی اور آنکھیں پھوڑ دیتی۔ میں دل میں اس بات سے بہت ڈرتی تھی کہ اگر کوئی خط میرے گھر والوں کے ہاتھ لگ گیا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے؟ میرے گھر والوں کو مجھ پر بہت اعتماد تھا۔ لیکن میں اس بات سے خوف زدہ تھی کہ لڑکوں کی ان حرکتوں کا علم ہونے پر انہوں نے مجھے گھر بٹھا لیا تو میرے لیے بڑے دکھ کی بات ہوگی۔ مجھے صرف تعلیم سے جنون کی حد تک عشق تھا۔ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی۔

میری ہم جماعت لڑکیاں اور سہیلیاں جو خوبصورت اور پرکشش نہیں انہیں تعلیم سے زیادہ عشق و محبت سے دلچسپی تھی اور ان کی آنکھوں میں ہر وقت خواب لہراتے رہتے تھے۔ وہ نہ صرف لڑکوں سے محبت کرتی تھیں اور باقاعدگی سے ان سے ان کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ ان میں بعض لڑکیاں چوری چھپے ملا بھی کرتی تھیں۔ اس طرح سے وہ گمراہی کا شکار ہو جاتی تھیں۔ وہ مجھے لڑکوں کے لکھے ہوئے خط دکھایا کرتی تھیں اور تنہائی میں جذباتی ملاقاتوں کا ذکر بھی کرتی تھیں لیکن میرے دل میں کبھی کوئی ہلچل اور تمنا پیدا نہیں ہوئی۔ شاید اس لیے کہ میں دوسرے مزاج کی لڑکی تھی۔ میں انہیں بڑی بوڑھیوں کے انداز میں سمجھاتی تھی کہ وہ ان چکروں میں نہ پڑیں۔ لڑکوں سے زیادہ تعلیم میں دلچسپی لیا کریں۔ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ اندھا دھند بھاگنے سے نہ صرف ٹھوکر کھانا پڑتی ہے بلکہ بدنما داغ بھی لگ جاتا ہے۔ اگر اس محبت اور ملاقاتوں کا نتیجہ نکل آیا تو نہ صرف تمہاری بلکہ گھر والوں کی عزت خاک میں مل جائے گی۔

محبت کا بھوت آسانی سے نہیں اترتا ہے۔ میں نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ان میں دو ایک لڑکیوں کی محبت کا انجام بہت عبرت ناک ہوا۔ ان کی کوتاہی ساری زندگی کے لیے پچھتاوے کا سبب بن گئی۔ میں نے کالج میں صرف اپنے حسن کی وجہ سے

نہیں تعلیم سے بھی بڑی شہرت پائی۔ مجھ میں کبھی پندارِ حسن پیدا نہ ہوا۔ میں حسن پر نازاں نہیں پریشان تھی کہ اس نے مجھے ایک مصیبت میں ڈال دیا ہے۔

سندیپ میں اتم کمار بابو نامی ایک صاحب تھے۔ ان کی ایک دکان تھی۔ بہت ہی اچھے اور مخلص شخص تھے۔ ان کا ایک جوان بیٹا تھا۔ وہ وبائی مرض کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ان کی بیوی کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ ایک جوان لڑکا جس کا نام مکرجی تھا وہ کسی رشتہ دار کی تلاش میں سندیپ آیا تو اس نے اتم کمار بابو کے ہاں ملازمت کر لی۔ انہوں نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ کیوں کہ اس کی شکل و صورت ان کے بیٹے سے بہت ملتی جلتی تھی۔ اس قدر گہری مشابہت تھی جیسے وہ ان کا سگا بیٹا ہو۔ وہ اسے سگے بیٹے سے زیادہ چاہنے لگے۔ ایک روز اتم کمار بابو اور ان کی پتنی ایک شادی کی تقریب میں کشتی میں واپس آرہے تھے کہ اس کشتی میں زیادہ لوگ ہونے کی وجہ سے وہ کشتی الٹ گئی۔ کچھ مسافروں کے ساتھ کی ان کی پتنی بھی ڈوب کر مر گئیں۔ اتم کمار بابو زندہ بچ گئے۔

انہوں نے بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔ انہوں نے اس خیال سے دوسری شادی نہیں کی تھی کہ ان کا منہ بولا بیٹا کہیں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم کا مجھےاور بھلو جائے۔ مکرجی بری صحبتوں کا شکار ہو کر آوارہ اور ایک نمبری بدمعاش بن گیا۔ جب وہ سندیپ آیا تھا اس وقت بھی وہ کوئی اچھا شخص نہ تھا۔ اتم کمار بابو نے اسے سدھارنے کی بہت کوشش کی مگر وہ راہ راست پر نہ آیا۔ اتم کمار بابو اس غم میں اس دنیا سے چل بسے۔ اب وہ اس دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ ان کے کاروبار اور مکان کا مالک بن گیا۔

سندیپ میں ایک شخص تھا۔ اس کا نام موہن داس گپتا تھا۔ وہ سفلی علم کا بڑا ماہر تھا۔ جادو ٹونے کے کام کو اس نے اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ وہ کالے جادو کا نہ صرف توڑ جانتا تھا بلکہ کالا جادو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ مکرجی نے باپ کی موت کے بعد اس خبیث شخص کی شاگردی قبول کر لی۔ تین چار برسوں میں اس نے موہن داس گپتا سے بہت کچھ سیکھ لیا۔ وہ بھی ایک جادوگر بن گیا۔ وہ کسی نہ کسی موقع پر اپنے کمالات دکھا کر لوگوں کو مرعوب اور متاثر کرتا رہتا تھا۔ موہن داس گپتا جب تک زندہ رہا اس نے نہ تو کسی کو بلاوجہ پریشان کیا اور نہ ہی اس نے مکرجی کو اس بات کی اجازت دی کہ اس علم سے کسی کو ہراساں کرے اور اس سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے۔ اس کی موت کے بعد مکرجی کو جیسے کھلی چھٹی

مل گئی۔ وہ پوری طرح آزاد ہوگیا۔ اس کی بے جا حرکتوں سے لوگ نالاں اور پریشان رہنے لگے۔

وہ ایک بدنیت اور سیاہ کار شخص تھا۔ لڑکیاں اور عورتیں اس کی بڑی کمزوری تھیں۔ اس نے اپنے جادو کے زور سے کئی لڑکیوں اور عورتوں کو تباہ و برباد کیا تھا۔ اس میں ایک طرح ان لڑکیوں اور عورتوں کی اپنی غلطی کا بھی بڑا دخل تھا۔ سچ ہے کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔ وہ اس کے پاس اپنے خوابوں اور گھریلو جھگڑوں سے نجات پانے کے لیے تعویذ' گنڈے حاصل کرنے گئی تھیں۔ اس نے اپنے جادو کے زور سے فائدہ اٹھا کر انہیں آلودہ کیا تھا۔ وہ ایک طرح سے بدصورت تھا۔ دراصل اس کے چہرے سے خباثت ٹپکنے لگی تھی۔ جس سے اس کا چہرہ ایک شیطان کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے میلا پن اور ہوس جھانکتی رہتی تھی۔ لڑکیاں اس کی شکل دیکھ کر خوف کھاتی تھیں۔

اس میں اور عام لچے لفنگوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ ایک غنڈے اور خطرناک بدمعاش سے کم نہ تھا۔ وہ راہ چلتی لڑکیوں پر آوازیں کستا۔ ایسی شادی شدہ جو بہت حسین اور دلکش اور عمر پور جوان ہوتی تھیں ان کا احترام اور ان کے شادی شدہ ہونے کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔ انہیں دیکھ کر ہنستا اور بے ہودہ' فحش اور معنی خیز اشارے کرتا۔ تنہائی میں کوئی لڑکی مل جاتی تو اس سے کہتا کہ وہ اس کی بات مان لے تو وہ اس کی بڑی سے بڑی خواہش بھی پوری کرسکتا ہے۔ ایک روز ایک شادی شدہ عورت نے دست درازی پر سینڈل سے اس کی مرمت کردی۔ پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ اس نے اس عورت کو اپنے جادو کے زور سے برباد کر کے بدلہ لیا۔

اس نے مجھ سے کبھی ایسی کوئی بے ہودہ اور عامیانہ حرکت نہیں کی۔ البتہ وہ مجھے جب بھی دیکھتا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیتا اور سرد آہیں بھرنے لگتا اور پھر کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جب وہ مجھے خط نہ لکھتا ہو۔ میں نے صرف اس کا ایک ہی خط پڑھا تھا جس میں اس نے ابتدا میں میرے حسن و شباب اور جسم کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر میرے جذبات کو بھڑکانے کے لیے اپنے پراگندہ احساسات کا ذکر کیا تھا۔ اس خط کے آخر میں اس نے لکھا تھا کہ میں اس سے رات کے بارہ بجے کے بعد مکان کے پچھواڑے میں ملوں تاکہ ہم دونوں محبت کی وادی میں دور بہت دور چلے جائیں۔ میرا دل تم سے ملنے اور محبت بھری

باتیں کرنے اور بہت قریب سے دیکھنے کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے۔ ملن کی اس رات کو تم ساری زندگی بھلا نہ سکو گی۔ مجھ سے روز ملنے کے لیے تڑپا کرو گی۔ اگر تم نے میرا حکم نہیں مانا تو یاد رکھو میں نہ صرف تمہاری بلکہ تمہارے گھر والوں کی زندگی بھی اجیرن کر کے رکھ دوں گا۔ یہ تمہارے لیے ایک ایسی اذیت اور عذاب ہوگا جسے تم سہ نہ سکو گی۔ یہ خط ایسا تھا کہ میں اپنی ماں اور بچپن کی کسی سہیلی کو بھی دکھا نہیں سکتی تھی۔ میں اس کی دھمکی میں نہیں آئی۔ میں نے یہ خط پھاڑ کر نالے میں پھینک دیا۔ اس کے بعد اس کے جو بھی خط آتے رہے انہیں پڑھے بغیر پھاڑ کر پھینکتی رہی۔ میں نے اس بات کو والدین سے چھپا کر رکھا تھا کہ یہ خبیث مردود مجھے فحش اور بے ہودہ قسم کے خط روزانہ لکھتا رہتا ہے۔

میں روز ہی رات کے گیارہ بجے تک جاگ کر پڑھتی رہتی تھی۔ میرا کمرہ سب سے نیچے اور کونے میں تھا۔ اس کا ایک دروازہ اور کھڑکی تھی جو راستے کی طرف کھلتی تھی۔ عقبی دروازے کے پاس تین چار کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں غلہ' لکڑیاں اور کلہاڑاں رکھی جاتی تھیں۔ میں نے جب نوٹس کی کاپی کھولی تو اس میں اس خبیث مردود کا ایک خط بغیر لفافے کے موجود تھا۔ میں حیران رہ گئی کہ یہ خط اس کاپی میں کیسے آ گیا۔ پہلے تو مجھے اپنی ہم جماعت سہیلی نیلم پر شک ہوا جو ایک بار اپنی پسند کی شادی کے لیے اس کمینے کے پاس گئی تھی۔ وہ اس سے ملنے جاتی رہتی تھی۔ اس نے اسے فریب پر فریب دے کر کھلونا بنایا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے اس ذلیل کی تعریفیں کرتی رہتی تھی۔ پھر خیال آیا کہ نیلم تو آج کالج نہیں آئی تھی۔ پھر بوا کا خیال آیا شاید اس اوباش نے بوا کی مٹھی گرم کردی ہوگی۔ بوا کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے یہ خط میری کاپی میں رکھ دیا۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس خط کو پڑھا۔ اس نے اس میں لکھا تھا کہ میرے پاس ایک جادوئی گولہ ہے اس میں ہر کسی کو دیکھ سکتا ہوں۔ اس میں زیادہ تر تمہیں سوتے اور پڑھتے ہوئے بھی دیکھتا ہوں۔ میری جان اب تم میرا زیادہ امتحان نہ لو۔ میرے صبر کو نہ آزماؤ تمہیں ہر حالت میں دیکھ کر میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ تم رات کے وقت اپنے مکان کے پچھواڑے مجھ سے ایک بار تو مل لو۔ پھر تم مجھ سے ملنے کے لیے روز آؤ گی۔ بے تاب رہو گی۔ مجھ سے ملے بغیر چین نہیں آئے گا۔" زینب نے توقف کیا۔

زینب جو کچھ بتا رہی تھی وہ بہت ہی کھل کر...... دراصل میں نے اسے اپنے زیر

اثر لیا ہوا تھا۔ اس پر میں نے ہپناٹائز کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ ورنہ وہ اس قدر تفصیل میں نہ جاتی اور نہ ہی وضاحت سے بتاتی جاتی۔ میں ایک ایک بات جاننا چاہتا تھا۔

''اس روز چاندنی رات تھی۔'' زینب نے گہرا سانس لیا اور پھر اپنی بات جاری رکھی۔ ''آسمان پر چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا تھا۔ معلوم نہیں میں کتنی دیر تک گہری نیند سوتی رہی تھی۔ میرے گال پر مچھر نے کاٹا تو میں نیند سے بیدار ہو گئی۔ پھر میں نے جھک کر تکیئے کے پاس سے کتاب اٹھائی اور مطالعہ کرنے لگی۔ کافی دیر مطالعہ کرنے کے بعد جب کتاب میں نے میز پر رکھی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور سینہ دھک سے ہو کر رہ گیا۔ میری نظریں کھڑکی کی طرف اٹھی تھیں۔ مکر جی سلاخوں کے پیچھے کھڑا مجھے ہوس بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔ چہرے پر خباثت اور پھٹکار برس رہی تھی۔

اس خبیث کو دیکھتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ اس کمینے کی یہ مجال کہ میرے گھر میں داخل ہو جائے۔ اس کا وہ خط جو مجھے کاپی میں ملا تھا جسے میں نے پھاڑ کر پھینک دیا تھا تب سے نفرت اور غصے سے میرا برا حال تھا۔ میرا بس چلتا تو شاید میں اسے چاقو گھونپ کر قتل کر دیتی۔ میں نفرت اور غصے سے کانپنے لگی۔ میں نے اسے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے چیخنا چاہا تو میرا منہ کھل نہیں سکا۔ اس نے جادو کے زور سے میرا منہ بند کر دیا تھا۔ اس لیے میری آواز دھڑکتے سینے میں گھٹ کر رہ گئی۔ دوسرے لمحے میں نے اس کی آنکھوں سے روشنی خارج ہوتے دیکھی۔

چند ثانیوں کے بعد اس کی کینہ توز آنکھوں سے شعاعیں پھوٹنے لگیں اور میری آنکھوں میں داخل ہونے لگیں۔ وہ زیر لب آہستہ آہستہ کچھ پڑھتا جا رہا تھا اور میں بت سی بنی کھڑی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا غصہ اور نفرت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی ہے۔

چند لمحوں کے بعد اس نے سرگوشی میں مجھ سے کہا ''میری رانی...... میری دل کی ملکہ...... چودھویں کا چاند ادھر آؤ۔''

میں کشاں کشاں اس کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے پاس پہنچی۔ ہم دونوں کے درمیان کھڑکی کی سلاخیں حائل تھیں۔ اس نے میری آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''میری رانی...... تم دروازہ کھول کر باہر آؤ...... میں تمہارا شہزادہ ہوں۔ میں کتنی صدیوں سے

تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

میں کسی معمول کی طرح سحر زدہ سی دروازے کی طرف بڑھی۔ چٹخنی کھول کر باہر آئی۔ باہر مکر جی موجود نہیں تھا۔ میرے قدم آپ ہی آپ لکڑی والی کوٹھڑی کی طرف بڑھ گئے۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا۔ اس کمرے کے ایک کونے میں لالٹین رکھی ہوئی ہے۔ وہ جگہ قدرے اونچی تھی۔ وہ لالٹین جل رہی تھی۔ اس کی روشنی خاصی تیز تھی۔ اس کی روشنی میں میں نے فرش پر بستر دیکھا۔ وہ گدا اپنے ساتھ لایا تھا یا اس کمرے میں موجود تھا اس پر اس نے رنگین چادر ڈال رکھی تھی۔ وہ بستر کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کی طرف بے اختیار اور سحر زدہ سی بڑھنے لگی۔ اس نے اپنے بازو فضا میں پھیلا رکھے تھے۔ اس کی آنکھوں سے شیطانیت جھانک رہی تھی۔ چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ گو کہ میں نے یہ جان لیا اور سمجھ لیا تھا کہ وہ مجھے آلودہ کر دے گا۔ پامال کر کے رہے گا۔ میری عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی۔ میرا دامن عصمت تار تار ہو جائے گا لیکن میں بے بس سی تھی۔ اتنا اختیار بھی نہیں تھا کہ اپنے آپ کو روک سکوں اور واپس چلی جاؤں۔ میں اسے دیکھتے ہوئے بستر کی طرف بڑھ رہی تھی کہ مجھے ایک دم سے ٹھوکر لگی۔ ٹھوکر میرے پیر کے انگوٹھے میں لگی تھی۔ ٹھوکر لگتے ہی میرے منہ سے ایک کراہ نکلی۔ میں درد کی شدت بھول گئی۔ پھر ایک دم سے اچھل پڑی اور پھر ششدر سی ہو گئی کہ میں کیوں اور کس لیے اس کوٹھڑی میں آ گئی۔ ٹھوکر لگ کر خون نکلتے ہی جادو ٹوٹ گیا تھا۔ میں اس کے اثر سے نکل آئی تھی۔ جب میں نے مکر جی کو دیکھا تو سارا ماجرا میری سمجھ میں آ گیا۔ پھر مجھے تھوڑی دیر پہلے والی تمام باتیں فوراً ہی یاد آ گئی تھیں۔ جب وہ میری طرف تیزی سے بڑھا تو میں نے جھٹ سے کلہاڑی اٹھالی اور سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

مکر جی ٹھٹک کے رک گیا۔ پھر اس نے مجھ سے بھونڈے انداز میں کہا۔ ''میری جان اسے پھینک دو اور میرے بازوؤں میں سما جاؤ......''

''اگر تم اپنی جان سلامت چاہتے ہو تو یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' میں نے ہذیانی لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔ میں نے کلہاڑی پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

''تم غصے میں کتنی حسین اور قیامت دکھائی دے رہی ہو۔'' مکر جی نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اے حسن کی دیوی...... آج کی رات ایسی نفرت کی باتیں نہ کرو۔ حقارت

کی نظروں سے نہ دیکھو...... آج چودھویں کی رات ہے۔ تم بھی اس چاند سے کم نہیں ہو...... آؤ ہم جذبات کے سیلاب میں بہہ کر دور چلے جائیں۔"

"ذلیل...... کمینے......تو مجھے جادو کے زور پر یہاں لے آیا ہے۔" میں پھنکاری۔

"اب میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ مار ڈالوں گی۔"

اس خبیث نے مجھے دبوچنے کے خیال سے ایک دم سے مجھ پر جست لگائی تو میں سرعت سے ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ لکڑیوں کے ڈھیر پر گرا۔ اس لمحے معلوم نہیں مجھ پر کیا اندھا جنون سوار ہو گیا۔ آج میں سوچتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے کلہاڑی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر کے پوری قوت جمع کر کے اس پر وار کر دیا۔ اسے اتنی مہلت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو میں لرز کر رہ گئی۔ مکرجی کا دایاں ہاتھ کلائی سے کٹ کر فرش پر پڑا ہوا تھا۔ وہ درد سے تڑپ رہا تھا۔ تڑپتے تڑپتے وہ تحلیل ہونے لگا۔ دوسرے اس کا کٹا ہوا خون آلود ہاتھ دیکھ کر میں بے ہوش ہو گئی۔

معلوم نہیں کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا۔ ہوش آیا تو اس کوٹھڑی میں فرش پر ہاتھ کے پاس پڑی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ پھر ایک خیال آیا کہ گھر والوں کو جگا کر اس واقعہ کے بارے میں بتا دوں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں گھر والے کیا نتیجہ اخذ کریں۔ مجھ پر کوئی الزام نہ آ جائے اور پھر نوکروں کو بھی اس واقعہ کے بارے میں کسی نہ کسی طرح پتا چل جائے گا۔ طرح طرح کے قصے اور کہانیاں میری ذات سے منسوب ہو کر عام ہو جائیں گی۔ میری اور میرے گھر والوں کی بدنامی ہو گی۔ کلنک کا جو ٹیکہ لگے گا اسے ہٹانا ناممکن ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔

میرے ذہن میں فوری طور پر ایک تدبیر آئی تو میں نے اس کمرے کے ایک کونے میں کلہاڑی کی مدد سے فرش کی کھدائی کی چوں کہ فرش بہت کچا تھا جلد ہی ایک گڑھا بن گیا۔ پھر میں نے کٹے ہوئے ہاتھ کو اس گڑھے میں دبا کر فرش اوپر سے برابر کر دیا۔ لکڑیوں پر جو خون کے دھبے پڑے تھے انہیں مٹانا تھا۔ میں نے گیلے کپڑے میں صابن لگا کر انہیں جتنا پونچھ کر صاف کر سکتی تھی صاف کیا۔ پھر کمرے میں آ کر انگوٹھے کے زخم کو بھی صاف کر کے اس پر مرہم لگایا۔ تھوڑی دیر بعد سونے کیلئے بستر پر روانہ ہوئی تو یہ سب کچھ کسی

ڈراؤنے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔

میں نے اس ہولناک واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا اور نہ ہی کسی سہیلی کو اعتماد میں لینا ضروری خیال کیا۔ دوسرے دن میں ناساز طبیعت کا بہانہ کر کے کالج بھی نہیں گئی۔ میں یہ سوچتی رہی کہ اگر میرا انگوٹھا زخمی نہ ہوتا تو میرے پاس عزت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور پھر وہ کس قدر ذلیل اور کمینہ تھا کہ وہ اس قدر مکروہ عزائم رکھتا تھا۔ اس روز سے مکرجی کہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ اچانک اور پراسرار طور پر لاپتا ہو گیا تھا۔ سندیپ کی عورتوں اور لڑکیوں نے سکھ اور چین کا سانس لیا۔

اس طرح ایک برس کا عرصہ بیت گیا۔ اس واقعہ کے ایک برس بعد میری شادی ہو گئی۔ پھر میں یہاں آ گئی۔ میری شادی کو دو برس کا عرصہ بھی نہیں گزرا کہ وہ یہاں مجھ سے انتقام لینے آ گیا اور وہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے میری جان لینے کے درپے ہے۔ جس ہاتھ کو میں نے کاٹ دیا تھا۔ اس مردود نے کتنی ہی لڑکیوں اور عورتوں کی عزت اور جانیں لی ہیں۔ خدا اس مردود کو ایسی عبرتناک سزا دے کہ وہ کتے کی موت مرے۔"

زینب اپنی دکھ بھری کہانی ختم کر کے زار و قطار رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گی۔

میں نے زینب کو تسلی و تشفی دی اور زینب نے جیسے ہی اپنی کہانی ختم کی تھی مغرب کی اذان ہونے لگی۔ میں نے اور زینب اور اس کے شوہر نے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد کھانا چن دیا گیا۔ پھر ہم نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد میں نے میاں بیوی سے کہا۔ "سندیپ میں ایک سفلی علم کا ماہر تھا جو عورتوں کو تنگ اور پریشان کرتا تھا۔ اسے کسی عامل نے بھگا دیا۔ وہ پھر سے اپنے کالے جادو کے زور پر انسانی کٹے ہوئے ہاتھ سے عورتوں کی جان لینے پر عمل میں آ گیا ہے۔ میں اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ آپ دونوں اپنے کمرے میں جا کر سکون اور اطمینان سے سوئیں۔ اب کسی ڈر اور خوف کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ اب وہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

وہ دونوں میری بات سن کر بری طرح گھبرا گئے۔ زینب خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"خدا کیلئے اب آپ یہاں سے مت جائیں۔"

''وہ کس لیے......؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ تم کس لیے اس قدر خوف زدہ اور ہراساں ہو رہی ہو......؟''

''اس لیے کہ اب دو دو ہاتھ آنے لگے ہیں۔'' زینب نے مردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ ہم سب کی جان لے کر ہی چھوڑیں گے۔''

''نہیں...... اب تو وہ کسی کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس گھر میں جتنے افراد ہیں وہ ایک ایک بار سورۂ فاتحہ' چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھ کر سینے پر دم کر لیں۔ وہ ہاتھ قریب نہیں آ سکیں گے اور نہ ہی کالا جادو کوئی اثر کرے گا۔''

پھر میں اس خبیث مکرجی کی تلاش میں نکل پڑا۔ اسے ساری رات مختلف جگہوں پر تلاش کرتا رہا۔ وہ نہیں مل سکا۔ میں صبح واپس آ گیا۔ دونوں میاں بیوی بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ وہ میرے رات بھر غائب رہنے سے بہت پریشان تھے۔

میں نے ناشتہ کرتے وقت تنزیل الرحمٰن سے پوچھا۔ ''رات کیسی گزری......؟ وہ دونوں ہاتھ آئے تو نہیں تھے......؟''

''جی ہاں...... وہ آئے تھے۔'' تنزیل الرحمٰن نے جواب دیا۔ ''آپ کے جانے کے کوئی ایک گھنٹے کے بعد...... دونوں ہاتھ ایک ساتھ ہی آئے تھے مگر وہ کمرے میں داخل نہ ہو سکے۔ انہوں نے کمرے میں داخل ہونے کی بڑی کوشش کی۔ بڑا زور لگایا مگر ان کی ہر کوشش ناکام رہی۔ کوئی غیبی طاقت تھی جو انہیں اٹھا کر دور پھینک دیتی تھی۔ ان کے ہاتھ سے شعاعیں بھی خارج ہوئیں جس سے انہوں نے کھڑکی کی سلاخیں جلانا چاہیں لیکن وہ بجھتی رہیں۔''

''ان دونوں ہاتھوں نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ ان سلاخوں کو اکھاڑ پھینکیں۔'' زینب نے بتایا۔ ''وہ اسے ہلا نہیں سکے۔''

''اب وہ کسی راستے سے بھی کسی بھی وقت گھر کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔'' میں نے انہیں دلاسا دیا۔ ''اب آپ سب سکون و اطمینان سے رہیں خوف نہ کھائیں۔''

میں اس کی تلاش میں صبح چل پڑا۔ اسے شاید اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں اس کی سرکوبی کیلئے آیا ہوا ہوں۔ میں نے جنوب میں اسے نہ پایا تو میں نے ایک ویرانے میں اپنے موکل کو طلب کیا۔ اس نے کچھ دیر بعد آ کر مجھے بتایا کہ مکرجی شمال میں یہاں سے دو

میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں تالاب کے کنارے ایک بڑی سی کٹیا ڈالے اس میں پڑا ہے۔ اسے اس نے اپنی اقامت بنا رکھا ہے۔

میں اس جانب چل پڑا۔ میں نے ایک میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک بہت ہی حسین اور بھرپور جوان عورت ایک درخت کے نیچے اس طرح سے لیٹی ہوئی تھی کہ پارسا سے پارسا بوڑھے سے بوڑھا مرد بھی اسے دیکھ کر بہک سکتا تھا۔ اس کے جذبات قابو میں نہیں رہتے۔ لباس بھی اس کا نامناسب تھا۔ میں ایک مرد تھا۔ حقیقت کچھ اور ہوتی تو شاید میں اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ میرا پیر پھسل جاتا۔

اس نے مجھے خود سپردگی کی نظروں سے دیکھا اور ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور میرے پاس اٹھ کر آئی۔ پھر رسیلی آواز میں بولی۔

''اے حسین و جمیل مرد تم کہاں جا رہے ہو......؟ آگے تو کوئی جگہ آبادی نہیں ہے؟ تمہیں کس کی تلاش ہے......؟''

''میں کہیں بھی جا رہا ہوں تمہیں اس سے کیا......؟'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''کس کی تلاش ہے کیوں بتاؤں؟ تم دفع ہو جاؤ۔''

''یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے آنے کا امکان ہے۔'' اس کے ہونٹ' سراپا' جسم اور آنکھیں دعوت گناہ دینے لگیں۔ ''یہ ایک ویرانہ ہے جنگل ہے کیوں نہ ہم دونوں جوانی اور جذبات کے جنگل میں اتنی دور نکل جائیں کہ واپسی کا ہوش نہ ہے۔''

''تمہاری اس میں بہتری ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور اپنی راہ لو۔'' میں نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''تم مجھے اپنے جسم کی نمائش اور اپنے حسن و شباب سے بے وقوف نہیں بنا سکتی اور نہ فریب میں لا سکتی ہو کیوں کہ میں تمہاری حقیقت جانتا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں......؟'' وہ بڑے زور سے ہنسی اور اس کا لباس سرسراتا ہوا زمین پر بکھر گیا۔ ''کیا میں عورت نہیں ہوں؟''

''تم ایک چڑیل ہو......'' میں نے کہا۔ ''اس وقت تم نظر بندی کر رہی ہو۔ تم جتنی حسین ہو اتنی ہی بدصورت ہو۔ کیوں سچ ہے نا......؟''

''نہیں...... نہیں...... میں چڑیل نہیں ہوں۔'' وہ بھونچکی ہو کر ہذیانی لہجے میں

بولی۔ ''تم ..... تم ہو کون؟'' وہ خوف زدہ سی ہوگئی۔

''تم چڑیل ہی ہو۔'' میں نے تکرار کے انداز میں کہا۔ ''تمہیں یہ حسین بہروپ دیا گیا ہے اس لیے کہ تم مجھے اپنے جال میں پھنسا کر نہ صرف میری ساری پاک بازی' پارسائی اور زاہد پن کو ختم کر دو پھر ناگن کا روپ بھر کر مجھے ڈس لو اور میرا سارا خون پی لو۔ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔''

اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اس کے بدن کا جادو چل جائے گا۔ لیکن میں اس جادو کا اسیر نہ ہو سکا۔ پھر اس نے چند لمحوں کے بعد اپنی عریاں بانہیں فضا میں پھیلائیں۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیوں کی پوروں سے شعاعیں نکلیں اور میری طرف کوندا بن کر لپکیں۔ میں اس کیلئے تیار تھا۔ اس کا یہ جادو چلنے نہیں دیا۔ اگر اس کا یہ جادو چل جاتا تو وہ میری آغوش میں ہوتی۔

میں نے پھر کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ اپنے اصل روپ میں آگئی۔ یہ ایک بدروح تھی جس نے چڑیل کا روپ بھرا ہوا تھا۔ مکر جی نے اسے اپنے کالے جادو کے زور سے ایک ایسی حسین' بے پناہ گداز پر شباب بدن میں ڈھال دیا تھا کہ میں بہک جاؤں۔ پھر وہ بدروح مجھے ختم کر دے۔ مکر جی نے مجھے ایک عام قسم کا عامل سمجھا ہوا تھا اس لیے اس نے ایک بدروح کو حسین عورت بنا کر چارہ ڈالا تھا۔ وہ جیسے ہی اپنی سابقہ حالت میں آئی وہ نظروں سے غائب ہوگئی۔ اس کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اب میرے لیے راستہ صاف ہو چکا تھا۔

میں نے پھر اپنے موکل کو طلب کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ بدروح مکر جی کے پاس نہیں گئی۔ مکر جی کو کسی بات کی کوئی خبر نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس بدروح نے مجھے آلودہ کر کے ختم کر دیا ہے۔ وہ اپنی کٹیا میں موجود ہے اور ایک لڑکی کو بھی وہ کہیں سے اٹھا لایا ہے۔

میں تھوڑی دیر کی مسافت طے کرنے کے بعد اس تالاب پر پہنچا جس کے قریب اس کی کٹیا تھی۔ میں اس کٹیا کی طرف دبے پاؤں اور غیر محسوس انداز سے بڑھا۔ دہلیز پر پہنچ کر رکا۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ ایک چودہ برس کی لڑکی بے ہوشی کی حالت میں بستر پر پڑی تھی۔ میں اس کی پشت پر جا کھڑا ہوا۔ اس کے سامنے ایک

گولہ رکھا ہوا تھا۔ اس گولے میں زینب اور اس کا شوہر نظر آرہے تھے۔ وہ دونوں کٹے ہوئے ہاتھ بھی ..... وہ اپنے جادو کے زور سے ان ہاتھوں سے کام لینا چاہ رہا تھا لیکن اس کا جادو کلام الٰہی کے آگے بے بس ہو رہا تھا۔ دوسری طرف اسے غصہ آرہا تھا کہ اس کا جادو کیوں نہیں چل رہا ہے۔

جیسے ہی اس بات کا احساس ہوا کہ کوئی اس کی پشت پر کھڑا ہوا ہے اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس نے مجھ پر اپنے جادو کا سارا زور صرف کر دیا اور پھر اس کے شیطانی چیلوں نے بھی مجھے اپنے نرغے میں لے لیا۔ جب وہ اپنی طاقت آزما چکا اور اپنی تمام کوششوں کو کام میں لا چکا اور میرا بال تک بیکا نہیں کر سکا تو میری نظروں سے غائب ہوگیا۔ کیوں کہ وہ جان چکا تھا کہ مجھ سے مقابلہ نہیں کر سکتا اور پھر میں نے ایسی حد بندی کر دی کہ وہ سندیپ میں بھولے سے بھی داخل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی زینب کی عزت اور زندگی سے کھیل سکتا تھا۔ اب اس کی کہانی ختم ہو چکی تھی۔

میں اس بے ہوش لڑکی کو ہوش میں لایا۔ اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میرے بروقت آنے سے اس لڑکی کی عزت اس شیطان کے ہاتھ سے محفوظ رہی۔ اس لڑکی نے مجھے بتایا کہ وہ صبح کسی کام سے گھر سے نکل کر بازار جا رہی تھی کہ ایک سنسان جگہ پر دو کٹے ہوئے ہاتھوں نے اسے اٹھا لیا۔ وہ اسے اٹھا کر فضا میں کسی پرندے کی طرح پرواز کرنے لگے۔ پھر وہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہوگئی۔

میں نے اس شیطان کی کٹیا نذر آتش کر دی۔ جب وہ میرے سامنے جل کر خاک ہوگئی تو میں اس لڑکی کو ساتھ لے کر چلا۔ پھر اسے اس کے گھر پہنچا دیا۔ مکر جی کے پاس جو کٹا ہوا ہاتھ تھا وہ ایک ایسے شخص کا تھا جو ٹرین کے نیچے آکر کٹ گیا تھا۔ اس کا بھی ایک ہاتھ کلائی سے کٹ گیا تھا۔ وہ اس کٹے ہوئے ہاتھ کو اس لیے اٹھا لایا تھا کہ اس سے کام لیا جا سکے لیکن یہ ہاتھ اس کے کسی کام نہ آسکا۔ میاں بیوی نے مجھے مزید تین دن تک روک لیا۔ میری خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان ہاتھوں سے نجات ملنے کی خوشی میں سارے گاؤں میں زور دار جشن منایا گیا۔

☆......☆......☆

میری داستان نہ صرف بہت ہی عجیب و غریب بلکہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین بھی ہے لیکن اس میں نہ تو کوئی مبالغہ ہے اور نہ ہی جھوٹ...... اس دنیا میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ انسانی عقل حیران اور چکرا کر رہ جاتی ہے۔ انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس دنیا میں روح کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ایسی ایسی خبیث اور اچھی روحیں بھی ہیں کہ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

جب میں دس برس کی عمر کا تھا تب سے میرے دل کے کسی کونے میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں ایک ڈاکٹر بنوں۔ بہت بڑا ڈاکٹر تاکہ بنی نوع انسان کی بلاتفریق' مذہب اور رنگ و نسل خدمت کروں۔ میں جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا میرا جذبہ بھی پرورش پاتا گیا۔

میں نے آخر ایم بی بی ایس میں داخلہ لے لیا۔ پہلا سال مکمل کر کے دوسرے سال میں قدم رکھا تو میری زندگی میں ایک عجیب و غریب داستان نے جنم لیا۔ مجھے اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ ڈاکٹر بننا آسان نہیں ہے۔ ایک متوسط طبقے کیلئے اس تعلیم کا بارگراں اٹھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ چوں کہ میں اتنی دور آچکا تھا کہ اس کی واپسی مشکل تھی۔ اوکھلی میں سر دے دیا تھا۔

ایک روز پروفیسر ڈاکٹر مجید الزماں نے کلاس میں شاگردوں سے کہا۔ ''انسانی جسم کی ساخت سمجھنے کیلئے انسانی ڈھانچے کی اشد ضرورت ہے لہٰذا لڑکے اور لڑکیاں انسانی ڈھانچے کا انتظام کریں۔ ہر طالب علم اپنا اپنا انسانی ڈھانچہ لے کر آئے۔''

''ڈھانچہ......؟'' میں اچھل سا پڑا۔ مجھ جیسے طالب علموں نے حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں۔ ایسا لگا جیسے کوئی دھماکہ ہوا ہے۔

''سر!'' ایک طالب علم سرور نے ہمت کر کے کہا۔ ''ہر ایک کو ڈھانچہ لانے کی کیا

ضرورت ہے؟ کیا ایک ڈھانچے سے کام نہیں چل سکتا......؟''

''نہیں......'' پروفیسر ڈاکٹر مجید الرحمٰن نے سرور کو گھور کر دیکھا۔ ''اگر ایک ڈھانچے سے کام چل سکتا تو کیا میں نہیں کہہ دیتا کہ تم لوگ آپس میں چندہ کر کے ایک ڈھانچہ لے آؤ۔ ہر ایک کیلئے اپنا اپنا ڈھانچہ لانا ضروری اور لازمی ہے۔ میری بات نوٹ کرلیں۔''

ان سے بحث و تکرار کرنا فضول تھا۔ کیوں کہ وہ ایک سخت گیر مزاج کے تھے۔ ایک بہترین ڈاکٹر سرجن بھی تھے۔ بہت ہی ماہر بھی تھے اور ان کی صلاحیتوں اور قابلیت کے ہم سب دل و جان سے مداح تھے اور ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔

پہلی بار ڈھانچہ لانے کا فرمان جاری ہوا تھا۔ کچھ اندازہ نہ تھا کہ ایک پورا انسانی ڈھانچہ کتنے کا آتا ہے۔ پھر میں نے فائنل ایئر کے ایک طالب علم شکیل سے دریافت کیا۔ وہ میرا دوست بھی تھا۔ ''یار شکیل! ایک مکمل انسانی ڈھانچہ کتنے میں آتا ہے......؟''

''چار سو سے لے کر ایک ہزار تک کا......'' اس نے جواب دیا۔ ''زیادہ مال ہو تو پھر اس کی قیمت کم ہوجاتی ہے۔ یعنی چار سوٹا کا۔'' اس کی زبان سے ڈھانچے کی قیمت سن کر بہت پریشانی ہوئی۔ کیوں کہ مجھ جیسے متوسط لڑکے کیلئے اسے خریدنا بہت مشکل تھا۔ چار سو کی رقم میرے لیے چار ہزار کے برابر تھی۔ میرے پاس صرف سو ٹاکا تھے۔ ابتدا میں رقم کا بندوبست نہ ہوسکا۔ چوں کہ ہر صورت میں ڈھانچے کا بندوبست کرنا تھا اس لیے میں نے رقم کے حصول کیلئے بڑی دوڑ دھوپ کی۔ جب رقم کا بندوبست ہوا تو پتا چلا کہ تمام ڈھانچے فروخت ہوچکے ہیں۔ میری پریشانی اور بڑھ گئی۔ میں نے اپنا سر پیٹ لیا کہ اب میں کیا کروں۔ پروفیسر صاحب کو کیا جواب دوں؟

امتحان بہت جلد ہونے والے تھے اور مجھے پورا ڈھانچہ یاد کرنا تھا۔ ایک روز پروفیسر صاحب نے کلاس لیتے ہوئے مجھ سے اور لڑکوں سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ میں اور وہ لڑکے جو کسی وجہ سے ڈھانچہ خرید نہ سکے تھے ان کے ایک سوال کا جواب نہ دے سکے اور بغلیں جھانکنے لگے۔ اور پھر کلاس میں شرمندگی بھی ہوئی۔ پروفیسر صاحب نے ہمیں ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔

تھوڑی دیر بعد پروفیسر نے مجھ سے دریافت کیا۔ ''عرفان! تم نے اب تک ڈھانچہ کیوں نہیں خریدا......؟ اس کی وجہ بتا سکتے ہو؟''

"سر! اس لیے میں خرید نہیں سکا کہ میرے پاس رقم نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "جب رقم کا بندوبست ہوا تو بازار میں ڈھانچے نہیں تھے۔"

"ارے عرفان میاں! ڈھانچے کا حصول کون سا مشکل کام ہے۔" وہ شوخ لہجے میں بولے۔ "کسی بھی قبرستان میں جاؤ گورکن کے ہاتھ میں سو پچاس روپے رکھ دو...... کسی بھی پرانی قبر سے ڈھانچہ نکلوالو۔ وہ نہ ہو تو خود بھی یہ کام کر سکتے ہو......"

ان کے اس جملے پر لڑکے ہنسنے لگے۔ میں بری طرح جھینپ کر خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی لیکن جب میں سونے کیلئے بستر پر دراز ہوا تو پروفیسر صاحب کی بات یاد آئی۔ میں سنجیدگی سے ان کی بات کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ان کی بات پر عمل کرنے میں حرج کیا ہے لیکن دل میں ایک کھٹک سی پیدا ہوئی کیوں کہ مذہبی اعتبار سے یہ بات غلط تھی۔ قبر سے ڈھانچہ گورکن نکالے یا میں میت کی بے حرمتی تھی۔ اس حرکت کو کوئی پسند نہیں کر سکتا تھا۔ ہم دونوں کی شامت آ جائے گی۔ یوں بھی بڑے بوڑھے اور مولوی صاحبان کے نزدیک یہ غیر شرعی فعل تھا۔

قبرستان اور ڈھانچہ کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا ذہن ایک دم سے اپنے گاؤں کی لال حویلی کی جانب چلا گیا۔ ہمارا گاؤں نور پور کہلاتا تھا۔ اس لال حویلی کے بارے میں یہ کہانی زبان زد عام تھی کہ انگریزوں کے زمانے میں یہ گاؤں اور آس پاس کے جتنے بھی دیہات تھے وہ ایک انگریز کرنل کی میم کی جاگیر میں شامل تھے۔ اس کرنل کی میم جس کا نام سوسن تھا وہ اس حویلی میں رہتی تھی۔ پھر معلوم ہوا کہ کسی بدروح نے اس میم کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا لیکن اس کے بارے میں ایک اور کہانی مشہور تھی۔ کرنل کی بیوی پچیس برس کی بہت ہی حسین لیکن ایک بدچلن عورت تھی۔ اس کا شوہر چوں کہ بڑے بڑے شہروں کے دورے پر رہتا تھا اور اسے اس لیے ساتھ نہیں لے جاتا تھا کہ وہ ایک عیاش، اوباش اور تنگ نظر تھا۔ عورت اور شراب اس کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ وہ رنگ رلیاں مناتا رہتا تھا۔ مہینوں اپنی بیوی کی خبر نہیں لیتا تھا۔ اس کی جوان اور خوبرو بیوی دو ایک برس کی مدت تک اس کی جدائی اور جوانی کی آگ میں جلتی رہی۔ پھر اس نے اپنے شوہر سے انتقام لینے کیلئے اس نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا شروع کیا۔ گاؤں کے جوان، خوبصورت اور تنومند لڑکوں پر مہربان ہونے لگی۔ وہ اس قدر فیاض ثابت ہوئی کہ جوان لڑکے دیوانے ہو

گئے۔ پھر اسے اپنے شوہر کی کوئی پروا اور فکر نہ رہی۔

اس کا شوہر ایک روز رات کے وقت اچانک واپس آ گیا۔ اس سے کسی نے اس کی بیوی کی رنگ رلیوں کی مخبری کر دی تھی۔ اس رات وہ گاؤں کے اٹھارہ برس کے لڑکے کے ساتھ بستر میں تھی۔ کرنل خواب گاہ میں داخل ہوا۔ اس کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا وہ اس کے نقش قدم پر چل رہی ہے لہٰذا وہ اسے طلاق دے دے تاکہ وہ اپنے وطن واپس چلی جائے۔ کرنل اسے اس لڑکے کے ساتھ بستر اور غلاظت کی دلدل میں دیکھ کر سخت برہم ہو گیا تھا۔ اس لیے اس کی ایک نہ سنی اور شوٹ کر دیا۔ وہ لڑکا اس بات کو برداشت نہ کر سکا تھا۔ وہ کرنل پر جھپٹا اور اس کے ہاتھ سے پستول چھین کر کرنل کو شوٹ کر دیا۔ پھر اس نے کرنل کی بیوی کی لاش کے پاس لیٹ کر خودکشی کر لی۔

اس روز کے بعد سے لال حویلی غیر آباد رہنے لگی اور رفتہ رفتہ کھنڈر میں تبدیل ہو گئی۔ پھر اس کے متعلق مافوق الفطرت کہانیاں مشہور ہونے لگیں۔ وہ بدروحوں کا مسکن بن گئی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ چاندنی راتوں میں کرنل، اس کی حسین بیوی اور اس کے آشنا کی روحیں دکھائی دیتی ہیں۔ دن میں ان کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ یہاں تک گاؤں کے لوگوں نے اس طرف جانا بھی چھوڑ دیا۔

پھر اس کے کوئی تین برسوں کے بعد ایک عظیم انقلاب آیا۔ ہندوستان کی تقسیم ہوئی۔ بنگال کا ایک حصہ مشرقی پاکستان بن گیا۔ اس آزادی نے بہت بڑی قیمت وصول کی۔ ہندوؤں کو اس کی تقسیم ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ جگہ جگہ فسادات پھوٹ پڑے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں پر جو وحشیانہ ظلم، بربریت کی، انہیں اس سفاکی سے لوٹا اور قتل و غارت کی کہ چنگیز اور ہلاکو خان کی روحوں کو بھی شرم آ گئی ہو گی۔ ہمارے گاؤں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ وہ کاروبار، جائیداد اور ہر چیز پر چھائے ہوئے تھے۔ دولت اور زمینیں بھی ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو اپنی دولت اور انگریزوں نے اپنے اثر و رسوخ سے غلام بنا رکھا تھا۔ انگریز مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور ہندوؤں کو بہت پسند کرتے تھے کیوں کہ ہندوؤں کے نزدیک ان کا دھرم دولت تھا۔ وہ دولت کے حصول اور اپنے مفاد کیلئے اپنی جوان بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور بہوؤں کو سیوا کے بہانے پیش کر دیتے تھے۔ فسادات میں ہندوؤں کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ یوں تو گاؤں میں اکثریت

مسلمانوں کی ہی تھی۔ گاؤں کے مسلمان نوجوان اخباروں میں مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں پڑھتے تھے۔ ان میں بے حد جوش و خروش' ولولہ اور غصہ پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اس کا انتقام گاؤں کے ہندوؤں اور انگریزوں سے بھی لینا چاہتے تھے مگر ہمارے سمجھ دار' وسیع القلب اور معتدل بزرگوں نے انہیں سمجھا بجھا کر روکا ہوا تھا۔ اس کے باوجود کثرت سے ہندو نقل مکانی کر رہے تھے۔ اب تک اس گاؤں میں ایک بھی ہندو مسلم فساد کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ ماحول اور فضا بڑی پرسکون تھی۔

لیکن ایک رات وشوا ناتھ نامی ایک نوجوان نے جو شراب کے نشے میں دھت تھا اس نے ہوش و حواس کھو کر اس پرامن فضا کو تہہ و بالا کر دیا۔ اس نے دو ہندو لڑکیوں کو **مسلمان سمجھ کر اغوا کر لیا** اور ساری رات وہ اور اس کے تین اوباش دوست ان کی اجتماعی بے حرمتی کرتے رہے۔ جب بعد میں پتا چلا کہ یہ ہندو لڑکیاں تھیں تو اس نے رات کی تاریکی میں گاؤں کے پٹواری کو اغوا کر لیا اور ہندوستان فرار ہو گیا۔ صبح کو جب یہ خبر گاؤں میں پھیلی تو مسلمان نوجوانوں میں ہل چل مچ گئی۔ وہ سخت مشتعل ہو گئے۔ انہیں بہت کچھ کہا گیا اور روکنے کی کوشش کی مگر وہ کسی کی سننے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمارا گاؤں بھی فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ ہندوؤں نے بھاگ بھاگ کر لال حویلی میں پناہ لینا چاہی مگر نوجوانوں نے انہیں وہاں بھی نہیں بخشا۔ البتہ اتنا ہوش انہیں اس جذباتی اور نفرت کی حالت میں بھی تھا کہ انہوں نے بچوں اور عورتوں پر ہاتھ اٹھانے اور ان کی بے حرمتی سے گریز کیا۔ مسلمانوں میں بد معاش قسم کے تھے انہوں نے لڑکیوں کو اغوا کرنے کی کوشش کی۔ انہیں زخمی یا گھروں میں مشکیں کس کر ڈال دیا گیا۔ ایک عورت کی بھی آبرو ریزی ہونے نہیں دی۔

بہت سارے مرد کسی نہ کسی طرح جان بچا کر اور دوستی اور تعلقات کا واسطہ دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر بیشتر ہندو اس لال حویلی میں موت کا نشانہ بن گئے اور ان کی لاشیں کمروں اور اس حویلی کے احاطے میں بکھری پڑی تھیں۔ پھر ان کی لاشوں کو جلانے کے بجائے دو تین بڑے بڑے گڑھے کھود کر ان کی لاشیں ان میں ڈال کر انہیں پاٹ دیا گیا۔ اب اس بات کو کوئی چوبیس پچیس برس بیت چکے تھے۔ وہ واقعہ ماضی کا ایک ہولناک حصہ تھا۔ اب تک وہ لاشیں یقیناً ڈھانچوں میں تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

قبرستان اور ڈھانچوں کے بارے میں سوچتے سوچتے مجھے ماضی کی یہ تمام باتیں

یاد آئیں۔ پھر میں خوشی سے سرشار ہو گیا۔ وہاں سے ڈھانچہ نکالا جا سکتا تھا۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور پھر کسی ہندو کا ڈھانچہ نکالنے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا اور پھر لال حویلی کے پاس سے کوئی گزرتا بھی نہیں تھا۔ وہ راستہ اور لال حویلی ویران اور سنسان پڑی تھی۔ سکون اور اطمینان سے ڈھانچہ نکالا جا سکتا تھا۔

پھر مجھے خیال آیا کہ اس لال حویلی کو بدروحوں نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے۔ یہ بات گاؤں کے بہت سارے لوگ کہتے ہیں۔ خصوصاً جو ہندو تھے وہ بھی۔ بہت سارے ہندو خاندانوں کو مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر بھی بچایا تھا۔ وہ آج بھی یہاں آباد تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس لال حویلی کے احاطے میں چوں کہ ہندوؤں کو قتل کر کے دفن کر دیا گیا تھا اس لیے ان کی بدروحوں نے اسے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ ان کی بدروحیں انہیں نظر آتی رہتی ہیں۔ ان کی باتوں کا مجھے یقین نہیں تھا اور میں توہم پرست نہ تھا۔

اتفاق سے دس بارہ دن کے بعد موسم سرما کی چھٹیاں ہونے والی تھیں۔ میرے لیے ایک سنہرا موقع تھا۔ میرے لیے گاؤں جا کر اس مہم کو سر کرنے کا بہترین موقع تھا اور پھر میں نے اپنے کسی ہم جماعت کو اعتماد میں نہیں لیا اور نہ اس کی کوئی ضرورت تھی۔ میں خوشی کے مارے ساری رات سو نہیں سکا۔

☆......☆......☆

جس روز چھٹیاں ہوئیں اس روز میں گاؤں روانہ ہو گیا۔ میرے ہم جماعت دوستوں نے مجھے دو ایک دن رکنے کیلئے کہا تاکہ ہم پکنک منانے کسی پرفضا جگہ پر جائیں۔ میں نے ان سے معذرت کر لی۔ میرے لیے پکنک منانے سے زیادہ اہم ڈھانچے کا حصول تھا۔ میرے پاس وقت بھی کم تھا۔

گاؤں پہنچ کر سب سے پہلے میں نے کسی قدر دور سے لال حویلی کا جائزہ لیا۔ میں نے کبھی لال حویلی اور اس کے بارے میں جو کچھ مشہور تھا زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔ گاؤں میں بہت ساری کہانیاں روحوں کے بارے میں مشہور تھیں۔ جسے دیکھو اس کے پاس اپنی ایک کہانی گھڑی ہوئی ہے۔ وہ اسے نمک مرچ لگا کر اور بہت ہی پراسرار اور خوفناک بنا کر سنا رہا ہے تاکہ سننے والا ڈر جائے' خوفزدہ ہو جائے۔

میرے دوستوں اور چچا کے گھر والوں نے لال حویلی کے بارے میں بات کرنے

سے مشورہ دیا کہ میں اس کے قریب بھی نہ پھٹکوں کیوں کہ بدروحوں نے اس سال دو ایک جانیں لے لی ہیں۔ دراصل کسی نے یہ بات اڑا دی تھی کہ اس حویلی میں ایک بہت بڑا خزانہ دفن ہے جس کی حفاظت کیلئے کرنل نے اپنی جوان اور خوبرو بیوی کو رکھ چھوڑا تھا۔ یہ شوشہ اتنے برسوں کے بعد کسی نے چھوڑا تھا۔ کیوں اور کس لیے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ گاؤں کے تین بدمعاش خزانے کے لالچ میں لال حویلی گئے تو وہ مردہ حالت میں پائے گئے۔ بدروحوں نے ان کی جانیں لے لی تھیں۔ ان کے جسم زخموں سے چور تھے جیسے بدروحوں نے ان کا خون پی لیا ہو۔ پولیس کو ان کی شناخت مشکل ہوگئی تھی کیوں کہ بدروحوں نے ان کی شکلیں مسخ کر دی تھیں اور آنکھیں بھی نکال دی تھیں۔ پولیس کو مقتولوں کی آنکھیں نہیں مل سکی تھیں۔

اس لرزہ خیز واقعہ نے گاؤں میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا لیکن میں نے اس واقعہ کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔ تاہم بدروحوں کے بارے میں یہ واقعہ اور مافوق الفطرت کہانیاں سن کر میں بھی ایک دن حوصلہ ہار بیٹھا تھا لیکن میں نے اپنا حوصلہ اور ہمت جمع کی۔ میں یہاں پکنک منانے نہیں آیا تھا۔ میں یہاں کیوں اور کس لیے آیا ہوں یہ بات کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے دو ایک دوستوں کو مذاق مذاق میں ٹٹولا تا کہ لال حویلی سے ڈھانچہ نکالنے کیلئے جا سکیں۔ لال حویلی اور ڈھانچوں کے بارے میں سنتے ہی ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ایسا کوئی دلیر اور باہمت دوست نہیں تھا جو میرا ساتھ دے سکے۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ اب مجھے اکیلے ہی اس مہم کو سر کرنا تھا۔ کیوں کہ ڈھانچہ نہ لے جانے کی صورت میں امتحان میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔

گڑھے کھودنے کیلئے کدال، پھاوڑا اور کھرپی کی ضرورت تھی۔ یہ چیزیں میرے چچا کے ہاں موجود تھیں۔ میں نے یہ چیزیں رات کے وقت گھر والوں کی نظریں بچا کر لال حویلی سے قدرے فاصلے پر لے جا کر رکھ دیں۔ چوں کہ وہاں سے کوئی گزرتا نہیں تھا اس لیے اس سامان کے چوری ہونے کا خدشہ نہیں تھا۔ میں نے شکار کے بہانے چچا کی دو نالی بندوق اور چھ عدد کارتوس بھی لے لیے۔ پھر میں دن کے گیارہ بجے شکار کے بہانے گھر سے نکلا تو چچی نے مجھے سختی سے تاکید کی کہ میں لال حویلی کی طرف بالکل بھی نہ جاؤں۔ میں شکار سے جلد لوٹ آؤں۔

گو کہ میں بغیر کسی دشواری کے راستہ طے کر کے لال حویلی جا پہنچا۔ کسی نے مجھے اس جانب جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ورنہ وہ ضرور ٹوکتا، منع کرتا۔ یوں تو میرا دل اندر ہی اندر گھبرا رہا تھا لیکن مجھے بار بار اپنے دل کی ہمت بندھانا پڑ رہی تھی۔ دن کے سناٹے میں بھی لال حویلی کے احاطے میں قدم رکھتے ہوئے میرا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ میں نے کدال، پھاوڑا اور کھرپی جو ایک تھیلے میں تھا اسے ایک درخت کے نیچے رکھ دیا۔ میں بندوق ہاتھ میں تھامے اور دل مضبوط کیے میں وہ جگہ تلاش کرنے لگا جہاں گڑھے تھے۔ جن میں لاشیں دفن کی ہوئی تھیں۔

جب میں لال حویلی کی عمارت کے بیرونی دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے اس کا دروازہ قدرے کھلا ہوا پایا۔ اس لمحے نجانے کیوں میرے دل کے کسی کونے میں لال حویلی کو اندر سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ خوف پر تجسس غالب آ گیا۔ میں اپنے آپ کو اس طرف بڑھنے سے روک نہیں سکا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی نادیدہ قوت کشاں کشاں لے جا رہی ہے اور میں اس کے آگے بے بس اور بے اختیار ہو گیا ہوں۔

میں نے دروازہ کھول کر جیسے ہی اس کمرے میں قدم رکھا میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ میں نے اس کمرے کے فرش پر تین انسانی ڈھانچوں کو دیکھا۔ وہ صحیح سالم حالت میں تھے۔ پوری طرح ثابت تھے۔ مجھے ایسے ہی ڈھانچے کی ضرورت تھی لیکن یہاں ایک نہیں کل تین ڈھانچے تھے۔ میں انہیں دیکھ اور ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قہقہے لگانے لگے۔ ان کے قہقہوں سے کمرہ گونجنے لگا۔

ان تینوں ڈھانچوں کے قدوقامت اور جسامت ایک جیسی نہ تھی۔ ان میں بڑا فرق تھا۔ میں انہیں قہقہے لگاتے اور ان میں زندگی دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو گیا تھا۔ ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں کسی خنجر کی نوک کی طرح اتر گئی۔ میں اپنی جگہ دم بخود سا تھا اور میری آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں رہی تھی کہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکوں۔ اس لمحے میرے دل کے کسی کونے میں یہ خیال آیا کہ کہیں ان تین بدمعاشوں کی موت کہیں ان ڈھانچوں کے ہاتھوں واقع تو نہیں ہوئی ہو گی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کمرے میں خزانہ دفن ہو جس کی یہ حفاظت کر رہے ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ کہیں یہ تینوں ڈھانچے مل کر مجھے ختم نہ کر دیں۔ مجھے درندگی سے

موت کا نشانہ نہ بنادیں۔

''تم یہاں کیوں اور کس لیے آئے ہو......؟'' لمبے قد والے ڈھانچے نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''کیا خزانے کی تلاش میں آئے ہو......؟''

''نہیں...... میں خزانے کی تلاش میں نہیں آیا ہوں۔'' میں نے چند لمحوں میں خود پر قابو پا کر بے جان لہجے میں جواب دیا۔

''پھر کس لیے آئے ہو......؟'' درمیانہ قد کے ڈھانچے نے تمسخر سے پوچھا۔ ''کیا پکنک منانے کیلئے آئے ہو......؟''

میں نے سوچا کہ انہیں صاف صاف بتا دوں کہ کس لیے آیا ہوں لیکن یہ ایسی بات نہ تھی کہ انہیں بتائی جائے۔ میں نے جھوٹ بولنے کا فیصلہ کرلیا۔

''میں لال حویلی کو دیکھنے اور اس کی سیر کیلئے آیا ہوں۔'' میں نے جواب دے کر کہا۔ ''آپ تینوں کی اجازت ہو تو حویلی دیکھ لوں۔''

''تم سیر کیلئے آئے ہو تو اس کی سیر کر سکتے ہو۔'' تیسرے اور سب سے چھوٹے ڈھانچے نے کہا۔ ''اس حویلی میں کوئی خزانہ وغیرہ نہیں ہے۔''

''کیا تم لوگ مجھے بتا سکتے ہو کہ ایک ڈیڑھ برس پہلے اس حویلی میں خزانے کی تلاش میں تین شخص آئے تھے تو انہیں کس نے قتل کیا۔'' میں نے غیر ارادی طور پر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''گاؤں میں ان کی موت کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ انہیں بدروحوں نے قتل کر دیا۔ ان کا خون پی لیا۔''

''نہیں...... وہ خزانے کی تلاش میں نہیں آئے تھے۔'' لمبے قد والے ڈھانچے نے کہا۔ ''وہ ایک نئی نویلی دلہن کو اغوا کر کے لائے تھے جو اپنے دلہا اور بارات کے ساتھ کشتی میں سسرال جا رہی تھی۔ اس کشتی میں صرف دلہا' دلہن اور دو ملاح تھے۔ وہ چاقوؤں کے زور پر دلہن کو لائے تھے۔ جب ہم نے دلہن کی چیخ و پکار سنی تو اس کی مدد کو پہنچے لیکن ہمیں دیر ہو چکی تھی وہ تینوں اس دلہن کو اجتماعی طور پر نشانہ بنا چکے تھے۔ پھر ہم نے ان تینوں بدمعاشوں کو موت کی نیند بڑی سفاکی سے ایذائیں دے دے کر سلا دیا۔ ان کی موت بڑی عبرتناک تھی۔''

''اس دلہن کا کیا ہوا......؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''کیا وہ دلہن اپنے شوہر کے

پاس پہنچ گئی یا اپنے میکے چلی گئی؟''

''ہم نے اس دلہن کو ایک روح عورت کے ساتھ اس کے سسرال پہنچا دیا تھا۔'' وہی ڈھانچہ بتانے لگا۔ ''اس دلہن کو یہ بات سمجھا دی تھی کہ وہ اپنے شوہر یا کسی سے بھی اپنے لٹنے کی کہانی نہ سنائے۔ ان سے یہ کہے کہ اس عورت نے اور اس کے شوہر اور دیوروں نے ان بدمعاشوں کے ہاتھوں سے اس کی عزت اور جان بچالی۔ ان درندوں کو قتل کر دیا۔ اس کے شوہر اور سسرال والوں نے اس بات پر یقین کرلیا۔''

''آپ نے بہت ہی نیک اور قابل تعریف کام کیا ہے؟'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ''آپ تینوں کتنے اچھے ڈھانچے ہیں۔ لیکن یہ بتائیں کہ آپ لوگ دنیا میں کیا تھے......؟ مرنے کے بعد ابھی تک ڈھانچوں کی شکل میں کیوں اور کس لیے ہیں......؟''

''ہم تینوں اس لال حویلی میں پہرے دار تھے۔'' درمیانہ قد والا ڈھانچہ کہنے لگا۔ ''کرنل کی بیوی بہت حسین تھی' جتنی حسین تھی اس کا دل بھی اتنا خوبصورت تھا لیکن اس کا شوہر کرنل اچھا آدمی نہیں تھا۔ کرنل کی بیوی نوجوان تھی۔ غریبوں کی بڑی ہمدرد تھی۔ وہ ان کی ہر طرح سے مدد کرتی رہتی تھی۔ اس نے شوہر کی سیاہ کاریاں بہت برداشت کیں۔ جب پانی حد سے گزر گیا تو وہ غلط راستے پر چل پڑی۔ ہوا یہ تھا کہ جب کرنل کی بیوی سوسن نے اس سے کہا کہ تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی ہے کہ شادی شدہ شخص ہوتے ہوئے بھی غیر عورتوں کے ساتھ داد عیش دو...... پھر کرنل نے دو ایک مرتبہ اپنی بیوی کے سامنے غیر عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں منائیں...... کرنل یہ بات بھول گیا تھا کہ عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو اس کا انتقام بہت ہی بھیانک ہوتا ہے۔ کرنل جب کلکتہ چلا گیا تو اس روز رات کو اس نے مجھے اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ...... آپ شوہر کی امانت میں خیانت نہ کریں۔ آپ ایک عظیم عورت ہیں۔ سوسن نے کہا کہ میں عظیم نہیں بلکہ دنیا کی سب سے بدنصیب عورت ہوں۔ اس نے میری محبت' ایثار اور شرافت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ جب وہ لڑکیوں کے ساتھ وقت گزار سکتا ہے تو کیا میں بھی ایسا نہیں کرسکتی۔ میرے لیے مردوں کی کیا کمی ہے۔ میرے اندر کیا کمی ہے......؟ کیا میں حسین نہیں ہوں......؟ نوجوان نہیں ہوں......؟ میرا جسم کیا پرشباب اور بے پناہ گداز نہیں ہے......؟ خواہشات اور احساسات نہیں ہیں......؟ میرے دل میں جذبات اور ارمان بھرے ہوئے نہیں ہیں...... میرے اندر کس

بات کی کی ہے جو وہ مجھے چھوتا نہیں ہے...... ؟ مجھ سے پیار نہیں کرتا...... ؟ کیا میں کوئی کوڑھ زدہ ہوں...... ؟ کیا میرے وجود سے تعفن اٹھتا ہے...... ؟ پھر اس نے میرے اور میرے ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ راتیں گزاریں اور جوان لڑکوں کے ساتھ بھی۔ لیکن وہ ہم تینوں کو بہت چاہتی تھی۔ کرنل نے اس رات مجھے اور سوسن کو قتل کیا تھا۔ کرنل کے آدمیوں نے میرے ان دونوں ساتھیوں کو بھی شوٹ کر دیا تھا۔ انہیں پتا چل گیا تھا یہ دونوں بھی سوسن سے بہت قریب تھے۔ میرے دوستوں نے ہماری اور سوسن کی لاشیں اس لال حویلی کے عقب میں دفن کر دیں۔ کوئی تین برس قبل دو ڈاکوؤں نے اس قبر کو کھودا تھا۔ اس خیال سے کہ اس میں خزانہ دفن ہے۔ پھر ہم چاروں قبر سے نکل آئے۔''

میں نے اس کی کہانی بڑے غور، توجہ اور دھیان سے سنی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کیا سوسن بھی اس حویلی میں موجود ہے......؟''

''ہاں۔'' سب سے چھوٹے ڈھانچے نے سر ہلایا۔ ''لیکن وہ ہماری طرح ہر کسی کے سامنے نہیں آتی ہے۔ اچھا اب تم جاؤ اس حویلی کی سیر کرو۔''

''میں تم سے ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔'' لمبے قد والے ڈھانچے نے کہا۔ ''یہ لال حویلی روحوں کا مسکن ہے۔ اس میں بہت سارے اسرار ہیں لیکن کوئی بھی بدروح ہو...... چاہے وہ عورت کی ہو...... یا مرد کی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اس پوری لال حویلی پر ہم تینوں کی حکومت ہے۔ ساری روحیں ہماری تابع ہیں۔ تمہیں اپنی بندوق کی ضرورت کسی بھی لمحے محسوس نہیں ہوگی۔''

وہ تینوں ڈھانچے ایک دم سے میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ مجھے یہ سب کچھ کسی خواب کی طرح لگا۔ یہ ڈھانچے مجھ سے جس طرح سے پیش آئے اس کا یقین نہیں آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ مجھے کسی گڑھے سے ڈھانچہ نکالنے دیں گے یا نہیں۔ مجھے افسوس اور پچھتاوا سا ہوا کہ میں نے ان ڈھانچوں سے ایک ڈھانچہ نکالنے کی اجازت کیوں نہیں لی۔ شاید وہ اجازت دے دیتے۔ میں نے واپس جانے اور اس عمارت سے باہر نکلنے کا قصد کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس لال حویلی کو دیکھوں۔ مجھے دیکھ کر کرنا بھی کیا تھا اور پھر ان ڈھانچوں نے بتایا تھا کہ یہ حویلی روحوں کا مسکن ہے۔ یہاں طاغوتی قوتیں تھیں...... میرے لیے ان ڈھانچوں کا زندہ آدمیوں کی طرح باتیں کرنا انتہائی حیرت انگیز اور سنسنی خیز بھی تھا۔

یہ بدروحیں تھیں اس لیے بھی انہوں نے مجھ سے اتنی ساری باتیں کی تھیں۔

جب میں نے واپس جانے کیلئے مڑنا چاہا تو میں نے پھر محسوس کیا کہ ایک انسانی طاقت مجھے اندر کے ایک کمرے کی طرف غیر محسوس انداز سے دھکیل رہی ہے۔ میرے قدم بے اختیار اس جانب بڑھتے گئے۔ چند لمحوں کے بعد میرے قدم آپ ہی آپ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ وہاں دو کمرے اور تھے جن کے دروازے بند تھے۔ ان کمروں کے اندر سے مجھے پراسرار قسم کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کے الفاظ صاف اور واضح نہ تھے۔ دل میں ایک خیال آیا کہ کہیں بدروحیں آپس میں باتیں تو نہیں کر رہی ہیں؟

میرے ہاتھوں نے اس کمرے کے دروازے کو اندر کی طرف آہستگی سے دھکیلا۔ دروازہ اس قدر کھل گیا کہ ایک آدمی آسانی سے اندر جا سکے۔ پھر میں اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ میرے اندر گھستے ہی دروازہ آپ ہی آپ بند ہو گیا۔ یہ کمرہ بہت بڑا اور کشادہ تھا۔ اس کمرے میں ایک کونے میں بہت بڑی مسہری تھی۔ ایک میز اور دو عدد کرسیاں اور ایک لکڑی کی منقش چٹائی بھی تھی۔

معاً میری نگاہ ایک بہت بڑی میز پر پڑی جس پر ایک بہت ہی خوبصورت مورتی رکھی ہوئی تھی۔ یہ مورتی بہت ہی خوبصورت تھی اور جان دار سی لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ مجھے دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہونے لگی تھی۔

''میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں دوست!'' مورتی کے ہونٹوں نے حرکت کی اور ایک مردانہ آواز کمرے میں گونجی۔

میں مورتی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اور اسے بولتا دیکھ کر اچھل پڑا۔ اس حویلی میں نہ صرف انسانی ڈھانچے بولتے تھے بلکہ یہ مورتی بھی بول رہی تھی۔ یہ ایک بے جان مٹی کی مورتی تھی۔ میں نے سوچا اس حویلی میں جو بھی روح ہے وہ بولتی ہے۔

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ اس نے پھر بڑی ملائمت سے کہا۔

"تم بہت بہادر اور دلیر ہو...... ایک باہمت جوان...... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"تمہیں اس بات کا اندازہ کیوں اور کیسے ہوا کہ میں ایک دلیر اور باہمت جوان ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ایسے کہ تم اس حویلی کے اندر آ گئے جب کہ کوئی سورما بھی اس کے قریب سے گزرنے کی ہمت نہیں کرتا ہے۔" مورتی نے جواب دیا۔

"کیا تم واقعی مورتی ہو......؟" میں نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "میں نے کبھی کسی مورتی کو بولتے ہوئے سنا اور نہ دیکھا تھا۔"

"تمہارے خیال میں کیا ہو سکتا ہوں......؟" مورتی کے لہجے میں شوخی سی بھری تھی۔ "بوجھو تو جانیں...... میں دیکھوں تم کتنے عقل مند ہو؟"

"میرے خیال میں تم کوئی روح ہو جو اس مورتی کے اندر موجود ہو اور مجھ سے باتیں کیسے جا رہے ہو؟" میں نے جواب دیا۔

"تم نہ صرف بلا کے ذہین ہو بلکہ تمہارا اندازہ بھی سو فیصد درست ہے۔" اس نے کہا۔ "میری روح اس مورتی کے اندر قید کر دی گئی ہے۔"

"کیوں اور کس لیے......؟" میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔

"کیا تمہاری روح مورتی سے باہر نہیں نکل سکتی......؟"

"کیوں اور کس لیے ایک لمبی کہانی ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدگی اختیار کر گیا۔ "میری روح اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ تم میری مدد کرو۔"

"میں تمہاری مدد کیوں اور کس لیے کروں......؟" میری زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ "مجھے اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے......؟"

"اس لیے کہ مجھے سزا کے طور پر اس مورتی میں قید کر دیا گیا ہے۔" مورتی بولی۔

"میں اس قید سے آزاد ہو کر تمہاری بہت مدد کر سکتا ہوں۔"

"نہیں...... نہیں......" میں خوف زدہ سا ہو گیا۔ "میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا کیوں کہ میں ایک عام آدمی ہوں۔ کوئی جادوگر نہیں جو تمہیں آزاد کر دوں۔"

"تم میرے لیے بہت کچھ کر سکتے ہو۔" اس نے کہا۔ "آخر تم میری مدد کرنے اور

ے رہائی دلانے کیلئے اس قدر ڈر کیوں رہے ہو......؟"

"اس لیے ڈر رہا ہوں کہ جس نے تمہیں اس مورتی میں قید کیا ہے وہ کہیں ناراض ہو کر اور غصے میں آ کر مجھے قید نہ کر دے۔" میں نے سہم کر کہا۔

"نہیں۔" مورتی نے کہا۔ "وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیوں کہ تم انسان ہو۔ مسلمان تم زندہ ہو وہ صرف روح کو قید کرتا ہے اور پھر وہ مجھے یہاں قید کر کے بہت دور اور نجانے ں دیس کو چلا گیا ہے۔ میرے آزاد ہونے پر تمہارا بال تک بیکا نہیں ہو گا۔ تم خوف زدہ نہ میرے دوست...... تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ تمہارے اس احسان کا وہ صلہ وں گا کہ تم ساری زندگی فراموش نہ کر سکو گے۔ تم میری بات پر بھروسہ کرو۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔" میں نے کہا۔ "مجھے ایک انجانا سا وف محسوس ہو رہا ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

"تمہیں کسی بات سے ڈرنے اور گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔" اس نے لا سا دیا۔ "سچ پوچھو تو مجھے دوبارہ زندہ ہونے اور اس دنیا میں آنے کیلئے تمہاری مدد کی شدید ورت ہے مگر اس سے پہلے میں تمہارا خوف و تجسس دور کرنے کیلئے اپنی آپ بیتی سنانا چاہتا ہوں۔"

☆......☆......☆

میں آج سے چالیس برس قبل انگریزوں کے دور حکومت میں اس دیش کی سرزمین نام پور میں پیدا ہوا۔ میرے پتا جی نے میرا نام سندر مکرجی رکھا۔ لیکن میں مکرجی کے نام ے بہت مشہور ہوا۔ سب مجھے مکرجی کہہ کر پکارتے تھے۔ میری ماں بہت ہی حسین عورت تھی۔ میرے پتا جی اس گاؤں کے زمیندار تھے۔ میرے پتا جی کے بچپن کا دوست بمل داس بھی ایک زمیندار کا بیٹا تھا۔ وہ میرے پتا جی کی شادی سے پہلے ہی کسی شہر میں جا کر بس گیا تھا۔ پھر وہ اپنے پتا جی کی موت کے بعد گاؤں آیا۔ اس نے شہر میں شادی کر لی تھی لیکن اس کی بیوی حسین نہ تھی۔ جب اس نے میری ماں کو دیکھا تو وہ اس پر ریشہ خطمی ہو گیا۔ بمل داس کو شہر کی ہوا لگ گئی تھی۔ دراصل وہاں اسے بری صحبت ملی تھی جس نے اسے یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ نہ صرف حسن پرست تھا بلکہ اس کی فطرت ایک بھنورے کی مانند تھی۔ حسین اور جوان لڑکیاں اس کی بہت بڑی کمزوری تھیں۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب

تک پسند آنے والی لڑکی یا عورت کو بستر کی زینت نہ بنا لے۔ یہ دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ میرے پتا جی کی بیوی لاکھوں میں ایک ہے اور میرے باپ کی دولت اور زمینوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت میں بہت کم عمر تھا۔

میری ماں ایک وفا شعار اور شوہر پرست عورت تھی۔ وہ میرے پتا جی کو بہت چاہتی تھی۔ اس نے کبھی کسی غیر مرد اور بمل داس کو ایک عورت کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ بمل داس میری ماں کو دیکھنے' ملنے اور بات کرنے کیلئے کسی نہ کسی بہانے سے آتا رہتا تھا۔ میری ماں بہت کم اس کے سامنے جاتی تھی۔ اس سے بات کرنے سے کتراتی تھی جس پر بمل داس کو بڑا غصہ آتا اور وہ اس بات کو اپنی ذلت اور توہین سمجھتا تھا۔

وہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ کبھی میری ماں اسے تنہائی میں مل جائے تاکہ وہ فائدہ اٹھا سکے۔ بمل داس کو اپنے بارے میں یہ خوش فہمی تھی کہ میری ماں بھی دوسری عورتوں کی طرح اس کے صرف ایک اشارے پر اپنا تن من اسے سونپ دے گی۔ وہ اس سے جی بھر کے کھیلتا رہے گا۔ اس کی بیوی کو اس کے کرتوتوں کا پتا تھا لیکن وہ اس لیے اپنے پتی کی سیاہ کاریوں کو شاید برداشت کیے ہوئے تھی کہ کہیں اس کا پتی اسے طلاق نہ دے دے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ پتی سے الگ ہو جائے کیوں کہ اسے اس کے پتی نے سکھ سے رکھا ہوا تھا۔ کیوں کہ وہ خوش خوش دکھائی دیتی تھی۔ اس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس نے بھی شاید آشنائی کر رکھی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنے پتی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ انجان سی بنی رہتی تھی کہ اسے اپنے پتی کی بدکاریوں کا کوئی علم نہیں ہے جبکہ اس سے دو ایک جوان شادی شدہ عورتوں نے شکایت کی تھی کہ اس کے پتی نے انہیں اغوا کر کے ان کی عزت کو تاراج کر دیا ہے۔ بمل داس کی بیوی نے انہیں سمجھا بجھا کر بھیج دیا کہ وہ اپنی زبان بند رکھیں ورنہ ان کی اپنی بدنامی ہو گی۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔ ان کے پتی اور دنیا الٹا الزام دے گی کہ وہ بمل داس کی خوبصورتی اور وجاہت پر مرمٹی تھیں۔

ایک دن میرے پتا جی کسی ضروری کام سے گاؤں سے باہر گئے ہوئے تھے۔ میں دوستوں کے ساتھ کھیل کر گھر لوٹا تو اس وقت سہ پہر ہو رہی تھی۔ میں گھر کے باہر کھڑکی کے پاس ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کھڑکی کے دونوں پٹ اس قدر کھلے ہوئے تھے کہ ان کے درمیان ایک جھری بن گئی تھی جس میں کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے بمل داس کو دیکھا۔

میری ماں اس سے کہہ رہی تھی۔ ''وہ رات کو آئیں گے آپ تب آ کر ان سے مل لیں یا انہیں آپ کے ہاں بھیج دوں گی۔''

''میں تمہارے پتی سے نہیں بلکہ تم سے ملنے کیلئے آیا ہوں مدھومتی۔'' بمل داس نے ماں کے چہرے کو اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر جواب دیا۔

''مجھ سے ملنے کیلئے.....؟ وہ کس لیے.....؟'' ماں کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔ میری ماں جتنی حسین تھی اتنی ہی بھولی بھالی بھی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے بمل داس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بھابی کو مجھ سے کوئی کام ہے جو آپ مجھے بلانے کیلئے آئے ہیں۔''

''اس لیے کہ میں تم سے محبت بھری باتیں کروں۔'' بمل داس نے ایک عاشق کے انداز میں جواب دیا۔ ''مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے مدھومتی.....''

''مجھے بھی آپ سے بہت محبت ہے بمل بھیا!'' ماں نے کہا۔ ''میں آپ کو اپنے بھائی کی طرح سمجھتی ہوں۔ آپ جانتے ہیں' میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔''

''لیکن میں تمہیں اپنی بہن نہیں سمجھتا ہوں۔'' بمل داس نے چونک کر کہا۔ ''میں تمہیں اپنی محبوبہ' اپنی جان اور پتنی کی طرح سمجھتا ہوں۔''

''بھیا! آپ یہ سوچیں کہ یہ کتنی بری اور غلط بات ہے۔'' ماں نے اس سے کہا۔ ''میں آپ کیلئے ایک غیر عورت ہوں۔ آپ کے سب سے گہرے اور بچپن کے دوست کی پتنی ہوں۔ ایک بچے کی ماں ہوں۔ آپ بھی شادی شدہ ہیں۔ آپ کی پتنی بھی بہت پیاری عورت ہے۔''

''مدھومتی...... یہ کوئی بری اور غلط بات نہیں ہے۔'' بمل داس نے تکرار کے انداز سے کہا۔ ''تم ایک عورت ہو اور میں ایک مرد ہوں۔ تم میرے دوست کی پتنی اور ایک بچے کی ماں ہو۔ میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ تم بہت حسین ہو' شادی کو برسوں گزر جانے اور ایک بچے کی ماں ہونے کے باوجود تمہارے جسم میں کوئی عیب یا بھدا پن نہیں آیا۔ تم آج بھی ایک سولہ برس کی لڑکی کی طرح دکھائی دیتی ہو۔ تم بالکل بھی نہیں ڈھلی ہو جبکہ گاؤں کی عورتیں شادی کے دو تین برسوں کے بعد ڈھل جاتی ہیں۔ بے کشش ہو جاتی ہیں۔''

''چھی.....چھی.....بمل بھیا.....! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' آپ مندر

میں جا کر بھگوان کے سامنے پرارتھنا کریں اور ان سے اپنے پاپ کی معافی مانگیں...... اور پھر آپ میرے بارے میں سوچنا بند کر دیں۔ ہر عورت ایک ہی ہوتی ہے۔ میں تو آپ کی بہن کی طرح ہوں۔ کیا کوئی اپنی بہن کو تصور میں اس طرح سے دیکھتا ہے۔''

''نہ تم میری بہن ہو اور نہ میں تمہارا بھائی......'' بمل داس مسکرایا۔ ''یہ کوئی پاپ نہیں ہے۔ میں نے تو یہ دیکھا تھا کہ بھگوان نے تمہیں ہر لحاظ سے کتنا سندر اور پرکشش بنایا ہے۔ تم کتنی بدنصیب ہو کر ایک غریب کے گھر پیدا ہوئیں۔ تمہیں کسی راجہ کے گھر پیدا ہونا تھا **تمہیں تو رانی ہونا تھا۔''**

''آپ یہاں سے ابھی اور اسی وقت چلے جائیں۔'' میری ماں برافروختہ ہو گئی۔ **''شیطان آپ کو بہکا رہا ہے۔** میں آپ سے التجا کرتی ہوں چلے جائیں۔''

''میں یہاں نامراد ہو کر جانے نہیں آیا ہوں میری جان مدھومتی!'' اس نے ماں کی طرف **تیزی** سے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں پانے کیلئے آیا ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت **مجھے دل کا ارمان نکالنے سے روک نہیں سکتی۔** نہ تم میرے ہاتھوں سے بچ کر جا سکتی ہو۔ غصہ **چھوڑ دو میری آغوش میں آ جاؤ۔''**

بمل داس نے لپک کر میری ماں کو دبوچ لیا۔

اس وقت اس لمحے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ میں کیا کروں۔ اس ظالم کے شکنجے سے اپنی ماں کو کیسے آزاد کراؤں۔ معاً میری نگاہ فرش پر پڑے پتھر پر پڑی۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور فوراً ہی وہ پتھر اس کی کھوپڑی پر پوری قوت سے دے مارا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

بمل داس کی گرفت اور زور کم ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ ماں کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیسے اور کیوں کر ہوا۔ ماں حیرت اور خوف کی حالت سے بستر سے نکلی۔ اس نے ایک پل کیلئے ادھر ادھر دیکھا۔ میں فوراً ہی ایک درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ میری ماں چند لمحوں کے بعد سراسیمگی کے عالم میں گھر سے نکل کر پڑوسی کے مکان میں گھس گئی۔ اس مکان میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ اس کی بہو اور بچے بھی ساتھ رہتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بمل داس گھر سے نکلا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھوپڑی پر رکھا ہوا تھا جس میں سے خون رس رہا تھا۔ اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑی

تیزی سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ شاید دل میں حیران تھا کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ میں دل میں بہت خوش تھا کہ میرے کارن میری ماں کی عزت ایک بھیڑیے کے ہاتھوں بچ گئی۔

جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تب میں گھر کی طرف بڑھا۔ میں نے ماں کو بھی اس وقت پڑوسی کے گھر سے نکل کر گھر میں گھستے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جب میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا ماں بستر کی چادر کی شکنیں درست کر رہی ہے۔ جو انجانی کہانی سنا رہی تھیں۔ پھر میری ماں نے اپنی ساڑھی اور بالوں کو درست کیا۔ میں نے ماں کے چہرے پر سرخ سرخ نشان دیکھ کر انجان بن کر پوچھا۔ ''ماں! یہ تمہارے چہرے پر **نشانات کیسے ہیں......؟''**

''یہ رات مچھروں نے کاٹا تھا۔'' ماں نے ساڑھی کے **پلو سے ان نشانات کو** مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''رات بہت مچھر تھے۔

نجانے کیوں میں نے ماں سے یہ کہنا مناسب نہیں سمجھا کہ میں نے **بمل داس کو** گھر میں گھستے اور باہر نکلتے دیکھا تھا۔ یک لخت ماں نے مجھے سینے سے **لگایا اور پھوٹ پھوٹ** کر رونے لگی۔ پھر اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے ماں سے **پوچھا کہ تم رو کیوں رہی** ہو۔ ماں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''عزت اور جان بچ گئی...... ایک سانپ **گھر میں داخل ہو گیا** تھا۔ بھگوان نے مجھے اس خطرناک سانپ کے ڈسنے سے بچا لیا ورنہ میری جان **اور عزت** خاک میں مل جاتی۔''

''مگر ماں......؟'' میں نے حیرانی سے کہا۔ ''سانپ کے ڈسنے سے **جان چلی جاتی** ہے......؟ عزت کیسے جاتی ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔''

''ابھی تم بچے ہو......'' ماں نے میرے بالوں کو سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ **''میں** تم سے کیا کہوں......؟ تم میری بات سمجھ نہیں پاؤ گے۔'' ماں پھر سسک پڑی۔ اس کے دوسرے دن میں فٹ بال کھیلنے سکول جا رہا تھا۔ سکول میں ایک بہت بڑا گراؤنڈ تھا۔ میں روز ہی جاتا تھا۔ اس وقت سکول میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ صرف وہی لڑکے ہوتے تھے جو فٹ بال کھیلنے کیلئے آتے تھے۔ میں نے بمل داس کو دو آدمیوں کے ہمراہ سکول کی عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تو میرا ماتھا ٹھنکا...... میں نے ان دونوں آدمیوں کو پہچان لیا۔ یہ دونوں اس گاؤں کے بدمعاشوں میں سے تھے۔ میں نے اس کمرے کے باہر کھڑے ہو کر جس میں وہ گئے تھے ان کی گفتگو سننے کی بہت کوشش کی لیکن ایک لفظ بھی سن نہیں سکا۔ وہ تینوں کوئی

منصوبہ بنا رہے تھے۔

میں کوئی دو دن کے بعد ماں کے ساتھ گھاٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک بڑی لانچ شہر سے آئی ہوئی تھی۔ وہ لانچ ہر تین مہینے میں ایک دن بہت ساری ساڑھیاں' چوڑیاں اور سنگھار کا سامان لے کر آتی تھی اور بہت ہی سستی چیزیں فروخت کرتی تھی۔ راستے میں بمل داس مل گیا اور ماں سے بولا۔

''مدھومتی! اس روز مجھے معلوم نہیں کس نے زخمی کر دیا مجھے شما کر دو مدھومتی...... جانے مجھے اس روز کیا ہو گیا تھا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''اس روز چوں کہ تم شراب کے نشے میں تھے اس لیے تم خود پر قابو نہ پا سکے تھے۔'' ماں نے صاف دلی سے کہا۔ ''تم تو بہت اچھے انسان ہو۔''

''تم میری بہن کی طرح ہو......'' بمل داس نے کہا۔ ''ایک مہینے میں راکھی کا تہوار آنے والا ہے تم میرے ہاتھ پر راکھی باندھو گی نا......؟''

''کیوں نہیں بھیا!'' ماں خوش ہو کر بولی۔ ''راکھی کا بندھن ہم دونوں کی محبت کے رشتے کو بہت مضبوط اور گہرا کر دے گا۔''

''میں ایک بھائی کے ناتے تم سے ایسی محبت کروں گا' وہ پیار دوں گا جسے تم کبھی بھی بھلا نہ سکو گی۔'' بمل داس نے کہا۔ ''اس روز کے واقعہ کو بھلا دینا۔ میں نے مندر جا کر بھگوان سے بہت معافی مانگی' شرمندہ ہوا۔ اس کے آگے بہت دیر تک روتا اور گڑگڑاتا رہا۔''

بمل داس جب آگے بڑھ گیا تو میں نے ماں سے پوچھا۔ ''یہ بمل داس کیا کہہ رہے تھے۔ کس بات پر شرمندہ اور نادم تھے؟ وہ کیا واقعہ تھا؟''

ماں نے اس بات کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا تھا۔ میں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ کوئی سات دن بعد میرے پتا جی اچانک اور پراسرار طور پر لاپتا ہو گئے۔ جب بمل داس کو اطلاع ملی تو وہ دوڑا دوڑا گھر آیا اور اس نے ماں کو خوب دلاسا دیا کہ وہ کسی بات کی فکر نہ کرے۔ وہ انہیں تلاش کر کے لے آئے گا۔ اس کے تیسرے دن پتا جی کی لاش ندی کے جنوب میں مسخ شدہ حالت میں ملی۔ ان کی شناخت لباس سے ہوئی۔ پولیس نے اپنی تفتیش کے بعد بتایا کہ وہ منڈی میں چاول بیچ کر آ رہے تھے کہ بدمعاشوں نے انہیں اغوا کر کے رقم لوٹ لی۔ اس لیے قتل کر دیا کہ وہ قاتلوں کو پہچانتے تھے۔

پتا جی کے دردناک اور لرزہ خیز قتل کی واردات نے ہمارے گھر پر جیسے بجلی گرا دی تھی۔ پورے گاؤں میں کہرام برپا ہو گیا۔ قیامت مچ گئی تھی۔ کیوں کہ آج تک ایسی لرزہ خیز واردات نہیں ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں بمل داس بہت آیا۔ وہ پتا جی کی موت پر نہ صرف دھاڑیں مار مار کر رویا بلکہ اس نے ماں سے کہا تھا کہ وہ ایک بھائی کی طرح ہم دونوں کا خیال رکھے گا۔ ہم دونوں کسی بات کی چنتا نہ کریں۔

وہ پتا جی کے کریا کرم کے بعد ہمیں دل جوئی کے بہانے اپنے گھر لے آیا۔ اس کا گھر حویلی نما تھا۔ میری ماں بہت معصوم اور سیدھی سادی عورت تھی۔ اس کے فریب میں آ گئی۔ گو کہ میں کم عمر تھا لیکن بہت ساری باتوں اور اس کی نیت کو خوب سمجھتا تھا۔ میں وہ دن نہیں بھولا تھا جس دن اس نے میری ماں کو ہمارے گھر میں بے حجاب کر کے اس کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ میری تدبیر کے کارن ماں کی عزت بچ گئی تھی۔

بمل داس ہم دونوں کو اپنے ہاں لانے کے بعد ہم دونوں کا کچھ زیادہ خیال رکھنے اور دل جوئی کرنے لگا تھا۔ میری ماں جب پتا جی کو یاد کر کے زار و قطار رونے لگتی تو وہ میری ماں کو میری بہن کہہ کر سینے سے لگاتا۔ اس کے آنسو پونچھتا اور بدن پر ہاتھ پھیرتا۔ مجھے یہ سب کچھ ناگوار لگتا۔ میں نے ماں سے کئی بار دبی دبی زبان سے کہا کہ یہاں سے چل کر ہم اپنے گھر میں رہتے ہیں مگر میری ماں نے کہا کہ بھگوان نے مجھے ایک بھائی دیا ہے ہم کچھ دن اور رہ لیتے ہیں۔

ایک روز رات کے وقت میں نے بمل داس کی حرکات و سکنات کو بہت ہی پراسرار پایا۔ میں نے اسے میرے' اس کی پتنی کے دودھ کے گلاس میں کچھ ملاتے ہوئے دیکھ لیا۔ میں نے اپنا دودھ پیا نہیں اس کی نظریں بچا کر پھینک دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ رات میں نشست گاہ میں سو جاؤں۔ میں نے ماں کو بتانا چاہا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ بمل داس سے بچ کر رہنا۔ اس نے میرے اور اپنی پتنی کے دودھ کے گلاس میں کچھ ملایا ہے لیکن میں کہہ نہ سکا کیوں کہ یہ بات کہنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ مجھے اس پر شک ہو گیا تھا۔ اس کی نیت میں فتور آ گیا تھا۔ میں چوکنا اور ہوشیار ہو گیا تھا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد میں نے بمل داس کو اپنے کمرے سے نکل کر ماں کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دروازہ ٹھیک

سے بند نہیں کیا جس سے ایک جھری سی بن گئی تھی۔ ماں اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ''بھیا! اس سمے کیسے آنا ہوا......؟ تم کتنے اچھے بھیا ہو...... تم نے ایک سگے بھائی سے بھی بڑھ کر میرا خیال رکھا ہوا ہے۔ کاش بھیا! میں تمہارے اس احسان کا بدلہ دے سکتی......''

''تم میرے احسان کا بدلہ کیوں نہیں دے سکتی ہو......؟'' بمل داس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''میں اپنے احسانات کا بدلہ لینے تو آیا ہوں۔''

''جو حکم میرے پیارے بھیا!'' میری ماں نے خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے۔ حکم کریں بھیا۔''

''مجھے تمہاری جان کی نہیں بلکہ ان احسانات کے صلے میں تمہارے بدن اور شباب اور جوانی کی ضرورت ہے۔'' اس نے ماں کے پاس جا کر کہا۔

''کیا......؟'' ماں ایک دم سے اس طرح اچھل پڑی جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

''ہاں میری جان......'' بمل داس نے میری ماں کو فوراً ہی بازوؤں میں بھر لیا۔ ''اس کے بدلے میں تمہارا جسم مجھے چاہیے اور کچھ نہیں۔''

''بمل داس بھیا!'' ماں نے اس کے بازوؤں کی گرفت میں کسمساتے ہوئے لجاجت سے کہا۔ ''تم مجھے اپنی بہن بنا کر لائے ہو کیا کوئی اپنی بہن کیلئے ایسا کر سکتا ہے......؟ کیا تمہیں بھگوان کا بھی کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے......؟ کہیں تم نشے میں تو نہیں ہو بمل داس بھیا!......''

''صرف زبان سے کہہ دینے سے غیر عورت بہن نہیں ہو جاتی ہے۔'' بمل داس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ اس رات تم بچ گئی تھیں...... لیکن آج تم بچ نہیں سکتی ہو۔ تمہارا حسن، شباب اور جسم میری ملکیت ہے۔ تم یہاں جب تک رہو گی تم میری پتنی کی طرح رہو گی۔''

میں نے یکدم دروازہ کھٹکا دیا۔

بمل داس نے میری ماں کو اپنے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کیا۔ جب وہ مڑ کر دروازے کی طرف بڑھا تو ماں نے شمع دان اٹھا کر اس کے سر پر پوری طاقت سے دے مارا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ بری طرح لڑکھڑایا اور اس کا سر بڑے زور سے دیوار

سے ٹکرایا۔ وہ دھپ سے فرش پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماں نے ایک اور ضرب اس کے سر پر لگائی اور شمع دان کو ایک طرف پھینک دیا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی تو میں دروازہ کھول کر کمرے میں آ گیا۔ ماں مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ مجھے لپٹا کر بولی۔ ''میں تمہیں لینے آ رہی تھی...... آؤ چلیں۔ یہاں سے ابھی نکل چلیں۔''

''انہیں کیا ہو گیا ہے......؟'' میں نے بمل داس کی طرف انجان بن کر اشارہ کیا۔ ''یہ بے ہوش ہو گئے ہیں کیا ماں......؟''

''میں نے اس کمینے کو شمع دان سے ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا ہے۔'' ماں نے اس کی طرف نفرت اور حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ نے بمل داس چچا کو کس لیے بے ہوش کیا شمع دان مار کر......'' میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

''اس لیے کہ یہ سانپ بن کر میری عزت اور زندگی کو ڈس لینا چاہتا تھا۔'' ماں نے اس پر تھوکتے ہوئے کہا۔ ''چلو اب ہمیں یہ گاؤں چھوڑ دینا ہو گا۔ کیوں کہ یہ ہوش میں آنے کے بعد ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ بہت ہی ظالم اور سنگ دل اور ذلیل اور کمینہ ترین شخص ہے۔''

میں نے ماں کے منع کرنے کے باوجود اس کی جیب میں جتنی نقدی تھی وہ نکال لی کیوں کہ راستے میں ضرورت پڑ سکتی تھی۔ اس کی جیب میں سینکڑوں کی رقم تھی۔ پھر میں اور ماں رات کی تاریکی میں اپنے گھر پہنچے۔ گھر سے نقدی، زیورات اور چند جوڑے کپڑے لیے پھر گھاٹ پہنچے۔ سورج نکلنے سے پہلے ایک مسافر لانچ آتی تھی۔ گھاٹ پر بیٹھ کر ہم دونوں سوچنے لگے کہ کہاں جائیں۔ ماں اپنے گاؤں اس لیے جانا نہیں چاہتی تھی کہ بمل داس ہماری تلاش میں وہاں پہنچ سکتا تھا۔ ماں کو اچانک پتا جی کے ایک کاروباری دوست یاد آئے جو ناگوہاٹ میں رہتے تھے۔ وہ دو ایک مرتبہ ہمارے ہاں آ چکے تھے۔ وہ عمر میں میرے پتا جی سے پانچ برس بڑے تھے۔ وہ بہت بے غرض اور مخلص شخص تھے۔

جب تک لانچ پر سوار نہیں ہوئے دل کو ایک دھڑکا سا لگا رہا کہ کہیں بمل داس بدمعاشوں کو لے کر نہ پہنچ جائے۔ ماں کو اغوا کر کے نہ لے جائے۔ وہ چوں کہ صبح تک ہوش میں نہیں آیا تھا اس لیے وہ ہماری تلاش میں نہیں آیا تھا۔ جب لانچ چل پڑی اور گاؤں

نظروں سے اوجھل ہو گیا تب کہیں دل کو سکون و اطمینان نصیب ہوا۔ تا گوہاٹ پہنچنے تک ماں مسافروں کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ ماں کا بے مثال حسن' نازک جوانی اور شباب مسافروں کو دیکھنے پر مجبور کرتا رہا جس سے ماں بھی سخت پریشان اور خوف زدہ سی ہو گئی تھی۔

پتا جی کے دوست ستیو رام کے ہاں پہنچے۔ پتا جی کے لرزہ خیز قتل کی خبر ان تک نہیں پہنچی تھی۔ انہیں اس خبر سے بہت دکھ ہوا۔ وہ پتا جی کو یاد کر کے روتے بھی رہے۔ ان کی پتنی کو سورگ باش ہوئے تین برس ہو چکے تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے دوسری شادی اس لیے نہیں کی کہ انہیں پتنی سے بہت محبت تھی۔ وہ اپنی اس محبت کو تقسیم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے برابر والا مکان ہمیں رہنے کیلئے دے دیا تھا۔

اس گاؤں میں ماں کی شہرت چند دنوں میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس نے ماں کو دیکھا وہ جیسے دل دے بیٹھا۔ ماں سے شادی کرنے والوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ستیو رام بھی یہی چاہتے تھے کہ ماں کسی اچھے شخص سے شادی کر کے گھر بسا لے کیوں کہ ایک حسین اور جوان عورت کا بغیر مرد کے پہاڑ سی زندگی گزارنا آسان نہیں۔ ماں نے ان سے کہا کہ وہ تین دن تک سوچنے کے بعد جواب دے گی۔

ماں نے ستیو رام چچا کو طلب کر کے کہا۔ ''میں نے تین دن کے سوچ بچار کے بعد شادی کر کے اپنے بیٹے کی خاطر گھر بسا لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''یہ تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔ ''مجھے تمہارا فیصلہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔ تم کس سے شادی کرنا پسند کرو گی؟''

''آپ سے......'' ماں نے سر جھکا کر سرخ ہوتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں آپ سے اچھا پتی مجھے کبھی نہیں مل سکتا......''

''مجھ سے......؟'' ستیو رام چچا بھونچکے سے ہو گئے۔ انہیں جیسے یقین نہیں آیا۔

''نہیں...... نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''میں شادی کروں گی تو صرف اور صرف آپ سے......'' ماں نے کہا۔ یہ آپ نہیں چاہتے تو پھر کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی...... آپ مجھ سے شادی کس لیے نہیں کرنا چاہتے ہیں...... کیا میں آپ کے لائق نہیں ہوں۔ میں ایک بیوہ عورت اور بچے کی ماں ہوں اس لیے......؟''

''نہیں...... یہ بات نہیں......'' ستیو رام چچا نے سر ہلایا۔ ''آپ نہ صرف بہت خوبصورت بلکہ جوان ہیں بہت سارے جوان آپ سے شادی کے خواہشمند ہیں۔ وہ ایک اچھے جیون ساتھی ثابت ہوں گے جبکہ میری اور آپ کی عمر میں خاصا فرق بھی ہے۔''

''جو لوگ مجھ سے شادی کے خواہش مند ہیں وہ خود غرض اور حسن پرست ہیں۔'' ماں کہنے لگی۔ ''وہ میرے حسن و شباب اور جسم کی خوبصورتی کے باعث مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے آپ جیسے عظیم اور مخلص جیون ساتھی کی ضرورت ہے؟ آپ نے میرے بیٹے کو مشکل حالات میں سہارا دیا۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر مجھ سے شادی کر لیتا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔''

ستیو رام چچا کو ماں کی بات ماننا پڑی۔ تیسرے دن ان کا ماں سے بیاہ ہونا طے پایا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح گاؤں میں پھیل گئی۔ ماں سے شادی کرنے کے جو امیدوار تھے انہیں اس خبر سے بہت دکھ ہوا۔ ماں صرف ایک سے شادی کر سکتی تھی۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی کہ ستیو رام چچا میرے پتا جی بن جائیں گے کیوں کہ وہ بہت ہی اچھے اور ٹھنڈے مزاج کے تھے۔

جس روز میری ماں کی شادی ستیو رام چچا سے ہونے والی تھی اس روز گاؤں کے تمام مردوں اور عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ستیو رام چچا کی پورے گاؤں میں بڑی عزت تھی اور گاؤں والے ان سے اور وہ گاؤں والوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ ان کے دکھ' درد' سکھ اور خوشیوں میں بہت کام آتے تھے۔ گاؤں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو ان سے نفرت کرتا ہو۔ گاؤں میں اس روز ایک میلے کا سا سماں تھا۔ بڑی چہل پہل' رونق اور گہما گہمی سی ہو گئی تھی۔ گاؤں میں جیسے چپکے سے بہار آ گئی تھی۔ ہر شخص اس شادی سے بہت خوش تھا۔

گاؤں کی لڑکیوں اور عورتوں نے مل کر میری ماں کا سنگھار کیا اور دلہن بنایا۔ میں نے اپنی ماں کو دلہن کے روپ میں دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ وہ اتنی حسین اور سندر لگ رہی تھیں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی شادی روایتی انداز میں ہوئی تھی۔ جیسے وہ بیوہ نہیں کنواری لڑکی ہوں۔ تمام رسومات پوری طرح ادا ہوئیں تھیں۔ مہمانوں کی خاطر تواضع بھی ستیو رام چچا نے دل کھول کر کی تھی۔

جب سارے مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اور پورے گاؤں پر گہرا سناٹا سا چھا گیا تب ستیو رام چچا مجھے حجلہ عروسی میں لے کر داخل ہوئے جس میں میری ماں دلہن بنی ہوئی بیٹھی تھی۔ ستیو رام نے میری ماں کے سامنے کھڑے ہو کر اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مدھومتی......! میں بھگوان کی سوگند کھا کر تمہیں وچن دیتا ہوں کہ مکرجی آج سے میرے سگے بیٹے کی طرح ہے۔ کل تک میں اسے اپنے دوست کا بیٹا سمجھتا رہا تھا لیکن آج سے یہ میرے سگے بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ میں اسے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہوں گا۔ تم دونوں کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔ تمہیں اور تمہارے بیٹے مکرجی کو کبھی بھی کسی بات کی کمی اور کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ تم دونوں کا ہے۔"

ستیو رام چچا نے اپنی بات پوری کی تھی کہ اس لمحے چار بدمعاش جنہوں نے اپنے چہروں پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے اور چاقوؤں اور چھریوں سے مسلح تھے کمرے میں دندناتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ جو پانچواں بدمعاش تھا وہ بمل داس تھا۔ ان پانچوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے اور ستیو رام چچا کو نرغے میں لے لیا۔ ہم دونوں کی مشکیں کس کر منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے۔

یہ سب اس قدر تیزی سے ہوا کہ ہم تینوں بھونچکے سے ہو گئے۔ اتنی مہلت بھی نہیں ملی کہ چیخ و پکار کر سکیں۔ بمل داس نے کمرے میں گھستے ہی دھمکی دے دی تھی کہ ہم میں سے کسی نے شور مچایا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ بمل داس اور ان بدمعاشوں کو دیکھ کر ماں کو غش سا آ گیا تھا۔ اس کے جسم پر خوف و لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ چہرہ دھلی چادر کی طرح سفید پڑتا چلا گیا۔ وہ ایک مردہ لاش کی طرح دکھائی دینے لگی۔

بمل داس نے اپنے ساتھی بدمعاشوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ چلے گئے تو بمل داس دروازہ بند کر کے ماں کے پاس بیٹھ گیا۔ ماں نے ان چند لمحوں میں خود پر کسی حد تک قابو پا لیا تھا۔ بمل داس نے بڑے استہزائی لہجے میں کہا۔ "میری جان! تم مجھ سے کہاں تک اور کب تک چھپتی اور بچتی پھرو گی۔ دیکھو آخر تمہاری محبت اور کشش مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔ مجھے دیکھ کر تمہیں بہت خوشی ہو رہی ہو گی کہ میں عین وقت پر آ گیا۔"

"بمل داس!" ماں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "میں نے تمہیں اپنا بھائی بنایا

تھا۔ تم میرے بھائی کی طرح ہو...... تم جس طرح آئے ہو اسی طرح واپس چلے جاؤ...... میری ان سے آج شادی ہو چکی ہے۔ یہ میرے پتی ہیں۔ میرے دیوتا ہیں۔ میرے اس بچے کے باپ ہیں۔ ہم دونوں کیلئے سائبان ہیں۔"

"بھائی......؟" وہ بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا پھر اس نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "دنیا میں اس سے بڑا احمق کون ہو گا جو تم جیسی حسین عورت کو بہن بنائے اور اس کا منہ بولا بھائی بن جائے۔ تم جیسی حسین اور جوان عورتیں صرف اور صرف بستر کی زینت بنانے کیلئے ہوتی ہیں۔"

"بمل داس......" میری ماں نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم یہاں میری خوشیاں برباد کرنے آئے ہو...... بھگوان کیلئے چلے جاؤ......" میری ماں توقف کر کے اس کی منت سماجت کرنے لگی۔ "تم اتنے ظالم اور سنگ دل نہ بنو آخر تم میرے پتی کے دوست ہو۔"

"تم نے میرا بہت کچھ بگاڑا ہے۔ میری بے عزتی کی' مجھے ذلیل کیا۔" بمل داس کہنے لگا۔ "میں اس روز پہلی بار تمہارے گھر تنہائی میں دل کے ارمان پورے کرنے آیا تو تم نے مجھے دھتکار دیا۔ جب میں تم سے من مانی کرنے لگا تو کسی نے میرے سر پر پتھر دے مارا۔ میں غشی کھا گیا۔ یہ حرکت شاید تمہارے پتی نے کی تھی لیکن اس نے مجھ پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا۔ تمہارے پتی کی موت کے بعد تمہیں دنیا والوں کے سامنے بہن بنا کر گھر لے آیا۔ ایک رات میں تم سے ملنے آیا۔ اس ملن کی رات تم نے میرے سر پر شمع دان سے ضرب لگا دی اور اپنے بیٹے کے ساتھ فرار ہو کر اپنے آشنا کے پاس آ گئیں۔ یہ تمہارے پتی کا دوست اور تمہارا آشنا بھی تھا۔"

"میں نے اپنی عزت و آبرو بچانے کیلئے تمہارے ساتھ فریب کیا۔" میری ماں ہیجانی لہجے میں کہنے لگی۔ "اگر میں بری عورت اور تمہاری پاپی ہوتی تو اس روز تمہاری جھولی میں گر جاتی۔ تمہیں شرم آنی چاہیے کہ مجھے بہن بنا کر میری عزت کے درپے ہو گئے۔ بھگوان نے میری عزت تمہارے ہاتھوں برباد ہونے سے بچا لی۔ تم اس عظیم اور مخلص شخص پر تہمت نہیں لگاؤ۔ انہوں نے مجھے اور میرے بیٹے کیلئے صرف میرے کہنے پر مجھ سے شادی کی ہے۔"

''بھگوان نے اب تک تمہاری عزت بچائی آج میں دیکھتا ہوں کہ وہ تمہاری عزت کیسے اور کیوں کر بچاتا ہے؟'' بمل داس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ماں کی بانہہ پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچا اور بازوؤں میں لے کر گرفت اتنی سخت اور مضبوط کر لی کہ وہ کسمسا تک نہ سکی۔ وہ جیسے شکنجے میں کس گئی تھی۔

بمل داس نے اپنے مکروہ ارادے کی تکمیل کے بعد دروازہ کھول کر اپنے آدمیوں کو آواز دی۔ جب وہ اندر آئے تو اس نے ان سے کہا۔ ''میری دلہن کو سہارا دے کر لے چلو...... اور ہاں......'' اس نے گھوم کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ سانپ کا بچہ سپنولیا ہوتا ہے اسے لے چلو۔ دولہا میاں کو چھوڑ دو۔ اسے یہیں رہنے دو......''

میری مشکیں کھول دی گئیں اور منہ سے کپڑا نکال دیا گیا۔ پھر وہ لوگ مجھے اور میری ماں کو لے کر ندی کی طرف چل پڑے۔ گھاٹ سے کسی قدر ہٹ کر جہاں جھاڑیاں تھیں وہاں رک گئے۔ ندی کے کنارے ایک بڑی کشتی موجود تھی جس میں سات آٹھ افراد سفر کر سکتے تھے۔ بمل داس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں...... میں کشتی میں جا کر آرام کر رہا ہوں اور ان لوگوں کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔''

میں نے چھرا اٹھا لیا۔ فوراً ہی جھاڑیوں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ درندے میری ماں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ماں نے اپنے آپ کو ایک سرد لاش کی طرح ان کے حوالے کر دیا تھا۔ میں اکیلا ان کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ یکدم میری ماں اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے ان کی نظریں بچا کر ایک چاقو اٹھا لیا۔ پھر ایک بدمعاش کی پشت میں پوری طاقت سے گھونپ دیا۔ پھر اسے نکال لیا۔ اس بدمعاش نے بڑے زور کی چیخ ماری اور وہ زمین پر گر کر درد سے تڑپنے لگا۔ اس کے ساتھی بھونچکے ہو گئے۔ ماں وہ چاقو لیے کشتی کی طرف لپکی تاکہ بمل داس کو موت کے منہ میں اتار دے۔

میری ماں کے کشتی کے قریب پہنچنے سے قبل ہی ایک بدمعاش نے جو لال رنگ کے لباس میں تھا میری ماں کو دبوچ لیا۔ میری ماں کے ہاتھ سے چاقو چھین کر اس کے سینے میں اتار دیا۔ میری ماں کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی وہ تیورا کر زمین پر گری اور اس نے دم توڑ دیا۔ اس کے خون سے زمین لال ہونے لگی۔ اس وقت بمل داس کشتی میں سے نکل

آیا۔ جب اس نے میری ماں اور اپنے ساتھی کی لاش دیکھی تو اس نے پوچھا۔ ''مکر جی کہاں ہے......؟''

''مکر جی!'' ایک بدمعاش نے کہا اور اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی شکلیں دیکھیں۔ پھر اس نے جواب دیا۔ ''ہمیں اس کا خیال ہی نہیں رہا۔''

''حرام زادو...... وہ کہاں گیا؟'' بمل داس نے غصے سے چیخ کر کہا۔ ''اسے تلاش کرو' پکڑو وہ سنپولیا ہے۔ اس کا زندہ رہنا بہت خطرناک ہے۔''

اس وقت آسمان پر گہرے بادل کے بہت بڑے ٹکڑے نے چاند کو اپنی آغوش میں لے لیا تو چاروں طرف ایک گہری تاریکی سی چھا گئی۔ یہ تاریکی ایسی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ جب کچھ دیر بعد چاند اس بادل کی آغوش سے نکلا تو میں نے دیکھا کہ بمل داس کے دو ساتھی اپنے ساتھی کی لاش کو اٹھا کر کشتی کی طرف لے جا رہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بدمعاش جس نے میری ماں کو قتل کیا تھا وہ جھونپڑی کے پاس گزر رہا ہے تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں نے لپک کر چھرا اس کی پشت میں پوری قوت سے گھونپ دیا۔ وہ منہ کے بل چیخ مار کر گرا پھر پلٹ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ میں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ بھاگتا چلا گیا۔ بہت دور جا کر رک گیا کیوں کہ میری سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ میں تھک گیا تھا اور مزید دوڑنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

جب میں ایک گھنٹے کے بعد وہاں ڈرتے ڈرتے پہنچا تو صرف میری ماں کی لاش پڑی تھی۔ جس نے میری ماں کو قتل کیا تھا اور میں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ شاید وہ مر گیا تھا کیوں کہ وہ جس جگہ زخمی ہو کر گرا تھا وہاں بہت سا خون بکھرا پڑا ہوا تھا۔ کشتی موجود نہ تھی۔ بمل داس اپنے ساتھی اور ساتھیوں کی لاشوں کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ وہ کسی وجہ سے ان بدمعاشوں کی لاشوں کو لے گیا تھا۔

میں اپنی ماں کی لاش کے پاس بہت دیر تک بیٹھا روتا رہا۔ میں نے ماں کی لاش کو اس کے کپڑوں سے ڈھک دیا پھر میں اٹھا' گرتا پڑتا کسی نہ کسی طرح گھر پہنچا۔ سیتو رام چچا کی مشکیں کھولیں۔ انہیں سارا قصہ سنایا۔ وہ کچھ دیر تک مجھے سینے سے لگا کر دلاسا دیتے رہے۔ انہوں نے مجھے سختی سے تاکید کی میں کسی کو بھی یہ نہیں بتاؤں کہ بمل داس نے اور اس کے ساتھیوں نے ماں کی عزت لوٹی۔ تم نے ایک بدمعاش کو قتل کر دیا۔ پولیس سے اور گاؤں

والوں سے صرف یہ کہا کہ پانچ بدمعاش آئے تھے اور ہم دونوں کی مشکیں کس کر ماں کو اٹھا کر لے گئے۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

وہ دن نہ صرف میرے لیے بلکہ گاؤں والوں کیلئے بھی کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

ماں کی خون آلود نعش نے گاؤں میں خوف و ہراس اور دہشت پھیلا دی۔ پولیس اس قتل کا سراغ اس لیے نہیں لگا سکی تھی کہ کسی نے بھی ان بدمعاشوں کو آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ صرف ہم دونوں جانتے تھے کہ قاتل کون ہے؟ میں کئی دنوں تک ماں کو یاد کر کے بہت رویا تھا۔ ستیو رام چچا نے مجھے ایک دن کہا کہ...... یہ رونا تو ساری زندگی کا ہے' رونے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

ایک بار نہیں کئی مرتبہ جہاں میری ماں کو قتل کیا گیا تھا وہاں مجھے میری ماں کی آتما کئی بار نظر آئی تھی۔ اس نے مجھ سے باتیں کی تھیں اور مجھ سے کہا تھا کہ میں بڑا ہو کر بمل داس سے اس کی بے حرمتی کا بدلہ لوں۔ میں نے ماں کی آتما سے وعدہ کیا کہ اس سے ضرور بدلہ لے کر رہوں گا۔

اگر ستیو رام چچا نے مجھے سہارا نہ دیا ہوتا تو بھگوان جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ انہوں نے میری پرورش اور تعلیم میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ انہوں نے مجھے ایک سگے بیٹے سے بھی بڑھ کر چاہا۔ پیار دیا' خیال رکھا۔ میرے دل میں جو صدمہ اور غم تھا اسے ایک طرح سے مٹا دیا تھا۔ لیکن میرے سینے میں جو انتقام کی آگ تھی وہ بجھ نہ سکی۔ جب بھی مجھے پتاجی اور ماتا جی کی دردناک موت کا خیال آتا تو غصہ اور انتقام سے میرا خون کھولنے لگتا۔ بمل داس ہی میرے پتاجی کا قاتل تھا۔ اس نے میری ماں کے حصول کیلئے انہیں راستے سے ہٹایا تھا۔ ستیو رام چچا کا بھی یہی خیال تھا۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ میں نے جوانی کی دہلیز پار کر کے شباب کی حدود میں قدم رکھ دیا۔ وقت نے میرے سینے میں نفرت اور انتقام کی آگ ایک طرح سے سرد کر دی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں ستیو رام چچا کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو کر دلچسپی لے رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ میرے ستیو رام چچا نے مجھے سمجھا بجھا کر اس آگ کو سرد کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں یہ سب کچھ بھگوان پر چھوڑ دوں۔

ایک روز میں چاندنی رات کو سیر کیلئے نکل گیا۔ میرے قدم آپ ہی آپ اس جگہ

کی طرف اٹھ گئے جہاں پندرہ برس پہلے میری ماں کو اجتماعی بے حرمتی کر کے قتل کیا گیا تھا۔ میں نے اس جگہ برسوں سے جانا چھوڑ دیا تھا لیکن ایک نادیدہ طاقت تھی جو مجھے کشاں کشاں اس جگہ لے جا رہی تھی۔ مجھے اپنے آپ پر اختیار نہیں رہا تھا۔ میں اس جائے واردات پر پہنچ کر رک گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ فضا میں ایک سیاہ بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا پھر وہ لہراتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ مجھ سے کوئی دس بارہ قدم پر اتر گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے ایک عورت کی صورت اختیار کر لی۔ میری ماں کی آتما میری نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔

''میرے بیٹے!'' میری ماں نے مجھے ممتا بھرے لہجے میں پکارا۔ ''کیا تم اپنی ماں کو بھول گئے ہو......؟ تم مجھے یاد نہیں کرتے ہو......؟''

''ماں! میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔'' میں اپنی ماں کی آتما کو برسوں کے بعد اپنی نظروں کے سامنے اچانک دیکھ کر جذباتی سا ہو گیا۔ ''تم برسوں کے بعد آج میرے سامنے آئی ہو...... تم پہلے تو آیا کرتی تھیں لیکن اب تم کیوں اور کس لیے نہیں آتی ہو......؟''

''پرلوک سے دنیا میں بار بار آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔'' ماں نے جواب دیا۔ ''میں آج آخری بار تم سے ملنے اور کچھ کہنے کیلئے آئی ہوں؟''

''آخری بار کیوں اور کس لیے......؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔ ''تم مجھ سے کیا کہنے کیلئے آئی ہو......؟ یہ کہنے کیلئے تو نہیں کہ میں پھر سے نہیں آ سکتی؟''

''اس لیے کہ بھگوان نہیں چاہتے ہیں اچھی آتمائیں دنیا میں جائیں۔'' ماں نے جواب دیا۔ ''میں یہ کہنے کیلئے بھگوان سے اجازت لے کر آئی ہوں کہ تم نے اپنے پتاجی کے قتل' میری بے حرمتی اور قتل کا بدلہ تو نہیں بھول گئے ہو...... بمل داس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ تم بھول گئے ہو......''

''وقت نے بہت ساری باتیں ذہن سے مٹا دی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''انتقام کی آگ بھی سرد کر دی ہے۔ مجھے اس لیے بھی کچھ یاد نہیں آتا ہے کہ میرے ذہن پر ایک دھند سی چھائی ہوئی ہے۔ ماضی کے دریچوں پر جیسے پردے پڑ گئے ہیں۔ میں انہیں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''تم ایسا کرو کہ زمین پر لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لو۔'' ماں نے کہا۔ ''تم ماضی

میں پہنچ جاؤ گے۔ تمہیں ساری باتیں ایک ایک کر کے یاد آ جائیں گی۔"

میں ماں کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں ماضی میں پہنچ گیا۔ میرے چشم تصور میں ایک ایک کر کے تمام مناظر لہرانے لگے۔ ماضی حال بن گیا۔ میرے زخم پھر سے تازہ ہو گئے۔ ان میں سے لہو رسنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کل کی بات ہو۔ میری رگوں میں غصہ اور انتقام کے جوش میں لہو ابلنے لگا۔ ان بدمعاشوں نے میری ماں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بمل داس کے ایما پر...... بمل داس نے میری ماں کے حصول کیلئے میری ماں کو بے وقوف بنا دیا۔ میرے پتا جی کو قتل کروایا۔ پھر اس نے میری ماں کی سہاگ والی رات کو اس کی عزت کو ایک پتی اور بیٹے کی نظروں کے سامنے پامال کیا اور میری ماں کو درندوں کے سامنے اس طرح ڈال دیا جیسے وہ کچا گوشت ہو۔

جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو میری ماں کی آتما میری نظروں کے سامنے موجود نہ تھی۔ وہ غائب ہو چکی تھی۔ اس وقت پو پھٹ رہی تھی۔

میں نے ستیو رام چچا کو نہیں بتایا کہ میری ماں کی آتما سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بمل داس سے انتقام لینے کیلئے کہا ہے۔ وہ میری اس بات کا یقین نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے کہ میرے اندر انتقام لینے کا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ پھر سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ میں ان سے کاروبار کے سلسلہ میں کچھ دنوں کیلئے شہر جانے اور رنگا مائی کی سیر و تفریح کا کہہ کر لانچ سے اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔ گاؤں پہنچ کر دیکھا تو گاؤں میں ان پندرہ برسوں میں بہت تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ گاؤں میں ایک حویلی نما مکان نظر آیا جو سب سے خوبصورت' شاندار اور پرشکوہ تھا۔ میں نے ایک سے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ مکان بمل داس کا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بمل داس نے اپنے بچپن کے دوست شرما جی کے قتل اور اس کی بیوی اور بچے کے گاؤں سے پراسرار طور پر غائب ہو جانے کے بعد اس کی ساری جائیداد اور زمینوں پر جعلی کاغذات بنا کر قبضہ کر لیا۔ وہ اور امیر کبیر آدمی بن گیا ہے۔ ان پندرہ برسوں میں وہ اور خود غرض' لالچی' ظالم اور سنگ دل شخص بن گیا ہے۔ وہ غریبوں پر بہت ظلم کرتا ہے۔ سود پر قرض دیتا ہے اگر کوئی قرض اور سود ادا نہیں کرتا تو وہ اس کی بیوی' بہن یا بیٹی کو گروی رکھ لیتا ہے۔ جب تک قرض اور سود ادا نہیں ہو جاتا وہ اس کی عزت سے کھیلتا رہتا ہے۔ لوگ اس سے بہت نالاں' پریشان اور خوفزدہ رہتے ہیں اور اس

لے مرنے کیلئے بھگوان سے پرارتھنا کرتے ہیں۔

میرے ذہن میں بمل داس کو قتل کرنے کی تدبیر آئی تھی۔ گاؤں پہنچنے کے دوسرے دن جب آدھی رات بیت چکی تو میں سرائے سے نکل کر حویلی کی طرف بڑھا۔ میں نے ایک چاقو خرید لیا تھا تاکہ اس سے بمل داس کو موت کی نیند سلا دوں۔ میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اس کے جسم پر اتنے کاری زخم پے در پے لگاؤں گا کہ کوئی اس کا شمار نہیں کر سکے گا۔ پھر اسے ذبح کر کے اس کا سر حویلی کے گیٹ پر لگا کر فرار ہو جاؤں گا۔

میں نے دن ہی میں حویلی کے محل وقوع کا جائزہ لے لیا تھا۔ اس کی عمارت میں داخل ہونے کا راستہ بھی تلاش کر لیا تھا۔ عقبی دروازے کی دیوار پر چڑھ کر میں حویلی میں اتر گیا۔ اس کا احاطہ رات کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے اوپر والے ایک کمرے میں ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ شاید وہ بمل داس کے کمرے کی تھی۔ پھر مجھے ایک خیال آیا کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ بستر میں سو رہی ہو گی تو میں کیا کروں؟ کیا اس کی بیوی کو بھی قتل کر دوں......؟ لیکن اس کی بیوی کا کیا دوش ہے......؟ وہ بالکل نردوش ہے۔ میرا مجرم تو صرف اور صرف بمل داس ہے۔ صرف اسے کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔ ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ بمل داس کی بیوی کو بے ہوش کر دوں۔ اس کے سر پر چاقو کی ضرب لگانے سے وہ بے ہوش ہو جائے گی۔ میں اسے سوتے میں بے ہوش کر سکتا ہوں پھر بمل داس کو بیدار کر کے اسے بتاؤں گا کہ میں کون ہوں اور میں آج اپنی ماں کی بے حرمتی کا بدلہ اور انتقام لے رہا ہوں۔ تمہیں قتل کرنے کے بعد تمہارے جسم کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گاؤں کے سارے کتوں کو کھلا دوں گا۔

تھوڑی دیر میں میں اپنے اندازے سے کسی نہ کسی اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ میں نے غیر محسوس انداز سے ہینڈل کے لٹو کو گھمایا۔ وہ قدرے کھل گیا۔ اس کی جھری میں سے دیکھا کمرے میں موم شمع کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں مسہری پر مجھے ایک جوان لڑکی گہری نیند میں غرق نظر آئی۔ اس کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ چوں کہ کھڑکی کی طرف تھا اس لیے اس کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی عریاں بانہیں' سراپا' مکھن جیسے پاؤں اور تکیے پر بکھرے ریشمی بالوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ ایک جوان لڑکی ہے۔ اس میں بڑی دلکشی' بے پناہ کشش اور اس قدر رعنائیاں تھیں

کہ میں اپنے آپ کو اندر داخل ہونے سے روک نہیں سکا۔

میں نے اندر داخل ہو کر دروازے کو بھیڑ دیا اور جیب سے چاقو نکال کر اسے کھول لیا کہ اگر لڑکی نے بیدار ہو کر شور مچانے کی کوشش کی تو اسے ذرا دھمکا کر خاموش کر سکوں۔ پھر میں اس کی طرف دبے پاؤں اور بے آواز بڑھا۔ بجلیوں سے بھرا پر شباب بدن اور اس کا تناسب مجھے کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈس رہے تھے۔ میں نے شاید ہی کسی لڑکی کا ایسا سراپا اور بے پناہ گداز بدن دیکھا ہوگا۔

جب میں اس کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ بہت ہی حسین تھی۔ ایسی حسین صورت میں نے کب دیکھی تھی۔ میں مبہوت سا ہو گیا اور اس کے بے پناہ حسن کے طلسم کا اسیر بن کر اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھا۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گیا۔ وہ پلکوں سے آنکھیں بند کیے خوابوں کے نگر میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر نہ صرف بلا کی معصومیت بلکہ جاذبیت بھی تھی۔ وہ میری ماں سے کہیں حسین تھی۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ یہ بمل داس کی بیٹی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اس طلسم سے نکل آیا۔ میرے سینے میں جو نفرت اور انتقام کی آگ تھی وہ اور بھڑک اٹھی۔ میں نے اس کے بھڑکیلے بدن اور حسن کی کرشمہ سازیوں کو دیکھتے ہوئے ایک لمحے کیلئے سوچا کہ کیوں نہ میں بمل داس کی بیٹی کی بے حرمتی کر کے ماں کی بے حرمتی کا انتقام لوں۔ اس طرح بمل داس کو ایسی اذیت اور تکلیف ہوگی کہ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہے گا۔ میں دو تین مرتبہ اس کی بیٹی کو آلودہ کرنے کے بعد بمل داس کو موت کی نیند سلا دوں گا لیکن اس سے پہلے اس کی بیٹی کو بھی اس طرح قتل کر دوں گا جس طرح میری ماں کو بربریت سے قتل کیا گیا تھا۔

جب میں نے اپنا ہاتھ جس میں چاقو تھا اوپر اٹھایا تو میرے ذہن میں ایک اور خیال بجلی کی طرح آیا۔ میں بمل داس کی بیٹی کو چاقو کے زور پر بے آبرو کرنا چاہتا تھا اور اسے اس لیے بیدار کر رہا تھا لیکن اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ میرے ذہن میں جو اس لمحے تدبیر آئی تھی اس سے بمل داس کو اور اذیت اور تکلیف پہنچتی۔ وہ نفرت اور غصے سے پاگل کتا بن جاتا۔

میں نے تھوڑی دیر تک جی بھر کر بمل داس کی بیٹی کو دیکھا۔ میرے دل کے کسی

کونے میں یہ خیال آیا کہ میں جس ارادے سے آیا ہوں اس سے باز نہ رہوں۔ اسے پورا کر کے جاؤں۔ کسی چکر میں نہ پڑوں۔ اس کی عزت پر ہاتھ ڈال کر اسے قتل کر کے چلا جاؤں۔ پھر کسی دن بمل داس کو قتل کر دوں۔ میرے ذہن میں جو خیال آیا تھا وہ زیادہ بہتر اور مناسب تھا۔ اس لیے میں وہاں سے دل پر جبر کر کے چلا آیا۔

جب میں سرائے واپس آ کر سونے کیلئے بستر پر دراز ہوا تو میرے چشم تصور میں بمل داس کی بیٹی کا سراپا اور چہرہ لہرانے لگا۔ میں بہت دیر تک کھویا سا رہا۔ پھر میرے ذہن میں جو ایک نیا خیال تھا میں اس کے پہلوؤں کے بارے میں سوچتا اور اس کا جائزہ لیتا رہا۔

دوسرے دن صبح میں بمل داس کی بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے حویلی کے پاس گیا۔ اس ظالم اور سنگ دل کی بیٹی نے میرا چین و قرار لوٹ لیا تھا۔ اس کا حسن و شباب مجھ پر بجلی بن کر گرا تھا۔ میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے تڑپ اور بے چین ہو رہا تھا۔

میں حویلی سے کچھ دور کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس حویلی کا بیرونی دروازہ کھلا۔ اندر سے ایک بوڑھا شخص باہر آیا۔ وہ چہرے مہرے اور اپنی وضع قطع سے ملازم دکھائی دے رہا تھا۔ جب وہ میرے قریب سے گزرا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''بمل داس صاحب کیا حویلی میں موجود ہیں؟''

''جی وہ تو نہیں ہیں۔'' اس نے مجھے اوپر سے نیچے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ بمل داس کا بہت ہی پرانا ملازم تھا۔ میں اس کا نام بھول رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''وہ اپنی پتنی کے ساتھ ایک شادی کی تقریب میں شرکت کرنے باری سال گئے ہوئے ہیں۔ انہیں اب تک آ جانا چاہئے تھا۔ وہ نہیں آئے۔ جس سے ان کی بیٹی چندا بہت پریشان ہے اور انہیں بڑی تشویش بھی ہو رہی ہے۔''

''کیا میں اس بات کی امید رکھوں کہ وہ دو ایک دن میں واپس آ جائیں گے....؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''مجھے ان سے ملنا اشد ضروری ہے۔''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا......'' اس نے اپنا سر کھجایا۔ ''وہ تین دن کا کہہ کر گئے تھے۔ آج سات دن ہو رہے ہیں۔ آپ کو ان سے کیا کام تھا؟''

''میں ان سے کاروبار کے سلسلے میں ملنے چٹا گانگ سے آیا ہوں۔'' میں نے

جواب دیا۔ ''میں ان کا دو تین دن اور انتظار کیے لیتا ہوں۔''

''میں اس وقت ایک ضروری کام سے ارجن پور جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میری واپسی رات تک ہوگی۔ پھر میں واپس آ کر مہمان خانے میں ٹھہراتا ہوں۔ سرکار سے جو بھی کاروبار کے سلسلے میں باہر سے آتے ہیں انہیں مہمان خانے میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''میں سرائے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں آج واپس چلا جاتا ہوں۔ چھ سات دن بعد واپس آ کر مل لوں گا۔ میں یہاں تین دن ٹھہر کر کیا کروں گا۔''

ایک طرح سے میرے لیے بمل داس کی غیر حاضری بڑی خوشخبری تھی کیوں کہ نہ صرف میری بہت بڑی مشکل حل ہوگئی تھی بلکہ میرے لیے راستہ صاف ہوگیا تھا۔ اب میں بڑی آسانی سے اپنی تدبیر پر عمل کر سکتا تھا۔ میری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ میرا دل خوش ہوگیا تھا۔

جب وہ بوڑھا ملازم میری نظروں سے اوجھل ہوگیا تو میں تیزی سے حویلی کی طرف بڑھا۔ بیرونی دروازے پر وقفے وقفے سے دو مرتبہ دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ ایک چودہ برس کی ملازمہ لڑکی نے دروازہ کھول کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''آپ کو کس سے ملنا ہے۔''

''مجھے بمل داس کی بیٹی چندا سے ملنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ان سے کہو کہ ان کے پتا جی نے ان کے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔ وہ میں پہنچانا چاہتا ہوں۔''

وہ تھوڑی دیر بعد واپس آئی۔ وہ مجھے مہمان خانے میں بٹھا کر اور میرے لیے ایک گلاس شربت لا کر واپس چلی گئی۔

میں نے شربت پی کر گلاس رکھا ہی تھا کہ دہلیز کا پردہ ہلا اور کمرے میں جیسے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ اس کا نام ماں باپ نے صحیح رکھا تھا۔ اس نے مجھے پرنام کیا۔ وہ نہ صرف بہت حسین بلکہ معصوم اور بھولی بھالی لگی۔ میں اسے رات کو بہت غور اور قریب سے دیکھ چکا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں ترحم کے جذبات جنم لینے لگے۔ میں نے دل میں سوچا اس کے پتا جی کے کیے گناہوں کی سزا اس معصوم کو کیوں دوں۔ اس پھول کو مسل کر پامال کر دینا کہاں کا انصاف ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میری ماں بھی ایک پھول کی طرح تھی

اور معصوم تھی۔ اسے کن گناہوں کی سزا ملی ہے...... یہ ایک موذی سانپ کی بیٹی ہے۔ میں بمل رام کو گہرا گھاؤ لگا کر پھر اسے قتل کر کے ماں کا بدلہ لوں گا۔

''میری ماتا جی اور پتا جی کیسے ہیں اور وہ اب تک کیوں نہیں آئے ہیں......؟''

چندا نے فکرمندی سے پوچھا۔ اس کی آواز بڑی مدھر تھی۔ اس میں جیسے سات سر تھے۔ ہر سر قوس وقزح کا ایک رنگ تھا۔ ''انہوں نے آپ کے ہاتھ کیا میرے لیے کوئی تحریری پیغام بھیجا ہے؟''

''وہ تو ٹھیک ہیں۔'' میں نے اس کا حسین چہرہ نظروں کی گرفت میں لے کر جواب دیا۔ ''لیکن میں آپ کیلئے اچھی خبر نہیں لایا ہوں۔''

''کیا کہا آپ نے......؟'' وہ بری طرح گھبرا گئی۔ اس کے چہرے پر زردی سی چھا گئی۔ اس کے سینے میں سانسیں پھولنے لگیں۔ پھر اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔ ''کیا بری خبر ہے جلدی سے بتائیں...... میرا دل اندر سے ڈوب رہا ہے۔'' اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ ''وہ زندہ تو ہیں نا......؟''

''وہ دراصل ڈاکوؤں کی قید میں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ڈاکوؤں نے ان کی رہائی کیلئے تاوان طلب کیا ہے۔ رقم اور زیورات کی صورت میں۔''

''اوہ......'' وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔ ''آپ کون ہیں......؟ کہیں آپ ڈاکوؤں کے آدمی تو نہیں ہیں......؟ لیکن آپ ایسے لگتے نہیں ہیں۔''

''میں بھی ایک مصیبت کا مارا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ان ڈاکوؤں نے مجھے اور میرے بھائی کو بھی اغوا کر کے یرغمال بنا لیا تھا۔ انہوں نے مجھے اور میرے بھائی کو اس شرط پر رہا کرنے کا وعدہ کیا ہے میں آپ کے ہاں تاوان کی رقم وصول کر کے پہنچا دوں۔ میں اس لیے یہاں آیا ہوں آپ کی ماتا جی اور پتا جی نے کہا ہے کہ تجوری میں سے رقم اور زیورات آپ لے کر میرے ساتھ آ جائیں۔ اگر انہیں دس دن کے اندر رقم نہیں پہنچائی گئی تو ڈاکو انہیں قتل کر دیں گے۔''

''آپ نے پولیس میں جا کر ان ڈاکوؤں کے خلاف رپورٹ درج نہیں کرائی کیا؟'' چندا نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

''جی نہیں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''پولیس کے پاس جانے سے کچھ حاصل نہیں کیوں کہ اس سے پہلے ہمیں نقصان ہوگا۔ اس لیے میں پولیس کے پاس نہیں گیا۔''

''حاصل کیوں نہیں۔'' چندا حیرت سے بولی۔ ''ڈاکو پولیس سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پولیس کے پاس آدمی اور بندوقیں بہت ہوتی ہیں۔''

''ڈاکوؤں نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے پولیس کو بتایا اور ان سے کسی قسم کی درخواست کی اور انہیں لے کر آیا تو وہ نہ صرف آپ کی ماتا جی، پتا جی بلکہ میرے بھائی کو بھی قتل کر کے ان کی لاشیں دریا میں بہا دیں گے۔ اور پھر وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ڈاکو بہت خطرناک قسم کے ہیں۔''

''کیا رقم اور زیورات لے کر مجھے بھی آپ کے ساتھ ہی چلنا ہوگا......؟'' چندا نے اپنی لانبی پلکیں جھپکائیں جو چلمن کی طرح تھیں۔

''جی ہاں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''آپ کا میرے ساتھ چلنا بہت ضروری ہے کیوں کہ آپ کی ماتا جی نے سختی سے تاکید کی ہے کہ میں آپ کو بھی ساتھ لے کر آؤں۔''

''اگر ڈاکوؤں نے مجھے بھی پکڑ لیا تو میں کیا کروں گی......؟'' وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ ''ڈاکو تو حسین اور جوان لڑکیوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔''

''میں آپ کو اس گاؤں میں جہاں ڈاکوؤں کا اڈا ہے ایسی جگہ چھپا دوں گا کہ ڈاکو آپ کو دیکھ نہ سکیں۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''منشی بھی نہیں ہیں اور ہمارا پرانا نوکر بھی ایک کام سے ارجن پور گیا ہوا ہے۔'' وہ بولی۔ ''اس کے آنے کے بعد میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''نہیں...... اس بات کی ہوا کسی کو بھی نہ لگے......'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''آپ کے پتا جی نے بھی یہی کہا ہے اور ڈاکوؤں نے بھی...... شام سے کچھ دیر پہلے ایک لانچ سندری، سندر پور جاتی ہے۔ ہم دونوں اس سے سندر پور روانہ ہو جائیں گے۔ جتنا جلد پہنچیں گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔''

''اگر کسی نے راستے میں اور گھاٹ پر یہ پوچھا کہ تم اکیلی کہاں اور کس لیے جا رہی ہو۔ یہ کون صاحب ہیں میں انہیں کیا بتاؤں؟'' وہ بولی۔

''ان سے کہہ دینا کہ یہ میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔ میری ماتا اور پتا جی وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ نانی نے انہیں بھیج کر بلایا ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

میں اس سے کہہ کر چلا آیا۔ میں جب حویلی سے نکل رہا تھا تب اس کی نوکرانی نے مجھے اشارے سے حویلی کے عقب میں لے جا کر کہا۔

''میں نے آپ کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ آپ مجھے بھی ساتھ لے لیں۔ میں حویلی میں رہنا نہیں چاہتی ہوں۔ آپ کی سیوا کروں گی۔''

''میں تمہیں یہاں سے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا ہوں کیوں کہ تمہارے سرکار بہت ناراض ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''چھوٹی مالکن بھی پسند نہیں کریں گی۔''

''پھر تو آپ میری اتنی مدد کریں کہ میں ایک نئی ساڑھی خرید سکوں کیوں کہ کچھ دنوں بعد میری بہن کی شادی ہونے والی ہے۔'' وہ بولی۔

''میں یہاں سے جانے سے پہلے تمہیں ایک چٹھی دوں گا۔ جب بڑے سرکار اور بڑی مالکن آئیں گی تو تم یہ چٹھی بڑے سرکار کو دے دینا۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''میں جب تمہیں چٹھی دینے آؤں گا تمہارے لیے بازار سے ایک نئی ساڑھی خرید کر لے آؤں گا۔ تم مجھے یہیں ملنا۔''

وہ میری بات سن کر خوش ہوگئی۔ پھر میں نے سرائے جاتے ہوئے ایک نئی ساڑھی خریدی۔ سرائے پہنچ کر میں نے ایک چٹھی بمل داس کے نام لکھی۔

ظالم، سنگ دل اور درندہ صفت بمل داس!

تم میرا خط اور یہ القاب پڑھ کر چونکو گے اور سخت ناراض ہو گے۔ حیران ہو گے میں مکرجی ہوں۔ میں مکرجی خاندان کا اور تمہارے بچپن کے دوست مکرجی کا بیٹا مکرجی...... میرے باپ کا نام مکرجی مشہور ہوا تھا۔ میں پندرہ برس کے بعد اپنی ماں کی بے حرمتی اور اس کے قتل کا بدلہ لینے آیا ہوں۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ میں اس دن اور ان واقعات کو نہیں بھولا ہوں۔ تم میری ماں کی عزت کے دشمن بن گئے تھے اور اس موقع کی تلاش میں تھے کہ میری ماں کی عزت سے کھیل سکو اور تعلقات قائم کر لو۔ میں نے تمہاری کھوپڑی کو پتھر سے نشانہ بنایا۔ تم بے ہوش ہو گئے۔ ماں کی عزت بچ گئی۔ تم نے میری

ماں کو پھانسنے کیلئے نیا جال بچھایا۔ اس سے اپنی من مانی کی معافی مانگی اور بہن بنالیا تا کہ اسے اعتماد میں لے کر بے وقوف بنا سکو۔ میری معصوم ماں تمہارے فریب میں آ گئی۔ تم نے میرے پتاجی کو غنڈوں سے قتل کروایا اور میری ماں کو دنیا والوں کے سامنے بہن کہہ کر اپنے گھر لے آئے۔ اس رات بھی میری ماں عزت بچانے میں کامیاب ہو گئی اور ہم دونوں وہاں سے فرار ہو کر اپنے پتاجی کے دوست کے گاؤں آ گئے۔ میری ماں کی شادی کے روز تم نے اسے اپنے پتی کے ساتھ سہاگ رات منانے نہیں دی۔ تم نے مجھے اور میرے سوتیلے پتا جی کو غنڈوں کی مدد سے باندھ کر میری ماں کی متعدد بار آبروریزی کی پھر مجھے اور ماں کو ندی کنارے لے گئے۔ تم نے اپنے آدمیوں سے کہہ کر میری ماں کی عزت ملیامیٹ کی میں نے اور میری ماں نے تمہارے دو آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ وہ موت سے بچ نہ سکی لیکن میں بچ گیا۔ قدرت نے شاید اس لیے بچالیا تھا کہ میں تم سے انتقام لے سکوں۔ آج میں تم سے انتقام لینے کے قابل ہو چکا ہوں۔

پہلے تو میں نے یہ سوچا کہ حویلی میں گھس کر یا تمہاری گھات میں بیٹھ کر تمہیں قتل کر دوں۔ میں اس نیت سے حویلی میں داخل ہوا۔ اتفاق سے تمہاری بیٹی کے کمرے میں داخل ہوا۔ پہلے تو میرے دل میں آیا کہ اس کی عزت سے کھیل کر اسے وحشیانہ طور پر قتل کر دوں۔ تمہیں اپنی حسین بیٹی کے قتل کا صدمہ اور اس سے جو اذیت اور تکلیف ہو گی اس سے تڑپتے رہو پھر تمہیں قتل کر دوں۔ لیکن میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ ایک منصوبہ بنایا۔ میں اسے فریب دے کر اغوا کر کے ایک دور دراز اور غیر معروف گاؤں میں لے جا رہا ہوں۔ سفر کے دوران اور اس گاؤں میں پہنچنے کے بعد اس کی عزت سے اس وقت تک اور اتنے عرصے تک کھیلتا رہوں گا کہ جب تک جی نہیں بھر جاتا۔ پھر اسے دس درندہ صفت بدمعاشوں کے حوالے کر دوں گا۔ پھر اسے قتل کر کے اس کی برہنہ لاش گاؤں میں پھینک جاؤں گا۔ پھر اس کے بعد تمہیں بڑی سفاکی سے قتل کروں گا۔ اس طرح میری ماں کی پتاجی کی آتما کو شانتی ملے گی۔ تم ایک بدروح کی طرح اس دنیا میں خوار ہوتے پھرو گے۔ تمہیں مر کر بھی چین نہیں ملے گا۔

نکرجی۔

میں نے اس خط کو لفافے میں اچھی طرح سے بند کیا۔ جب میں حویلی کے عقب میں پہنچا تو وہ میرا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ نئی ساڑھی دیکھ کر اتنی خوش ہوئی کہ میرے گلے میں جھول گئی۔ وہ اس خوشی میں بہت دور جانا چاہتی تھی جبکہ میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔ اس نے بتایا کہ چھوٹی مالکن ابھی ابھی گھاٹ کی طرف نکلی ہے۔ میں نے اسے چٹھی اور پانچ ٹاکا کا نوٹ دے کر کہا کہ وہ اس امانت کو پہنچا دے۔

☆......☆......☆

گھاٹ پر چندا میری راہ تک رہی تھی۔ اس نے ترپال کے دستی بیگ میں اپنے ایک جوڑے میں رقم اور زیورات لپیٹ کر رکھ لیے تھے۔ لانچ آنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اتفاق سے اس لانچ سے جانے والے مسافر اس کے گاؤں کے نہ تھے۔ البتہ اس لانچ سے کچھ مسافر اترے تھے۔ ہمیں ایک کیبن مل گیا۔ میرے پاس بھی معقول رقم تھی۔ اس شکار کو اپنے جال میں پھنسا کر مجھے بہت خوشی ہوئی جبکہ مجھے توقع نہ تھی۔

جب لانچ روانہ ہوئی تو میں نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ وہ مجھے ترش نظروں سے دیکھنے لگی اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ میں تنہائی سے فائدہ اٹھاؤں گا مگر میں عجلت بازی سے کام لینا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ وہ میرے ہاتھ سے اب بچ کر جا بھی نہیں سکتی تھی۔ میں نے جب اس سے کہا کہ تم کتنی رقم اور زیورات لائی ہو دکھاؤ تو اس کی جان میں جان آئی۔ پھر اس نے بستر پر رقم اور زیورات نکال کر رکھ دیئے۔ یہ بہت ساری رقم تھی جو چھوٹے اور بڑے نوٹوں کی شکل میں تھے اور زیورات بھی سیروں کے تھے۔ بمل داس نے میرے پتا جی کی جائیداد اور زمینوں کو جعلی کاغذات کی مدد سے جو ہڑپ کرلیا تھا وہ آج مع سود کے وصول ہو گیا تھا۔

رات ہوئی اس کیبن میں صرف ایک بستر اور ایک کرسی تھی۔ چندا نے مجھ سے کہا کہ میں بستر پر لیٹ جاؤں۔ وہ کرسی پر سو جائے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ میرے دشمن کی بیٹی تھی لیکن ناز و نعم میں پلی ہوئی۔ میں نے اصرار کر کے اسے بستر پر سو جانے کیلئے کہا۔ قدرے تذبذب کے بعد وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ چوں کہ اسے مجھ پر اعتماد ہو گیا اس لیے وہ جلد ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔ اس چار گھنٹے کے سفر میں ہم دونوں کیبن میں بند تھے۔ میں نے ایسی کوئی بات یا حرکت نہیں کی اور نہ اسے میلی نظروں سے دیکھا جس سے وہ خائف اور

پریشان ہو جاتی' بدک جاتی۔

اس کا سونا مجھ پر قیامت ڈھا گیا۔ نیند کے عالم میں اس کی ساڑھی کا پہلو پھسل کر فرش پر بکھر گیا۔ اس کا گدرایا ہوا پرشباب بدن اس لباس میں شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہیجان پیدا کر رہا تھا۔ سراپا اس کے سرخ گداز ہونٹ اور قیامت خیز جوانی میرے جذبات کو تند کر رہی تھی۔ مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔ میں جیسے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اندر ہی اندر جل رہا تھا۔ میرے دل میں جانے کتنی بار یہ خیال آیا کہ میں اسے دبوچ لوں۔ ایک موذی سانپ کی طرح ڈس لوں۔ مجھ پر ایک دہلی کیفیت سی طاری تھی۔ میری پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے ایک ایسے امتحان میں ڈال دیا تھا کہ میں اس سے باہر نکل بھی نہیں سکتا تھا۔

میں کیبن کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور عرشہ کی ریلنگ کے پاس جو بنچ پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ لانچ اپنی مخصوص رفتار سے سفر طے کر رہی تھی۔ تمام مسافر سو رہے تھے۔ فرحت بخش ہوا چل رہی تھی جس سے میں نے اپنے سارے بدن میں فرحت اور تازگی سی محسوس کی۔ پھر میں بنچ پر لیٹ گیا۔ سوچنے لگا کہ...... آخر کلی کو پھول بنانے اور بھونرا بننے میں حرج ہی کیا ہے۔ وہ میرے رحم و کرم پر ہے۔ وہ کسی بات سے انکار کرے گی اور نہ شور مچائے گی۔ میری جھولی میں آ گرے گی۔ پراگندہ احساسات مجھے اکسانے اور اسے ڈسنے پر مجبور کرنے لگے پھر نیند نے مجھے دبوچ لیا۔

جس وقت میں بیدار ہوا اس وقت صبح ہو رہی تھی لیکن ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی اور میرا شانہ ہلا رہی تھی۔ اس کے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو میری نتھنوں میں مہک رہی تھی اور اس کی گرم گرم سانسوں سے چہرہ جھلس رہا تھا۔ جب میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو وہ فوراً ہی سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی اور اس نے ساڑھی کا پلو جو پھسل گیا تھا اسے اٹھا کر سینے اور شانے پر پھیلا لیا۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولی۔ ”آپ اندر چل کر بستر پر سو جائیں...... میری خاطر آپ کو کتنی تکلیف اٹھانا پڑ رہی ہے...... آپ نے آدھی رات کو جگا دیا ہوتا تو میں کرسی پر سو جاتی۔“ اس کے چہرے پر ندامت سی چھائی۔

لانچ جب سندر پور پہنچی تو اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا۔ میں سندر پور کاروبار کے سلسلے میں دو ایک مرتبہ آ چکا تھا۔ میں نے اسے سرائے میں ٹھہرایا اور اس کے مالک کو بتایا کہ چندا میری پتنی ہے۔ میں نے چندا سے کہا کہ میں ڈاکوؤں کے سردار سے مل کر آتا ہوں۔ وہ میرا انتظار کرے۔ اسے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سرائے سے باہر قدم نہ نکالے۔ وہ نہ صرف اپنی بلکہ زیورات اور رقم کی بھی حفاظت کرے۔

سندر پور میں ہندو اور مسلمان بھی رہتے تھے۔ مندر اور مسجد بھی تھی۔ چوں کہ سندر پور ایک طرح سے کاروباری مرکز بھی تھا اور کاروباریوں کی آمدورفت بڑے شہروں سے ہوتی رہتی تھی اس لیے یہاں مکان کرائے پر بھی مل جاتے تھے۔ میں ڈاکوؤں کے سردار سے ملنے کے بہانے مکان کی تلاش میں نکلا تھا۔ میں مکان کرائے پر لے کر یا خرید کر اس میں چندا کو رکھ کر اس سے جی بھرنے تک کھیلنا چاہتا تھا۔ چندا اپنے ساتھ جو رقم لائی تھی وہ اتنی تھی کہ اس سے تین چار مکان خریدنے پر بھی کافی رقم بچ سکتی تھی۔ مجھے ایک مکان کرائے پر مل گیا۔

جب میں سرائے پہنچا تو اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اسے دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ کمرے میں چندا نہیں تھی لیکن بیگ موجود تھا۔ اس میں رقم اور زیورات بھی تھے۔ میں نے جب بیگ میں اس کی ساڑھی نہیں دیکھی تو یہ سمجھا کہ شاید وہ نہانے کیلئے تالاب پر گئی ہوگی۔ اس سرائے کے عقب میں دو تالاب تھے اور ان میں سے ایک صرف عورتوں کیلئے مخصوص تھا جبکہ دوسرا مردوں کیلئے...... میں نے چندا کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ کمرے اور سرائے سے قدم باہر نہ نکالے۔ اس نے میری بات پر عمل نہیں کیا۔ بے وقوف رقم اور زیورات سے بھرا بیگ رکھ کر نہانے کیلئے چلی گئی تھی۔

میں چندا کے انتظار میں کمرے میں بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ جب بہت دیر ہوگئی اور وہ پلٹ کر نہیں آئی تو مجھے تشویش سی ہونے لگی۔ میں کمرے کو بند کر کے اس پر سرائے کے مالک سے تالا لے کر لگایا اور چندا کو دیکھنے اس تالاب پر گیا جو عورتوں کیلئے مخصوص تھا۔ وہاں صرف دو عورتیں موجود تھیں جو نہا کر کپڑے بدل رہی تھیں۔ وہاں چندا کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔

جب وہ عورتیں تالاب سے باہر آئیں تو میں نے چندا کا حلیہ بتا کر ان سے دریافت کیا۔ ''کیا تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے......؟''

''ہاں دیکھا ہے۔'' ایک عورت نے سر ہلایا۔ ''وہ بہت سندر تھی۔ وہ اشنان کرنے کے بعد پوجا کرنے مندر گئی ہے۔''

''وہ خود سے مندر نہیں گئی ہے بلکہ اسے کالی دیوی بلا کر لے گئی ہے۔'' دوسری عورت نے کہا۔ ''میں نے اسے اشارے سے منع کیا تھا کہ وہ کالی دیوی کے ساتھ نہ جائے...... لیکن وہ میرا اشارہ شاید نہیں سمجھی۔ اس کے ساتھ چلی گئی۔ وہ لڑکی بہت سیدھی سادی اور بھولی بھالی سی ہے۔''

''یہ کالی دیوی کون ہے......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا وہ اچھی عورت نہیں ہے جو تم نے اس لڑکی کو جانے سے منع کیا......؟''

''یہ کالی دیوی ایک جادوگرنی ہے۔'' دوسری عورت نے جواب دیا۔ ''اسے حسین بننے کی بہت آرزو ہے۔ اس کے مہاگرو نے اس سے کہا ہے کہ اگر وہ حسین بننا چاہتی ہے تو تین کنواری لڑکیوں کا خون پینے سے وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی بن جائے گی۔ وہ اب تک جانے کتنی لڑکیوں کا خون پی چکی ہے۔ وہ کسی جوان، حسین اور کنواری لڑکی کو دیکھتی ہے تو اسے جادو کے زور پر لے جاتی ہے۔''

''یہاں تو تین چار مندر ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ جادوگرنی اسے کس مندر میں لے گئی ہے کیا تم بتا سکتی ہو۔'' میں گھبرا سا گیا تھا۔

''اس مندر میں......'' پہلی عورت نے مخالف سمت اشارہ کیا۔ درختوں کے پیچھے مندر دکھائی دے رہا تھا۔ ''تم فوراً ہی مندر پہنچو...... اس جادوگرنی نے اپنا عمل شروع نہیں کیا ہوگا...... وہ اپنا عمل شروع کرنے سے پہلے اس سے اظہار محبت کر کے اسے مسحور کر دیتی ہے۔ پھر وہ اس کے جذبات کو بھڑکا کر جذبات کے سیلاب میں بہہ کر دور چلی جاتی ہے۔ اس کی شکار مردوں کے پاس نہیں جاتی ہے۔ اسے مردوں سے سخت نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ صرف عورتوں سے محبت کرنے لگتی ہے۔ جوان لڑکیاں اس کی کمزوری بن جاتی ہیں۔ یہ کالی دیوی عورت پرست ہے۔ اس نے بہت ساری لڑکیوں اور عورتوں کو بدظن کر کے رکھ دیا ہے۔ اس جادو کا توڑ تو بہت مشکل ہے بھگوان کرے وہ لڑکی اس کے زیر اثر نہ جائے۔''

جب میں اس سمت جانے لگا تو دوسری عورت نے تیزی سے کہا۔ ''اس جادوگرنی کے جادو کا توڑ تو سنتے جاؤ۔ تم اس کا توڑ کر سکتے ہو۔''

"اس جادو کا توڑ کیا ہے......؟" میں نے بے تابی اور تجسس سے پوچھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی بات سن کر خوف زدہ ہو رہا تھا۔

"وہ لڑکی لیٹی ہوئی ہو اور اس پر ایک نشہ سا طاری ہو رہا ہو اور جادوگرنی اس پر کوئی عمل کر رہی ہو اور اس نے لڑکی کا خون نہ پیا ہوا ہو تو تم اس کالی دیوی کو دبوچ لینا۔ اس کی گردن میں دانت گاڑ کر اس کا تھوڑا سا خون پی جانا۔ وہ خون اس لڑکی کے جسم پر مل دینا۔"

بڑی عجیب سی بات تھی۔ سمجھ میں نہ آنے والی تھی لیکن میں اس مندر کی جانب تیزی سے لپک گیا۔ تاکہ چندا کو اس کالی دیوی کے جادو کے اثر سے نکال سکوں یہ مذاق والی بات نہ تھی اور ان دونوں عورتوں کو جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بنگال تو جادوگروں اور جادوگرنیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہر قسم اور ہر طرح کا جادو' جادوگر اور جادوگرنی موجود ہے کچھ بھی ہو سکتا تھا اور ہر بات ممکن تھی۔

"تم واقعی بہت حسین ہو میری چندا...... میں بیس برسوں سے بہت ہی حسین لڑکی کی تلاش میں تھی۔ مجھے تمہارے جیسے جسم' حسن' نشیب و فراز اور شباب کی تلاش تھی ...... آج میں یہ سب کچھ پالوں گی......تمہارا رنگ روپ مجھے مل جائے گا۔"

میں اس کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کمرے میں ایک کونے میں بڑی سی مسہری لگی ہوئی تھی۔ بستر میں دو عورتیں تھیں۔ ان میں ایک چندا تھی۔ دوسری وہ کالی دیوی تھی جو چندا کو اپنے جال میں پھانس کر لائی تھی۔ چندا اس کی آغوش میں تھی۔ اس کے کپڑے فرش پر بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ کالی دیوی اس کے چہرے پر بے تحاشا اپنے لب ثبت کر رہی تھی۔ چندا پر ایک نشے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے اپنے آپ کو جیسے پوری طرح کالی دیوی کے حوالے کر دیا۔ اپنا تن من جیسے سونپ دیا تھا۔ اسے کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

کالی دیوی چالیس برس کی ایک بھرپور اور پرکشش عورت تھی۔ وہ بے حد کالی رنگت کی تھی۔ جب وہ چندا کی گردن میں اپنے دانت گاڑنے والی تھی میں نے بستر کے پاس جا کر اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا پھر اسے اپنی آغوش میں لے کر اسے سنبھلنے اور سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ میں نے اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے۔ دانتوں سے اس کی جلد کو کاٹا پھر میرے ہونٹوں نے خون کا ذائقہ محسوس کیا۔ میں نے اس کے خون

ے منہ بھر لیا۔ اس نے بڑی مزاحمت اور جدوجہد کی میری آغوش سے نکلنے کی۔ وہ بے بلا لیا۔ وؤں کا حلقہ توڑ نہ سکی تھی۔ میں نے اس کا خون پینے کے بعد اس جادوگرنی کو بڑے زکے پیار ے دھکا دیا۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی۔ فرش پر گر پڑی۔ میں نے انگلی سے خون چندا کے ب م پر مل دیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ جادوگرنی وہاں موجود نہ تھی۔ وہ اپنے کپڑے لے کر رے سے نکل گئی تھی۔ چند لمحوں میں چندا کو ہوش آ گیا لیکن اسے اس بات کا ہوش خیال نہ تھا کہ وہ بے لباس ہے۔ اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ مجھ پر نگاہ تے ہی چونکی۔ "یہ جگہ کون سی ہے؟ میں یہاں کیسے آئی......؟"

"تمہیں یہاں کالی دیوی تالاب سے بہلا پھسلا کر لائی تھی تاکہ تمہارا خون پی جائے۔" یہ مندر ہے اور تم اس کے کمرے میں ہو۔"

چندا کو جیسے ہی اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بے لباس ہے وہ شرما کر گٹھڑی بن گئی اور اس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔ میں نے فرش سے کپڑے اٹھا کر دیئے اور باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر آئی تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس احساس سے کہ میں نے اسے بے لباس دیکھ لیا۔ اس کی نگاہیں جھکی جھکی سی تھیں۔ میں اسے سرائے لے کر آیا۔ پھر وہاں سے اسے گھر لے کر پہنچا۔ اس گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

"کیا آپ ڈاکوؤں کے سردار سے مل آئے......؟" چندا نے پوچھا۔ "وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ کب میرے ماتا اور پتا جی کو رہا کرے گا؟"

"چندا......" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔ میں تمہیں فریب دے کر جھوٹ بول کر لایا ہوں۔"

"کیا......؟" چندا حیرت سے اچھل پڑی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں پھیل گئیں۔ "آپ مجھے کس لیے لائے ہیں......؟"

"اس لیے میں تمہاری عزت سے ایک کھلونے کی طرح اس وقت تک کھیلتا رہوں جب تک میرا جی نہیں بھر جاتا۔" میں نے سفاک لہجے میں جواب دیا۔ اس کے بعد تمہیں درندوں کے حوالے کر دوں۔ جب وہ اپنی پیاس بجھا لیں تو تمہیں قتل کر کے تمہارے گاؤں میں تمہاری لاش پھینک دوں۔"

"وہ کس لیے......؟" چندا کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو
ی دل، ۔ ایسا لگ رہا تھا وہ غشی کھا جائے گی۔
"اس لیے کہ تمہارے باپ نے میری ماں کی عزت برباد کر دی' میرے باپ ک
قتل کر دیا۔ میرا بھی دشمن بن گیا تھا۔" میں نے اسے بتایا۔
"میرے باپ کے گناہوں کی سزا آپ مجھے کیوں اور کس لیے دینا چاہتے
ہیں......؟" اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"اس لیے کہ اسے اذیت' دکھ اور تکلیف پہنچاؤں۔" میں نے سرد سفاک لہجے میں
جواب دیا۔ "پھر ایک روز موقع پا کر اسے بھی ختم کر دوں......؟"
"میری موت سے اسے کوئی صدمہ نہیں ہو گا۔" چندا بولی۔ "البتہ میری ماں شا
ہی یہ صدمہ برداشت کر سکے...... میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ مجھے اپنے باپ سے کس قد
نفرت ہے۔ وہ ایک ظالم اور شقی القلب اور دولت کا بھوکا ہے۔ میں آپ کے ساتھ پریشا
ہو کر رقم اور زیورات لے کر صرف ماں کو بچانے کی غرض سے آئی۔ میری ماں بھی اس س
سخت نفرت کرتی ہے وہ بھی ہمیں پسند نہیں کرتا ہے۔"
"وہ تمہیں اور تمہاری ماں کو کس لیے پسند نہیں کرتا ہے؟" میں نے اس
آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس کی جائز اولاد نہیں ہو......؟"
"اس لیے کہ میں اور میری ماں نے اسے ہمیشہ ظلم و ستم اور عیاشی سے باز رکھنے
کی کوشش کی۔" چندا نے جواب دیا۔ "آپ کے پتا جی کون تھے......؟"
"میرے پتا جی کا نام سبھاش مکر جی اور میری ماں کا نام مدھومتی......" میں
نے بتایا۔ "کیا تم نے ہمارے بارے میں کبھی سنا......؟ ویسے میں نے تمہیں کبھی گاؤں میں نہ
دیکھا...... تمہاری ماں کو دیکھتا رہا ہوں...... تم شاید اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔"
"آپ کے پتا جی میرے پتا جی کے بچپن کے دوست تھے۔" وہ کہنے لگی۔ "
نے مجھے بتایا کہ میرے پتا جی آپ کی ماتا جی کے عشق میں گرفتار ہو گئے تھے۔ سار
واقعات ان کے علم میں ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا پتا جی نے انہیں دھمکی دی ہوئی تھ
کسی کو ان واقعات کے بارے میں بتایا تو قتل کر دیں گے۔ جب میں پیدا ہوئی میرے
بہت ناگوار لگا تھا۔ ان کی خواہش اولاد نرینہ کی تھی۔ اس لیے ماتا جی نے مجھے پرورش

نانی کے ہاں بھیج دیا۔ جب میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو میری ماں نے مجھے بلا لیا۔
میرے پتا جی نے مجھے محبت نہیں دی۔ میں کتنی بدنصیب ہوں کہ میں اپنے سگے باپ کے پیار
سے محروم ہوں۔ وہ مجھے اپنی اولاد نہیں ناجائز ہی سمجھتے ہیں جبکہ یہ بات نہیں ہے۔ اگر آپ
مجھ سے اب بھی اپنی ماں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔ آپ میرے ساتھ درندگی
کریں۔ مجھے قتل کر دیں میں اف نہیں کروں گی۔"
"چندا!......" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "مجھے معاف کر دو۔ مجھے اندازہ نہ تھا
کہ تم اس قدر عظیم اور بلند لڑکی ہو اور بدنصیب بھی......"
"بھگوان نے مجھے جیسی سندرتا دی ویسا نصیب نہیں دیا۔" چندا ایک سرد آہ بھر کر
بولی۔ "جانے اس نے میرے ساتھ اتنی بڑی ناانصافی کیوں کی......؟"
"میں تمہیں کل تمہارے گاؤں پہنچا دوں گا۔" میں نے کہا۔ "میں اب تمہاری
طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ تم چلنے کیلئے تیار ہو نا......؟"
"نہیں...... اب میں واپس نہیں جاؤں گی۔" چندا ہذیانی لہجے میں بولی۔ اس کی
آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔
"وہ کس لیے......؟" میں نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ "تم اس قدر خوف
زدہ کیوں ہو رہی ہو......؟ کیا بات ہے......؟"
"اس لیے کہ میرا باپ ناگر پور کے ایک بوڑھے زمیندار سے میرا سودا کر کے
شادی کر دینا چاہتا ہے۔" چندا سراسیمگی سے بولی۔ "وہ میرے باپ کی عمر کا ہے۔ جب اس
نے مجھے پہلی بار رنگا مائی کے میلے میں دیکھا تو تب سے مر مٹا ہے۔ اس نے میرا رشتہ مانگا تو
ماں نے انکار کر دیا لیکن پتا جی تیار ہو گئے۔"
"اب تم کیا کرو گی......؟ کہاں جاؤ گی......؟" میں نے اس کے چہرے پر
نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔ "کہو تو تمہیں تمہاری نانی کے ہاں بھی چھوڑ سکتا ہوں۔"
"میں......؟" اس نے چند لمحوں تک سوچا۔ "اگر آپ چاہیں اور پسند کریں تو مجھے
اپنا لیں۔ میں ساری زندگی آپ کی داسی بن کر سیوا کرتی رہوں گی۔ میں نانی کے ہاں جاؤں
تو میرا باپ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہاں آ کر مجھے اور میری نانی کو بھی ختم کر دے گا۔"
"کیا کہا......؟" میں نے حیرت اور خوشی سے کہا۔ "مجھے اپنی سماعت پر فتور کا

احساس ہوا۔ ''تم مجھ سے بیاہ کرو گی......؟ میری جیون ساتھی بنو گی......؟ چندا! ...... کیا میں
اس قابل ہوں کہ تمہارا پتی بن سکوں......؟ چندا! اچھی طرح سے سوچ لو۔ میں مجبوریوں سے
فائدہ اٹھانے والوں میں سے نہیں ہوں...... تم مجھ سے شادی نہ بھی کرو پھر بھی میں تمہاری رقم
اور زیورات اور تم جہاں کہو میں تمہیں پہنچا دوں......''

''مجھے آپ سے اچھا جیون ساتھی سارے جیون میں نہیں مل سکتا ہے۔'' وہ جذباتی
لہجے میں بولی۔ ''آپ بہت ہی اچھے اور نیک شخص ہیں......''

''لیکن تمہیں اس بات کا اندازہ کیسے اور کیوں کر ہوا......؟'' میں نے خوش دلی
سے کہا۔ ''کیا یہ میری پیشانی پر لکھا ہوا ہے......؟''

''سفر کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کتنے اچھے انسان ہیں۔'' چندا کہنے لگی۔
''آپ نے کیبن میں تنہائی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ میری جوانی' حسن اور جسم ایسا ہے کہ ایک
جوان مرد اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اگر آپ میری عزت کے دشمن بن جاتے تو
میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں۔ اپنا سب
کچھ سونپ دوں۔ میری گہری نیند سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کیبن سے باہر جا کر بنچ پر سو
گئے۔''

''اب ہم یہاں سے کہیں جا نہیں سکتے۔'' اس نے کہا۔ ''کیا تم میرے ساتھ
یہاں زندگی گزارنے کیلئے تیار ہو؟ لیکن اچھی طرح سوچ لو۔ یہاں کی ایک عام زندگی اور
معمولی سے گھر میں میں اپنے بازوؤں سے جو کما کر لاؤں گا اس میں تمہیں زندگی گزارنا ہو
گی۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہو وہ جذباتی نہ ہو۔''

''آپ مجھے جس حال میں رکھیں گے میں اس میں خوش رہوں گی۔'' چندا بولی۔
''میرے پاس جو رقم اور زیورات ہیں اب آپ اس کے مالک ہیں۔''

''نہیں...... مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میرے لیے اصل
دولت تم اور تمہاری محبت ہو گی۔ میں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ مجھے
دولت سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ جتنی اچھی ہے' اتنی بری بھی ہے۔ اسے تم اپنے پاس ہی
رکھو۔''

''جب آپ کو اپنا سب کچھ سونپ دوں گی تو کیا یہ دولت نہیں سونپ سکتی۔ میں

اور میری ہر چیز اب آپ ہی کی ہے۔'' چندا بولی۔

''ہم یہاں اب میاں بیوی کی طرح رہنا شروع کر دیں گے۔'' میں نے موضوع
بدلا۔ ''جو بھی پوچھے کہہ دینا کہ ہم میاں بیوی ہیں۔''

''بغیر بیاہ کے میاں بیوی کی طرح زندگی گزارنا اچھی بات نہیں ہے۔'' وہ کہنے
لگی۔ ''ہم دنیا والوں سے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں
لیکن بھگوان کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ بغیر بیاہ کے میں اپنا جسم' اپنی آتما اور زندگی نجس محسوس
کرتی رہوں گی۔ ہماری جو اولاد ہو گی وہ ناجائز کہلائے گی۔ ہمارے بیاہ میں کیا رکاوٹ
ہے؟ کیا ہمارا بیاہ آسانی سے نہیں ہو سکتا......؟''

چندا نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی سی عمر میں اتنی
سمجھ بوجھ رکھتی ہے۔ اس قدر ذہین بھی ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ بغیر بیاہ کے میاں بیوی
کی طرح زندگی گزارنا اپنے وجود اور آتما کو میلا کرنا تھا۔ ساری زندگی کیلئے غلاظت کی دلدل
میں گرنے والی بات تھی۔

میں نے یہ مکان جو کرائے پر لیا تھا اس کے مالک ایک مسلمان بزرگ تھے۔ میں
سندر پور کے بارے میں بتا دوں کہ یہ گاؤں بہت بڑا تھا۔ ایک طرح سے غیر معروف تھا
لیکن یہ گاؤں بہت ہی پراسرار تھا۔ ایک طرح سے جادونگری تھا۔ بنگال میں مصر کے بعد دنیا
میں سب سے زیادہ جادوگر بستے تھے۔ اس گاؤں کے قریب ایک جنگل تھا۔ اس جنگل میں نہ
صرف جادوگروں بلکہ بد روحوں اور چڑیلوں کا بھی بسیرا تھا۔ میرے مالک مکان کا نام
بشارت اللہ تھا۔ ہندو اور مسلمان انہیں پیر صاحب کہتے اور مانتے تھے۔ پیر صاحب کے
بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ ان کی کرامات بہت مشہور
تھیں۔ وہ جو چاہتے اس لیے کر سکتے تھے کہ ان کے قبضے میں ایسے موکل تھے جن سے وہ ہر
کام لے سکتے تھے۔ ان کا روحوں سے رابطہ رہتا تھا۔ یہ بات بھی تھی کہ بزرگوں کی روحیں ان
کے پاس آتی تھیں۔ گاؤں کا ہر شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ان کی بڑی عزت اور احترام
کرتا تھا۔ اگر وہ کہیں راستے میں نظر آ جاتے تو لوگ انہیں ادب سے سلام کر کے ایک طرف
ہٹ جاتے تھے۔ ان کے چہرے سے دل موہ لینے والی شفقت چھائی رہتی تھی۔ اس کے
علاوہ وہ بہت ہی خلیق اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ ان میں انکساری بہت تھی۔ وہ کہتے

تھے کہ میں ایک گنہگار اور حقیر بندہ ہوں۔ ایک خادم ہوں۔ ایک مزدور ہوں۔ ان کے دو مکان اور تھے جو انہوں نے کرائے پر اٹھا رکھے تھے۔ واجبی سا کرایہ لیتے تھے۔ کرایہ دار کسی وجہ سے کرایہ نہ دے سکتے تو اس سے تقاضا نہیں کرتے تھے بلکہ الٹا اس کی مالی مدد کرتے تھے۔ انہوں نے ذریعہ معاش سلائی کے کام کو بنا رکھا تھا۔ وہ درزی تھے اور تھان کپڑا' لنگیاں اور ساڑھیاں بھی اپنی دکان پر فروخت کیا کرتے تھے۔

میری ان سے اس لیے بھی واقفیت تھی کہ جب میں دو ایک مرتبہ سندر پور آیا تو ان کے ہاتھ لنگیاں اور کپڑا فروخت کیا تھا۔ میں ان کے علاوہ اس گاؤں میں کسی اور کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ انہیں اعتماد میں لوں گا تاکہ وہ کسی پنڈت سے بات کر کے ہماری شادی کرا دیں۔

میں نے دوسرے دن صبح ہوتے ہی ان کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ انہوں نے کھولا۔ میں نے آداب کیا تو وہ مجھے اندر لے گئے۔

''کیسے آنا ہوا اکرجی بیٹے......؟'' پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں پوچھا۔ ''کیا کسی چیز کی ضرورت ہے؟''

''دراصل میں آپ کو ایک زحمت دینے کیلئے صبح صبح حاضر ہوا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے امید ہے کہ آپ میری مشکل حل کر دیں گے۔''

''میں جانتا ہوں تم کس لیے آئے ہو......؟'' انہوں نے کہا۔ ''تم جس لڑکی کو ساتھ لائے ہو تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تم شادی شدہ ہو۔ وہ لڑکی تمہاری چچی ہے۔ تم یہاں مستقل رہائش کیلئے ایک گھر چاہتے ہو۔ بیوی سرائے میں ٹھہری ہوئی ہے۔''

''آپ کو میرے جھوٹ کا اندازہ کیسے اور کیوں کر ہوا......؟'' میں نے حیرت اور ندامت سے دریافت کیا۔ ''میری پیشانی عرق آلود ہوگئی۔

''تمہارے پاس صرف ایک دستی بیگ دیکھ کر۔'' انہوں نے کہا۔ ''میں نے تم دونوں کو لانچ سے اتر کر سرائے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں سمجھ گیا لڑکی اور تم بھاگ کر اتنی دور آئے ہو۔ تم دونوں شادی شدہ ہوتے تو بہت سارا سامان ضرور ہوتا۔''

میں ان کے اندازے پر حیران ہوگیا۔ پھر میں نے انہیں اعتماد میں لے کر بے کم

و کاست اپنی بپتا سنادی۔ انہوں نے میری پوری رام کہانی سنی اور بولے روز صبح میں نے ناشتہ

''تم اپنی شادی کی فکر نہ کرو میں پنڈت صاحب سے کہہ کر تم دوہودا سلف خرید کر دوں گا۔ مجھے تم دونوں سے ہمدردی ہے اور تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے۔ اپنی تم چوں کہ کسی کو سنانے کی ضرورت نہیں۔ تم نے یہاں مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو سنبھل کر رہنا ہوگا۔ کیوں کہ چندا کا حسن بہت خطرناک' اس کی جوانی' شباب اور کشش قیامت کی ہے۔ گاؤں کے پاس جو جنگل ہے وہ بلاؤں' جادوگروں اور بدروحوں کا گڑھ ہے۔ اس گاؤں میں چندا جیسی حسین لڑکی کوئی نہیں ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ چندا کا حسن اس کیلئے پریشانی کا سبب بن جائے۔ وہ تالابوں اور ندی کنارے جا کر نہانے سے پرہیز اور احتراز کرے۔ بالفرض جائے بھی تو دوسری عورتوں کی طرح بے حجابی سے نہانے کی کوشش نہ کرے اور پھر رات کو اکیلی گھر سے باہر نہ نکلے۔ نہ ہی رات کے وقت صحن میں سوئے۔ اپنے بال ہر وقت کھلے نہ رکھے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''آپ کی ہدایت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمام باتیں چندا کے ذہن نشین کر دوں گا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''اور ہاں اس کالی دیوی جادوگرنی سے تم دونوں کو بچ کر رہنا ہوگا۔'' وہ کہنے لگے۔ ''وہ بہت روپ بدلتی رہتی ہے۔ خوبصورت مردوں اور حسین عورتوں کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ دراصل وہ ایک ناگن ہے۔ وہ دو سو برس تک ناگوں کی دنیا میں ناگن بنی رہی تھی۔ سو برس تک اس نے انسانوں اور حیوانوں کا خون پیا تو ناگ دیوتا کے مندر میں اسے دس انسانوں کے خون سے نہلایا گیا۔ پھر ناگوں کی دنیا کے دیوتا نے اسے ایسا جادو کر دیا کہ وہ کسی بھی جان دار کے روپ میں آ سکتی ہے۔ وہ ایک ہوس اور ہم جنس پرست عورت ہے۔ گو کہ حسین عورتیں اس کی کمزوری ہیں لیکن وہ مردوں کی بھی بھوکی ہے۔ وہ حسین سے حسین تر بننے کیلئے حسین لڑکیوں اور عورتوں کو فریب سے جال میں پھانستی ہے۔ ان سے من مانی اور انہیں خوش کرتے ہوئے ان کا خون پی جاتی ہے۔ لہٰذا تم دونوں بہت ہوشیار رہنا اور چوکنا رہنا۔ اس کے فریب میں نہیں آنا...... آخر تم مرد ہو عورت کے مقابلے میں مرد کا پیر جلد پھسل جاتا ہے۔ تم کسی وجہ سے بھی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو میرے پاس چلے آنا......''

طبیعت ٹھیک ہے؟ میں صبح اکیلا گھاٹ گیا تھا...... ابھی آیا ہوں۔''

''جس وقت میں پیاز لینے آئی تھی تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور آپ اور بھابی بستر میں......'' اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کا چہرہ انجانے خیال سے تمتما گیا۔ میں مارے شرم کے وہاں سے چلی آئی...... تھی...... تھی...... دروازہ تو بند کر لیا ہوتا...... پھر میں نے تھوڑی دیر بعد آپ دونوں کو تیزی سے جنگل کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ بھابی نے بھی دیکھا تھا۔ آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے تو آپ بھابی سے پوچھ لیں۔''

اس کی بھابی نے کہا۔ ''صبح میں اور چندا، بھابی اور گلی کی دو عورتیں نہانے کیلئے تالاب پر گئی تھیں۔ پھر واپس آ گئی تھیں۔ میں نے شیبا کو پیاز لینے بھیجا تو اس نے آ کر بتایا کہ آپ دونوں کمرے میں اس لیے وہ واپس آ گئی۔ پھر میں نے اور اس نے آپ دونوں کو جنگل کی طرف جاتے دیکھا۔''

شیبا کی بات کی تصدیق اس کی بھابی سے ہوتے ہی میں جنگل کی طرف دیوانہ وار بھاگا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ حرکت کالی دیوی کی ہو گی۔ لیکن وہ چندا کو جنگل کی طرف کیوں اور کس لیے لے گئی......؟ وہ چندا کا خون گھر پر بھی پی سکتی تھی۔ اس کالی دیوی نے میرا روپ دھار کر چندا کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ جب اس نے شیبا کو دیکھا تو وہ چندا کو لے کر جنگل کی طرف لے گئی تا کہ چندا کا خون پینے کے بعد اس کی لاش وہاں چھوڑ کر غائب ہو جائے لیکن کالی دیوی گھر میں دن میں کیسے گھس آئی؟ اس نے میرا روپ دھار لیا وہ عورت نہیں ناگن تھی۔

میں ٹھٹک کے رک گیا۔ پھر غیر محسوس انداز سے اس آواز کی سمت بڑھا۔ درختوں کے بیچ ایک کھلی جگہ تھی۔ میں نے کالی دیوی، چھ سات ناگنوں اور ایک شخص کو دیکھا۔ شاید یہ وہی خبیث بدروح تھی جس کے بارے میں پیر صاحب نے بتایا تھا۔ اس کا چہرہ مکروہ سا تھا۔ چندا ان کے درمیان سحر زدہ سی کھڑی تھی۔ اس پر جیسے جادو کر دیا گیا۔ اگر اس پر جادو نہ کیا گیا ہوتا تو وہ اس بدروح اور ناگنوں کو دیکھ کر خوف زدہ سی ہو جاتی۔ شاید بے ہوش ہو جاتی لیکن وہ ایک مہارانی کی طرح بڑے وقار اور تمکنت سے کھڑی ہوئی تھی۔

''ذرا صبر کرو۔'' بدروح نے کہا۔ اس طرح رقص دیکھنے میں کیا خاک لطف آئے گا۔ ایک تو یہ لباس اس رقص کیلئے موزوں نہیں ہے۔''

''لباس سے کیا لینا ہے۔'' کالی دیوی نے کہا۔ ''اس کا رقص دیکھنا ہے۔ ایسا رقص جنون میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ تم نے دیکھا ہو گا۔''

''یہ شعلہ جسم ہے۔'' بدروح نے کہا۔ پائل اور گھنگرو بھی نہیں ہیں۔ لباس، پائل اور گھنگرو اسے آتش فشاں بنا دے گی۔''

اس بدروح نے کوئی منتر پڑھ کر چندا پر پھونکا۔ سب سے پہلے چندا کا لباس بدل گیا۔ اس وقت اس کے بدن پر ایسا سیاہ لباس تھا جس میں سے اس کا گورا بدن شراب کی طرح چھلک پڑا۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اس کے بدن پر تنگ رہا تھا۔ پھر نادیدہ ہاتھوں نے اس کے پیروں میں پائل کی جوڑی پہنا دی۔ یہ چاندی کی بھاری پائل تھی۔ پھر فضا میں ہیجان خیز موسیقی لہرانے لگی۔

پھر چندا نے ناچنا شروع کیا۔ اس کا کومل بدن تھرکنے اور خم کھانے لگا۔ نہ صرف موسیقی ہیجان خیز تھی بلکہ اس کا رقص اور بدن بھی ہیجان خیز تھا۔ وہ مست ہو کر ناچنے لگی۔ پھر اس کے رقص میں آہستہ آہستہ جنون شامل ہوتا گیا۔ وہ جیسے رقص کے شباب کی آخری منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ اس کے اس ہوش ربا رقص میں صرف اس کی فن کاری، محنت، لگن اور ریاضت ہی کا کمال نہیں تھا بلکہ اس سحر کا شاید دخل تھا جو اس بدروح نے اس پر پھونکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس وقت جو فرحت بخش ہوا چل رہی ہے اس میں اس کا دخل ہے۔ وہ چندا کو بل کھا کھا کر ناچنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اس کے بجلی بھرے بدن کو گرمائش پہنچا رہی ہے تا کہ وہ تھک نہ جائے۔ اس کا رقص دو گھنٹوں تک جاری رہا۔ جب کہ وہ ایک گھنٹے سے زیادہ مسلسل ناچ نہیں سکتی تھی۔ پھر اس کے رقص اور جنون میں کمی آتی گئی۔ اس رقص کی شدت دم توڑنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ غش کھا کر زمین پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

''کالی دیوی!......'' اس بدروح نے اسے مخاطب کیا۔ ''کیا لاجواب رقص تھا...... ایسا رقص واقعی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''

''اب میرا خیال ہے کہ ہم سب کو مل کر اس کے جسم کے مختلف حصوں سے خون پی لینا چاہئے......'' اس خبیث بدروح نے کہا۔

''اس کے خون پر صرف میرا اور میری ان ناگن سہیلیوں کا حق ہے۔'' کالی دیوی

بولی۔ ''میں یہ بات تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔''

''لیکن مجھے اس کے جسم سے کیا ملے گا......؟'' خبیث روح نے کہا۔ ''مجھے انسانی گوشت نہیں انسانی خون مرغوب ہے۔''

''میں تمہارے لیے کوئی اور لڑکی کا بندوبست کر دوں گی۔'' کالی دیوی بولی۔ ''تم فکر کیوں کرتے ہو......؟ کیا میں نے اس سے پہلے تمہارا خیال نہیں کیا؟''

''لیکن ایسی حسین لڑکی کہاں نصیب ہو گی......؟'' اس نے کہا۔ ''اگر میں اس کا تھوڑا سا خون پی لوں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' کالی دیوی نے سر ہلایا۔ پھر اس کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

کالی دیوی نے ان ناگنوں کو اشارہ کیا۔ وہ بے ہوش پڑی ہوئی چندا کی طرف پھنکارتی ہوئی بڑھنے لگیں۔ پھر اس خبیث بدروح اور کالی دیوی نے بھی...... میری چندا لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس لمحے میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں......؟ میں چندا کی جان پانے کیلئے کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا کوئی جادو، منتر اور علم بھی نہیں آتا تھا کہ جس سے ان ب سے مقابلہ کروں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں بشارت اللہ صاحب کو خبر کر وں۔ وہ چند لمحوں میں موت کا نشانہ بننے والی تھی۔ میں ان سب سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس روح اور کالی دیوی کے اشارے پر ناگنیں مجھے ڈس لیتیں۔ میری بے بسی چندا کی موت کے تصور اور احساس نے میری رگوں میں لہو کو یخ بستہ کر دیا تھا۔ اس لمحے سر اس بری طرح چکرایا کہ میری آنکھوں کے سامنے اب گھپ اندھیرا چھا گیا کہ چند لمحوں تک کچھ سجھائی نہیں دیا۔ چند لمحوں کے بعد دھند چھٹی تو میں نے دیکھا کہ بدروح، کالی دیوی اور ناگنوں نے چندا کو حصار میں لے لیا ہے۔ ایک لحظہ کی دیر تھی وہ سب چندا پر لہو کے وحشی درندوں کی طرح ٹوٹ پڑنے والے تھے۔ میری چندا، میری روح اور میری زندگی اور محبت چند لمحوں کی مہمان تھی۔

اس لمحے ان کے قریب ایک زوردار بجلی کا کوندا ایک سمت سے آیا اور اس نے ان ب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انہیں دیکھنے اور سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ اس بجلی کے وندے نے انہیں جلا کر خاکستر کر دیا۔ دوسرے لمحے ان کا نام و نشان اور خاک بھی نہیں رہی تھی۔ میں نے یہ سب کچھ حیرت و استعجاب سے دیکھا۔ ایک لمحے کیلئے ایسا لگا کہ میں نے وئی سپنا دیکھا ہے لیکن یہ سپنا نہیں تھا۔ یہ حقیقت تھی۔ میں کتنی ہی دیر تک متحیر اور مبہوت سا ہو۔ ساکت و جامد سا ہو گیا تھا۔ خواب کی سی حالت میں کھڑا رہا۔

پھر میں لپک کر چندا کے پاس پہنچا جو بیہوش پڑی تھی۔ پھر مجھے اسے ہوش میں نے کی کوئی تدبیر نہیں کرنا پڑی۔ اس کے جسم میں حرکت ہوئی۔ پھر وہ رفتہ رفتہ ہوش میں

آنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد پوری طرح ہوش میں آ گئی۔ اس وقت میں نے ایک سمت سے بشارت اللہ صاحب کو آتے دیکھا۔ اب میں سمجھ گیا اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ کہ یہ بشارت اللہ صاحب کی مہربانی تھی۔ انہوں نے چندا کو نہ صرف موت سے بلکہ اس بدروح' کالی دیوی اور ناگنوں سے بچایا۔

جب وہ قریب آئے تو میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ ان کے چرن چھونے لگا تو انہوں نے فوراً ہی میرے کندھے تھام لئے۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو......؟ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہمارے مذہب میں انسانوں کو سجدہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

''ہاں ...... میں جانتا ہوں لیکن آپ نے چندا کو ان ظالموں کے ہاتھوں مرنے سے بچا کر جو کیا ہے میں اس کا احسان اور شکریہ کس طرح سے ادا کروں۔ اس لئے میں آپ کے...... آپ کے چرن چھونے کی کوشش کی۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں نے جو کچھ کیا وہ ایک انسانی ہمدردی اور بغیر کسی غرض کے کیا لہٰذا تم چندا کو لے کر گھر جاؤ۔'' وہ بولے۔

چندا ہوش میں آنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے کپڑے جھاڑے اور تحیر زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''میں یہاں کیسے......؟ آپ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے......؟ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا......؟ میں زمین پر کیسے پڑی تھی......؟''

چندا چونکہ کالی دیوی کے جادو کے زیر اثر اٹھی تھی اس لئے اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ ان سب کے بھسم ہوتے ہی اب اس پر جادو کا کوئی اثر نہیں رہا تھا۔ ان کے بھسم ہوتے ہی ان کا جادو بھی خاک میں مل گیا تھا۔

''میں تمہارے سوالوں کا جواب گھر پہنچ کر دوں گا۔'' میں نے چندا کو جواب دے کر بشارت اللہ صاحب سے کہا۔ ''یہ کالی دیوی اور بدروح تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہے آخر اس سے نجات کب ملے گی؟ آپ کچھ کریں' آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔''

''اب تم ان کی طرف سے بے فکر رہو۔'' بشارت اللہ صاحب نے مجھے تسلی دی ''اب یہ تمہیں کبھی تنگ نہیں کریں گے۔''

ان کے بارے میں کچھ لوگ کہتے تھے کہ بڑی عجیب و غریب قوتوں کے مالک ہیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ ان کے قبضے میں موکل ہیں۔ جن سے وہ ہر کام لے سکتے ہیں۔ آتماؤں (روحوں) سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ اکثر مسلمانوں گیانیوں (بزرگوں) کی آتمائیں ان کے پاس آئی ہیں لیکن مسلمان بزرگ جو تھے وہ کہتے تھے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ کچھ کا کہنا تھا کہ مسلمان گیانیوں کی روحیں نہیں آتی ہیں بلکہ جنات آتے ہیں۔ ایک ہندو نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ بھگوان کے اوتار ہیں۔ مسلمان کے بھیس میں اس لئے رہتے ہیں کہ پہچانے نہ جائیں۔ غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ وہ ایک عظیم ہی نہیں' نیک دل اور مخلص انسان تھے۔

ان کے بارے میں اور بھی بہت ساری باتیں مشہور تھیں۔ غریبوں' اناتھ (یتیم) اور ضرورت مندوں کی مدد کو انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ دن کا بیشتر حصہ وہ پوتر کتاب قرآن مجید کے مطالعے میں گزارتے تھے۔ صبح کی عبادت کے بعد مسلمان بچوں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔ ان کا ذریعہ معاش کیا ہے' یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کسی کا کہنا تھا کہ کسی گاؤں میں ان کی زمینیں ہیں۔ کوئی کہتا کہ ان کے لڑکے جو دیش سے باہر ہیں خرچہ پانی بھیج دیتے ہیں۔ انہوں نے گاؤں والوں سے کبھی کچھ طلب نہیں کیا تھا۔ گاؤں کے دیگر لوگوں کی طرح میں بھی ان کی شخصیت سے بہت متاثر اور مرعوب ہوا تھا۔ وہ مجھ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے جو میرے لئے عزت کی بات تھی۔ مجھے یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ میرے ساتھ اتنی عزت' محبت اور اخلاق سے کیوں پیش آتے ہیں جبکہ نہ تو میں ان کا رشتہ دار اور نہ ہی ان کا ہم مذہب اور قوم کا فرد تھا۔

جب ہم ان سے رخصت ہونے لگے تو وہ بولے۔ ''ویسے میں نے اس خبیث بدروح اور کالی دیوی اور چڑیلوں کو جو ناگنوں کے روپ میں تھیں انہیں ایسا سبق دیا ہے کہ ادھر کا رخ نہیں کریں گی لیکن انہیں چونکہ کالی ماتا کی آشیرباد ہے اس لئے وہ پھر شکتی حاصل کر کے آنے کی کوشش کریں گی۔ ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور میں تم دونوں کی فکر اور نگرانی کروں گا۔'' یہ کہہ کر مورتی چند ساعتوں کیلئے خاموش ہو گئی۔ میں نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا تو دن کا ایک بج رہا تھا۔ آج کومل کی سالگرہ سہ پہر کے بعد تھی۔ ابھی اس میں

خاصا وقت تھا لیکن مجھے ایک تو یہاں سے ڈھانچا لے جا کر چھپانا تھا اور کومل کی سالگرہ پر اسے تحفہ دینا تھا۔ میں نے تحفہ خریدا نہیں تھا۔ تحفہ خریدنا تھا۔ مکرجی کی کہانی اتنی دلچسپ' سنسنی خیز اور اس قدر تجسس لئے ہوئے تھی کہ اس کی پوری کہانی سننے کیلئے اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ ابھی اس کی کہانی اختتام کو نہیں پہنچی تھی۔ میرا خیال یہ تھا کہ اس کی کہانی تھوڑی دیر میں ختم ہو جائے گی۔ میں اس کی پوری کہانی سن کر جانا چاہتا تھا۔''

''آج آپ کو اپنی ہم جماعت کومل کی سالگرہ میں بھی جانا ہے ناں.....؟'' مکرجی کی مورتی بولی۔ ''لیکن ابھی میری کہانی ختم نہیں ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ آج آپ کا سالگرہ کی تقریب میں جانا میری کہانی کی نذر ہو جائے؟''

''کیا مطلب.....؟'' میں اس کی بات سن کر ششدر رہ گیا۔ میں نے تحیرزدہ لہجے میں پوچھا۔ ''تمہیں کیوں کر علم ہوا کہ مجھے اپنی ہم جماعت کومل کی سالگرہ میں جانا ہے.....؟ میں نے شاید تمہیں یہ بات بتائی نہیں۔''

''میرے جوہر تو آپ پر آہستہ آہستہ ہی کھلیں گے۔ مرنے کے بعد آدمی میں کئی طرح کی شکتی اور علوم بھی آ جاتے ہیں۔'' مورتی مسکرائی تو اس کے ہونٹوں پر سبز رنگ کی سی لہر آ کر گزر گئی۔ ''تمہیں اس کیلئے تحفہ بھی خریدنا ہے نا.....؟ کیوں.....؟''

''یہ کس قدر ناقابل فہم سی بات ہے کہ مکرجی!..... تم ایک مورتی ہو..... تمہیں میری ہم جماعت کا نام بھی معلوم ہے اور یہ بھی کہ میں نے اس کیلئے کوئی تحفہ نہیں خریدا...... خریدنا بھی ہے۔ چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو۔ میں تمہاری پوری کہانی سن کر ہی جاؤں گا۔''

مورتی کچھ دیر تک خاموش رہی۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ ''میں نے گھر آ کر چندا کو سارا واقعہ سنایا۔ پہلے تو وہ بہت گھبرائی اور روئی۔ جب میں نے اس سے کہا کہ بشارت اللہ صاحب نے ہمیں دلاسا دیا اور ہر مصیبت میں مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے تو تم اس قدر ہراساں اور پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ میری یہ بات سن کر اس کی ڈھارس بندھی۔ اس نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا کہ.......... ہر نوجوان لڑکی حسین بننے کی کتنی آرزو اور تمنا کرتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی ہے کہ حسن اور جادو جگاتا شباب اس کیلئے وبال بن جاتا ہے۔ کاش میں اتنی سندر اور پرشباب نہ ہوتی۔ میں ایک عام قسم کی لڑکی ہوتی۔ پھر وہ میرے سینے سے لگ کر رونے لگی۔''

جس گلی میں ہماری رہائش تھی۔ اس میں بنیے کی ایک دکان تھی۔ اسی گلی میں پنڈت درگاداس کا مکان بھی تھا جنہوں نے مجھے اور چندا کو بندھن میں باندھا تھا اور ...یا نہیں اللہ صاحب کے دوست بھی تھے۔ گزر اوقات کیلئے کچھ کرنا تھا۔ یوں تو ہمارے پاس ...م سے گیا تھی لیکن وہ کتنے دنوں تک چلتی اور گھر میں سارا دن رہنا بھی ایک مرد کو زیب نہیں اور میرے گاؤں میں ایک چوکیدار شاہجہاں تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو علاج معالجے کیلئے کسی بڑے شہر کو چلا گیا اور یہ کام چھوڑ دیا۔ یہ کام مجھے مل گیا۔ رات کو اس لئے پہریداری کی ضرورت پڑتی تھی کہ چوری کی چھوٹی موٹی وارداتیں کبھی کبھار ہو جایا کرتی تھیں۔ میرا یہ کام تھا کہ میں رات 9 بجے سے صبح 7 بجے تک گاؤں کا چکر لگاتا رہوں۔ رات 12 بجے تھوڑی دیر کیلئے گھر آتا۔ اس وقت چندا سو رہی ہوتی تھی۔ میں ایک گلاس دودھ گرم کر کے پیتا پھر گشت پر نکل جاتا۔ میں نے دو ایک چوروں کو پکڑ کے پولیس کے حوالے بھی کیا تھا جس سے چوری کی وارداتیں ہونا بند ہو گئی تھیں۔ رات کا یہ کام میں مجبوری کی بنا پر کر رہا تھا اور کسی ایسے کام کی تلاش میں تھا جو سارے دن کا ہو۔ رات کے وقت ساری بستی نیند کے مزے لے رہی ہوتی تھی اور میں اکیلا شخص ہوتا تھا جو ساری رات جاگتا تھا۔ بعض مکانوں سے میاں بیوی کے محبت بھری باتیں کرنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ ان کا رت جگا ہوتا تھا۔ کسی کسی مکان کی کھڑکی کھلی ہوتی تو میاں بیوی کو ساتھ ساتھ سوتے دیکھتا تو میں اپنے آپ کو کوستا۔ رات کے وقت بیوی کے قرب کے بجائے جدا ہوں۔ چندا کو بھی یہ نوکری پسند نہیں تھی۔ اس نے کئی بار کہا تھا کہ میں کوئی دن کا کام تلاش کروں۔

بنیے کے مکان کے برابر گھوش صاحب رہتے تھے۔ وہ ایک مسافر لانچ میں منیجر تھے۔ بعض اوقات ان کی رات کے اوقات میں ڈیوٹی لگتی تھی۔ ان کی پتنی کا دیہانت ہو چکا تھا۔ آدمی بہت اچھے تھے۔ ان کی ایک بیٹی تھی اس کا نام رادھا تھا۔ بہت حسین اور ذہین تھی اور اس میں بے انتہا کشش تھی۔ چہرے کے نقش و نگار میں تیکھا پن تھا۔ گہری سانولی رنگت میں نمک تھا جس سے حسین لڑکیاں بھی ماند نظر آتی تھیں۔ اس کا چھریرا اور متناسب بدن اس کی بلند قامت کے باعث بہت ہی پرکشش دکھائی دیتا تھا۔ وہ سلائی کڑھائی کا کام کرتی تھی۔ گاؤں کی عورتیں اور چندا بھی اس سے سلائی کراتی تھیں۔ سلائی صرف بلاؤز کی ہوتی تھی کیونکہ بلاؤز کا سلائی کرنا آسان تھا لیکن اس کی تراش خراش اور فٹنگ ہر ایک کے بس کی

خاصہ نہ تھی۔ یوں تو گاؤں میں سو میں صرف دس عورتیں بلاؤز پہنتی تھیں کیونکہ بلاؤز ساڑھی سے تھا سلائی کے باعث مہنگا پڑتا تھا اس لئے عام طور پر کمسن لڑکیوں سے لے کر بوڑھی تیز اور اس۔ بلاؤز نہیں پہنتی تھیں اور آج بھی ہے۔ بلاؤز صرف تقریبات میں پہن کر جانے ابھی اس رکیں سلواتی تھیں۔ ساڑھی کا پلو سینے اور پشت پر اس طرح لپیٹا جاتا تھا کہ وہ بلاؤز کا کام دیتا تھا۔ رادھا بہترین بلاؤز سینے میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔

رادھا بہت تیز وطرار اور باتونی تھی۔ بنگالی عورتوں کی اکثریت بہت تیز مزاج کی ہوتی ہے۔ گاؤں اور دیہاتوں میں لڑکیوں کی شادی گیارہ برس میں کر دی جاتی تھی۔ لڑکیاں گیارہ برس کی عمر سے قبل ہی سیانی ہو جاتی تھیں۔ اس لحاظ سے رادھا کی عمر کچھ تجاوز کر چکی تھی۔ باپ نے اس کی شادی کیوں نہیں کی۔ حیرت کی بات تھی‘ وہ ایسی لڑکی نہیں تھی کہ کوئی اس سے شادی کرنا پسند نہ کرے۔

وہ جس کمرے میں بیٹھ کر سلائی کرتی تھی اس کا دروازہ باہر کی جانب ہی کھلتا تھا۔ وہ اسے کھلا ہی رکھتی تھی۔ باہر سے سلائی کرتی صاف دکھائی دیتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے تیکھی تیکھی اور وارفتہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ اس کی نگاہوں کی زبان بہت کچھ کہتی ہے اور ان میں انجانے پیام ہوتے ہیں۔ میں اسے واہمہ سمجھ کر جھٹک دیتا۔ جب کبھی میں سودا سلف لینے بنیے کی دکان پر جاتا تو وہ بھی آ جاتی۔ وہ مجھ سے کسی حیلے بہانے سے بات کرنے کی کوشش کرتی۔ جس روز دکان پر بنیا نہیں ہوتا اس کی بوڑھی بیوی ہوتی اور گاہک موجود نہ ہوتا‘ بنیے کی بیوی اونگھ رہی ہوتی تو مجھ سے بڑی بے تکلفی سے اور ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔ میں سودا سلف لیتا تو وہ بنیے کی بیوی سے حساب کر کے ڈنڈی مارتی جس سے مجھے فائدہ ہو جاتا۔ بنیے کی بیوی چونکہ سیدھی سادھی اور حساب میں کمزور تھی اس لئے رادھا میرے معاملے میں رعایت کرتی۔ بعض اوقات وہ دکان پر بھی بیٹھ کر بنیے کی بیوی کی مدد کرتی۔

میں نے ان باتوں کو نہ صرف اپنا واہمہ بلکہ اس کی سادگی اور کھلے ذہن پر محمول کیا۔ کبھی اس کی باتوں اور تیکھی نظروں سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوا اور نہ ہی کبھی اس کے ذومعنی فقروں کی تہ میں جانے کی کوشش کی۔ اس کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ میں ایک شادی شدہ مرد ہوں۔ میں اپنی حسین وجمیل‘ سگھڑ محبت کرنے والی بیوی کے ساتھ مطمئن زندگی گزار رہا ہوں۔

ایک مرتبہ ایک ہفتہ گزر گیا۔ میری رادھا سے ملاقات نہ ہو سکی اور نہ وہ مجھے کہیں دکھائی دی۔ اس کمرے کا دروازہ بھی بند رہا تھا۔ میں بنیے کی دکان پر نمک لینے گیا تو بنیا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی بیوی..... صرف اس کی پڑوسن یعنی رادھا بیٹھی تھی۔ بنیا کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ بنیے کی بیوی شاید آرام کرنے لگی تو اسے بٹھا گئی تھی۔ وہ دکان پر اکیلی تھی اور میرے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ پھر وہ سنجیدہ ہو گئی اور ایک آہ بھر کے بولی۔ ”میں ایک ہفتے کیلئے بڑی خالہ کے ہاں چلی گئی تھی ..... لیکن تم میری نظروں سے ایک ہفتہ دور رہے تو ایسا لگا جیسے ایک زمانے سے تمہیں نہیں دیکھا۔ تم کیسے ہو مکرجی!..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا..... ؟“

”ہاں..... میں ٹھیک ہوں۔“ میں نے قدرے رکھائی سے کہا۔ ”تم مجھے نمک دے دو۔“

”تم مجھ سے ایسی بے رخی سے باتیں کر رہے ہو مکرجی..... ؟ ان دنوں تمہیں نہیں دیکھا تو ایسا لگا کہ سات صدیوں سے نہیں دیکھا۔ میں تمہاری ایک جھلک دیکھنے کیلئے سات صدیوں سے تڑپ رہی ہوں۔ صبح سے تمہاری راہ تک رہی تھی..... تم بھی اسی گلی میں رہتے ہو۔ دل کے قریب رہتے ہو لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہم دونوں میں ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔ ہم قریب ہو کر بھی کتنی دور ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ندی کے دو پاٹ ہوتے ہیں۔“ وہ جذباتی سی ہو گئی۔

میں اس کی یہ باتیں سن کر چونک پڑا۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ اس کی اس بے باکی‘ بے شرمی اور بے تکلفی پر حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ اس کی آنکھوں میں بے شرمی اور خود سپردگی کسی جام کی طرح چھلک رہی تھی۔ اس کے دلی جذبات واحساسات کو اس کے چہرے پر صاف پڑھا جا سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں جو سامنا ہونے پر کہے دیتی تھیں آج وہ اس کی زبان پر آخر آ ہی گیا تھا۔ اس وقت ایک مرد گاہک آ گیا تھا۔ اس لئے اس کی باتیں ادھوری رہ گئی تھیں ورنہ جانے اس کی باتیں اور قدم کیا ہوتا۔ مجھے اس کے تیور اچھے معلوم نہیں ہوئے تھے۔ میں نمک اور سودا لے کر گھر آ گیا۔

میری نظروں کے سامنے دھندسی آ گئی تھا۔ اب مجھے یقین ہو چکا تھا کہ یہ میری غلط فہمی تھی کہ وہ کھلے ذہن کی مالک ہے اور اس میں سادگی بھری ہے۔ اب کسی شک وشبے کی

بات نہیں رہی تھی۔ اس کے ایک ایک لفظ اور اس کی آنکھوں کی سرخی، خود سپردگی اس بات کی گواہ تھی کہ وہ میرے من کی دیوی بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ مجھ پر ڈورے ڈال رہی تھی۔ آج اب اس کا اصلی چہرہ سامنے آ گیا جو ایک زہریلی ناگن کی طرح تھا۔ وہ ایک زہریلی ناگن سے کم نہیں تھی جو موقع پانے پر ڈس سکتی تھی۔ اس کا کاٹا بڑا خطرناک ہو گا۔ میں کیا کوئی بھی اس کے زہر سے بچ نہیں سکتا۔

میں نے گھر میں چندا کو نمک اور سودا سلف دیا۔ وہ یہ سب لے کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ پنڈت درگا داس بھی گھر پر نہیں ہے۔ صبح کام پر سے آتے ہوئے انہیں گھاٹ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ شاید وہ کشتی سے اس پار کے گاؤں کسی سے ملنے گئے تھے۔ یہ مکان بھی انہی کا تھا جو انہوں نے رہائش کیلئے دیا ہوا تھا۔ اس کا کرایہ بھی نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے اس کے ایک کمرے میں رہائش رکھی تھی۔ میں اکیلا کمرے میں بیٹھا رادھا کے بارے میں سوچنے لگا۔ پہلے میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں میں نے اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا تھا اور نہ ہی سنجیدگی سے کچھ سوچنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت میرے دل میں ایک کشمکش سی جاری تھی۔ اب مجھے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی یاد آنے لگیں جنہیں میں نے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور اس کے رمز و کنایہ سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ رادھا کے ذومعنی فقرے اس کی پہلودار نگاہیں، کھڑکی اور دروازے میں کبھی کھڑے ہو کر اشارے اور مسکراہٹ جنہیں میں کبھی سمجھ نہیں سکا تھا۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں زہریلے کیڑے مکوڑوں کی طرح کلبلانے لگیں۔

تھوڑی دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں بنیے کی دکان اور اس کے مکان کے سامنے سے گزرا نہیں کروں گا۔ سودا سلف لانے کیلئے کسی بہانے سے چندا کو ہی بھیج دیا کروں گا۔ کسی نے یوں بھی محبت بھری باتیں کرتے دیکھ اور سن لیا تو کتنی ذلت اور رسوائی ہو گی۔ بدنامی ہوتے دیر کیا لگتی ہے اور پھر میری اور چندا کی محبت پر اثر پڑ سکتا تھا جو میرے لئے نہایت قیمتی اور انمول اثاثہ ہے۔ اس طرح رادھا میری بے اعتنائی کی وجہ سے مجھ سے مایوس اور دلبرداشتہ ہو کر کسی اور کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔ یہ بات بھی حیران کن تھی کہ آخر اس نے مجھ شادی شدہ مرد کا انتخاب کیوں کیا۔ گاؤں میں ایسے غیر شادی شدہ مردوں کی کوئی کمی نہیں تھی جو اس کے ایک اشارے پر کٹھ پتلی بن سکتے تھے۔ کیا

معلوم وہ کن کن مردوں کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ میں نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر عمل کرنے سے اس سے میری جان چھوٹ سکتی تھی۔

میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ چندا ہاتھ ساڑھی کے پلو سے پونچھتی ہوئی آئی اور میرے قریب بیٹھ گئی۔ "وہ رادھا ہے نا......؟" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ مجھے ایسا لگا جیسے اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"گھوش صاحب کی بیٹی رادھا!......؟" میں بری طرح چونک پڑا۔ "ہاں کیا ہوا......؟ کیا وہ کچھ کہہ رہی تھی؟" میرا دل تیز دھڑکنے لگا۔

"ہاں...... وہی" چندا نے سر ہلایا۔ "بہت اچھی لڑکی ہے۔ جب آپ شام کو کام پر چلے جاتے ہیں اکثر آ جاتی ہے۔ بہت دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتی رہتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے آنے سے میرا دل بہل جاتا ہے۔ وہ مجھ سے بڑی محبت کرتی ہے۔"

چندا نے اس کے بارے میں بڑی محبت، اپنائیت اور ہمدردانہ لہجے میں کہا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں وہ کوئی نئی چال تو نہیں چل رہی ہے۔ کسی شکاری کی طرح جال تو نہیں بچھا رہی ہے تاکہ وہ ہم میاں بیوی میں نفرت اور بدگمانی پیدا کر کے اپنا مطلب پورا کر سکے۔ چندا نہیں جانتی اور سمجھتی ہے کہ ان باتوں اور ہمدردی میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔

"وہ میری غیر موجودگی میں کیوں آتی ہے یہاں؟" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اسے روز روز منہ اٹھا کر یہاں نہیں آنا چاہیے۔"

"آپ بہت غلط بات کہہ رہے ہیں، بہت غلط بات ہے۔" چندا بولی۔ "کسی کے محبت اور خلوص کا صلہ یوں نہیں دینا چاہیے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے ہیں کہ آپ کے جانے کے بعد وہ آ کر میری دلجوئی کرتی ہے۔ میرا دل بہلاتی ہے جبکہ محلے کی کوئی دوسری لڑکی یا عورت جھانکتی تک نہیں ہے۔ اگر کوئی آتی بھی ہے تو کوئی نہ کوئی چیز مانگنے کیلئے۔"

میرے پاس اسے کہنے کیلئے الفاظ نہیں تھے۔ وہ رادھا سے بہت متاثر تھی۔ اس لئے میں اتنا ہی کہہ سکا۔ "دیکھو...... وہ مجھے اچھی لڑکی نہیں لگتی ہے۔"

"کیا کسی کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ وہ اچھا ہے یا برا......؟ بدگمانی بری چیز ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوبارہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

دوسرے روز سے ہی میں نے رادھا کے مکان اور بنیے کی دکان کے قریب سے بھی گزرنا چھوڑ دیا۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ رات کے وقت میں گاؤں کی پہریداری کر کے ایک چکر لگا کے تھوڑی دیر ستانے کیلئے گھر آ جاتا تھا۔ ایک رات میں نے گھاٹ کا چکر لگایا۔ پھر گھر کی طرف چل پڑا۔ ساری بستی سو رہی تھی۔ تاریک فضا بدستور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ہوا بڑی نشیلی تھی جس سے خمار چڑھتا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک مکان سے میں نے دبی دبی ہنسی اور سرگوشیاں سنیں تو سوچا کہ اب رات گھر پر گزاروں گا۔

میں نے جب اپنی گلی میں قدم رکھا تو چند قدم طے کرنے کے بعد ہی ٹھٹک کے رک گیا۔ کچھ دور بنیے کی دکان تھی جو اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے بند دروازے کے ساتھ اندھیرے میں کوئی کھڑا تھا۔ میں سمجھا کوئی چور ہے جو دکان میں نقب لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں غیر محسوس انداز سے آہستہ آہستہ اور بے آواز چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ چادر میں لپٹا کوئی وجود تھا جس کا رخ میری ہی طرف تھا۔ میں نے اپنی لٹھیا پر گرفت مضبوط کی کہ اگر اس نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو بلا تامل اس کا سر پھاڑ دوں گا۔ میں کچھ اور آگے بڑھا تو دبی دبی رسیلی ہنسی فضا میں گونجی۔ پتہ چلا کہ یہ رادھا تھی جو چادر میں لپٹی باہر کھڑی تھی۔

''رادھا..... ! تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ خیریت تو ہے؟ تمہارے پتا جی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟'' میں ایک ہی سانس میں بول گیا۔ پھر میرے دل کے کسی کونے میں ایک آوارہ سا خیال آیا کہ کہیں وہ اپنے کسی آشنا کے انتظار میں تو نہیں کھڑی ہے۔ اس کا امکان تھا۔ آج اس کے پتا جی کو گھاٹ پر لانچ میں سوار ہوتے دیکھا تھا۔ وہ گھر پر اکیلی تھی۔ اس کے اکیلی ہونے کا خیال سنسنی خیز تھا۔ وہ اپنے باپ کی غیر موجودگی اور اکیلے پن سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ میرا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

''میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' اس نے بڑے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔ پھر وہ سرگوشی میں آہستگی سے کہنے لگی۔ ''خیریت کہاں ہے کرجی! ..... تمہیں میرے پتا جی کی بڑی فکر اور خیال ہے مگر میرا نہیں..... میرا بھی کچھ خیال کر لیا کرو۔ اس روز میں دل کی بات زبان پر لائی تھی مگر گاہک کے آنے کی وجہ سے دل کی بات پوری نہ کہہ سکی۔ اس روز کے بعد

سے تم نے مکان کے سامنے سے گزرنا چھوڑ دیا۔ دکان پر بھی سودا سلف لینے نہیں آتے ہو۔ کیسے ظالم، سنگدل اور بے مروت ہو۔ دن میں تم سے ملاقات نہیں ہوتی اس لئے میں نے رات کا انتخاب کیا ہے..... کل رات بھی میں نے تمہاری راہ دیکھی تھی۔ پو پھٹنے کے بعد جا کر سوئی ہوں۔''

''تمہارا دماغ ٹھکانے پر ہے۔'' میں نے بگڑ کے برہمی سے کہا۔ ''رات کے وقت عورت کو گھر سے باہر نکلنا نہیں چاہیے کیونکہ کوئی مرد دیکھ لے تو اس کی بہت خراب ہو سکتی ہے۔ محلے کے بڑے بوڑھوں نے دیکھا تو کیا سوچیں گے۔ جاؤ گھر جا کر سو جاؤ۔''

''ہاں..... ہاں..... میری عقل ٹھکانے نہیں ہے..... تم جادوگر ہو۔ تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے..... مجھ تم سے پریم ہو گیا ہے۔ اے کٹھور انسان..... راتوں کو مجھے نیند نہیں آتی، تمہارا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھومتا رہتا ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔

رادھا نے کھل کر اظہار محبت کر دیا اور میں حیرت و تعجب سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ مجھے جو اندیشہ تھا، وہ سچ ثابت ہوا تھا۔ میرے جی میں آیا کہ اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کروں تا کہ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ پریم کا بھوت اتر جائے۔

''پتا جی کام پر گئے ہیں۔'' وہ میرے اور قریب آ کر سرگوشی کرنے لگی۔ ''میں گھر پر اکیلی ہوں، چلو گھر میں چلو..... ہم دونوں صبح تک پریم کی باتیں کرتے ہیں۔ میرا دل تمہاری محبت بھری باتیں سننے اور قریب سے دیکھنے کو بڑا تڑپ رہا ہے۔''

پھر اس نے اچانک غیر محسوس انداز سے ساری کا پلو گرا دیا۔ پھر بڑے اطمینان سے اسے اٹھا کر اپنے سینے اور شانے پر لے جا کر انہیں ڈھکا اور اس کا پلو کمر میں اڑس لیا۔ اس نے یہ حرکت دانستگی میں کی تھی تا کہ میں بہک جاؤں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہک جاتا اور اسے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رہتا۔ اس کی بے شرمی اور بے حجابی پر سخت غصہ آیا۔ یہ حرکت جو ایک طوائف کی سی تھی اسے زیب نہیں دیتی تھی۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور مڑ کے جانا چاہتا تھا کہ اس نے فوراً ہی میرا ہاتھ تھام لیا۔

''کرجی!'' اس نے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''تم کیسے بیوقوف ہو جو ایک حسین، جوان اور پرکشش ہیرے کی ناقدری کر رہے ہو اور سنہرے موقع سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہو۔ میری محبت اور مہربانی کو کس لئے ٹھوکر مار رہے ہو۔''

میں نے رک کر اور اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑایا اور غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔ ''میری بات غور سے سنو رادھا! تم کیا ساری دنیا جانتی ہے کہ میں ایک شادی شدہ شخص ہوں۔ چندا بھی کم حسین نہیں ہے۔ سوال بیوی کے حسین اور بدصورت ہونے کا نہیں ہے۔ بیوی جیسی بھی ہو آخر بیوی ہوتی ہے۔ جب اگنی کے پھیرے لگتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کو وچن دیتے ہیں محبت اور وفا اور ساری زندگی نباہنے کا..... وہ دکھ' درد' خوشی اور محبت کی ساتھی ہوتی ہے۔ میں چندا کو بے انتہا چاہتا ہوں۔ ہم دونوں ایک پرمسرت زندگی گزار رہے ہیں۔ خوش اور مطمئن بھی ہیں۔ میں اس کے علاوہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا اور نہ دھوکا۔'' میں نے اسے ایک لیکچر دے ڈالا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے میری جان!..... لیکن میں اپنے پاگل من کو کیسے سمجھاؤں.....'' وہ خود سپردگی سے میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''کیا تم نہیں جانتے ہو کہ محبت اندھی ہوتی ہے؟ اب مجھے اپنے دل پر کوئی اختیار نہیں رہا۔ اب تمہی بتاؤ۔ میں کیا کروں؟''

میں اسے نصیحت کر کے مایوس ہو گیا۔ ''تمہارے پتا جی کی گاؤں میں بہت عزت ہے' کیوں اسے خراب کرنے پر تلی ہو..... میں تم سے پھر کہہ رہا ہوں کہ میں ایک شادی شدہ مرد ہوں۔ تم مجھے معاف کرو۔ کسی شادی شدہ مرد پر ڈورے ڈالنا ایک شریف لڑکی کا شیوہ نہیں ہوتا ہے۔''

''تم شادی شدہ ہو تو کیا ہوا..... میں تمہاری داسی بن کر رہنا چاہتی ہوں..... بس تم میری خالی جھولی بھر دو۔'' وہ منت کرنے لگی۔

میں نے اسے آخری بار سمجھانے کے خیال سے ایک اور کوشش کی۔ ''دیکھو ہمارا دھرم اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے' چندا کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے' میں تمہاری کوئی بات نہیں مان سکتا اور غلاظت کی دلدل میں نہیں گر سکتا۔''

اس نے چندا کا نام سن کر ایسا منہ بنایا جیسے اس کے منہ میں کڑوا بادام آ گیا ہو۔ پھر وہ تیز لہجے میں بولی۔ ''مکر جی! تم میرا اپمان کر کے جا نہیں سکتے۔ تمہیں میرے جذبات اور ارمانوں کا خون کرنے کی بہت بڑی سزا مل سکتی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سوچ لو۔ میں تمہیں پھنسا سکتی ہوں۔''

''وہ کیسے.....؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''یہ تم مجھے ڈرا دھمکا رہی ہو۔ یہ سب فضول ہے۔''

''وہ ایسے کہ میں عورت ہوں۔ میں اس وقت شور مچا کر اور بے لباس ہو کر تمہیں پھنسا سکتی ہوں..... تم پر جبر و زیادتی کا الزام لگا کر بدلہ لوں گی..... پھر جانتے ہو کیا ہوگا۔ تمہیں ذلیل و خوار کر کے گاؤں سے بھی نکلوا دوں گی۔''

''تمہارے دل میں جو حسرت ہے اسے پوری کرو' میں اس گاؤں سے جا کر خوش اور مطمئن رہوں گا کہ ایک بہت بڑے پاپ سے بچ گیا۔''

میں نے اس کی دھمکی چونکہ نظر انداز کر دی تھی اس لئے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ مجھے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتی ہوئی بولی۔ ''تم نے مجھے ٹھکرا کے اچھا نہیں کیا..... تم نے میری توہین و تذلیل کی ہے۔ جس عورت کو ٹھکرا دیا جاتا ہے وہ زہریلی ناگن بن جاتی ہے۔ میں تمہیں اور تمہارے گھر کو برباد کر دوں گی۔ تمہاری خوشیوں کو تاراج کر دوں گی۔ چندا تمہیں چھوڑ دے گی۔''

میں اس کی دھمکی سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا۔ میں اپنے گھر جانے کیلئے مڑا تھا کہ وہ سامنے آ گئی تا کہ لباس اتار پھینکے اور شور و غل مچا دے۔ عین اس وقت بغلی گلی سے بشارت اللہ صاحب نمودار ہوئے اور برق رفتاری سے ہمارے پاس پہنچے۔ انہوں نے ہم دونوں کو باری باری اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ میں نے پہلی دفعہ ان کے نورانی چہرے پر جلال دیکھا تھا۔ وہ کڑک کر رادھا سے بولے۔

''خبردار! جو آئندہ تم نے دن ڈوبنے کے بعد گھر سے باہر قدم نکالا..... ایسی سزا دوں گا کہ مرتے دم تک یاد رکھو گی۔ تمہارے پتا جی گھر پر نہیں ہیں۔ تم اتنی رات گئے ایک شریف آدمی کو بہکانے اور ورغلانے پر تلی ہوئی ہو۔''

رادھا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ پھر وہ ایک پل بھی نہیں رکی۔ لپک کر اپنے گھر میں گھس گئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''مکر جی!..... تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو۔'' انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

رادھا سے جان چھوٹنے کی مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔ بشارت اللہ صاحب اس

لمحے نہ آتے تو میں اس کی ہر بات مان لیتا کیونکہ اس کی ہذیانی چیخیں اور مدد کیلئے پکارنا اور اس کا بے لباس ہونا محلے کے مرد اور عورتوں کو میرے خلاف کر دیتا۔ لوگ اس کی ہر بات کا یقین کر لیتے کیونکہ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی اور اس کے پتا جی گھر پر نہیں تھے اور وہ اکیلی تھی۔ میں مرد ذات تھا۔ مرد ذات اور ناگ کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ دوسری طرف میں بہت غمگین اور پریشان تھا۔ ندامت سے مرا جا رہا تھا کیونکہ میں بشارت اللہ صاحب کی نظروں میں گر گیا تھا کیونکہ میں ایک شادی شدہ مرد ہوتے ہوئے رات کی تاریکی میں باتیں کر رہا تھا۔ میں نے گاؤں میں رہ کر اپنی جو عزت بنائی تھی وہ خاک میں مل سکتی تھی بلکہ مل ہی گئی تھی۔ عزت اور مقام حاصل کرنے میں لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے اور بڑی مشکل ہوتی ہے مگر اسے جاتے ہوئے ایک پل کی بھی دیر نہیں لگتی۔ میں یہ سب کچھ سوچتا ہوا ایک مجرم کی طرح سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ مجھے سرزنش اور نصیحت کرنے کیلئے اپنے گھر لے جا رہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا وہ میری صفائی پر یقین کر لیں گے؟

بشارت اللہ صاحب مجھے اپنے مکان میں لے آئے۔ انہوں نے مجھے ایک مکان کچھ دنوں کیلئے دیا تھا۔ پھر میں اور چندا پنڈت درگا داس کے مکان میں منتقل ہو گئے تھے۔ آج پہلی دفعہ میں ان کے مکان میں آیا تھا۔ کمرے میں ایک مصلّٰی تھا۔ وہ مصلے پر جا بیٹھے اور مجھے ایک پیڑھی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب میں نے محسوس کیا کہ ان کے انداز میں بڑی نرمی ہے۔ ان کے چہرے اور آنکھوں میں شفقت کا وہ رنگ ہے جو انہی کا خاصا تھا۔ میں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا کہ بہتر ماحول میں انہیں سارا معاملہ بتاؤں گا۔

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں گھاٹ سے واپس آ رہا تھا.....'' میں نے اٹکتے ہوئے کہنا چاہا تو ہاتھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔'' بشارت اللہ صاحب کہنے لگے۔ ''میں اس لڑکی کا مزاج خوب سمجھتا ہوں۔ دیکھا جائے تو اس میں بھی اس کا کچھ قصور نہیں ہے۔ وہ اپنی چڑھتی جوانی اور منہ زور جذبات کے آگے بے بس ہے۔ اس کی عمر اور جوانی کا باپ کو احساس اور خیال نہیں ہے۔ اس کا بے وقوف باپ کماؤ پوت سے سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا اس لئے وہ بیٹی کی شادی سے گریزاں ہے۔ میں نے اس سے بار کہا کہ رادھا کی شادی کیوں نہیں کرتے ..... اس کا کہنا ہے کہ کوئی اچھا لڑکا ملا جو گھر دا

بن سکے تو میں ضرور رادھا کو بیاہ دوں گا۔ ایک ہی لڑکی ہے اس لئے اسے بیاہ کر کہیں اور دینا نہیں چاہتا۔

میں اپنی بیگناہی سن کر خوشی سے جھوم اٹھا۔ انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''بیٹا! تم دونوں میاں بیوی کئی ماہ سے اس گاؤں میں رہ رہے ہو لیکن میں نے ایک بات محسوس کی تمہارے ماں باپ اور ماموں، چچا میں سے کوئی تم دونوں سے ملنے نہیں آتا ہے۔''

یہ سن کر میرے اندر کی نفرت کی دبی ہوئی چنگاری ابھر آئی۔ میں نے انہیں اپنے ماضی کے بارے میں کبھی نہیں بتایا اور نہ انہوں نے ذاتی زندگی کے بارے میں کریدنے کی کوئی کوشش کی تھی۔ ماضی حال بن کر میری نظروں کے سامنے آیا تو میرے دل میں برچھی سی اترتی محسوس ہوئی۔ میں یہاں آ کر چندا کی محبت اور حسن و شباب کے سحر میں ایسا کھویا تھا کہ بمل داس سے انتقام بھول گیا۔ اپنے محسن ستیو رام چچا کو بھی بھلا دیا تھا۔ چندا کا باپ شقی القلب اور درندہ صفت تھا۔ اس نے میری ماں کی جو بے حرمتی کی اور قتل کیا اسے بھول گیا تھا۔ اب میرے زخم تازہ ہو گئے اور انتقام کی آگ سینے میں بھڑک اٹھی۔

''تمہارے پتا جی کا ایک دوست ستیو رام ہیں۔'' بشارت اللہ صاحب کہنے لگے۔ ''چندا کے باپ بمل داس نے انہیں اغوا کر کے یرغمال بنایا ہوا ہے۔ ان پر تمہارا پتہ بتانے کیلئے تشدد کیا جا رہا ہے جبکہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے کہ تم دونوں کہاں روپوش ہو۔ بمل داس کے آدمی تم دونوں کو دیش کے چپے چپے میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں کہ قتل کر دیا جائے۔ ستیو رام کو تین دن کی مہلت دی ہوئی ہے۔ چوتھے دن انہیں تشدد سے قتل کر دیا جائے گا۔ تم وہاں جا کر کسی نہ کسی طرح انہیں ان درندوں سے بچاؤ۔ اپنے پتا جی کی دوستی کا حق ادا کرو۔''

میں ان کی زبان سے یہ سب کچھ سن کر دنگ رہ گیا۔ گویا انہیں ہر بات کا علم تھا۔ میں تھوڑی دیر تک بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہا۔ پھر گھر واپس آ گیا۔ میں بڑا مطلب پرست تھا۔ ستیو رام چچا نے مجھے اور میری ماں کو پناہ دی تھی' ان کی مصیبت کے بارے میں سن کر میں بے چین اور پریشان ہو گیا۔ میں گھر آ کر سوچوں میں گم ہو گیا اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ چندا اس لمحے بیدار ہو گئی۔ مجھے پریشان اور روتا ہوا دیکھ کر خود بھی حیران اور پریشان ہو گئی۔ پھر مجھے دلاسا دینے لگی۔

"میں ستیو رام چچا کو تمہارے باپ کی قید سے رہائی دلانے کیلئے تمہارے گاؤں
جا رہا ہوں۔" میں کہنے لگا۔ "تمہارے ظالم باپ نے جو کچھ کیا۔۔۔ کیا وہ قابل معافی ہے۔ ا
نے میری ماں، میرے باپ کو قتل کیا اور اب ستیو رام چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس شقی القل
نے ساری خوشیاں چھین لیں۔ اگر تم مجھے نہ ملی ہوتی تو میں اب تک ٹوٹ پھوٹ چکا ہوتا
کسی قابل نہ رہتا۔ مجھے اس وقت تک شانتی نہیں مل سکتی جب تک میں انہیں موت کے
میں جانے سے بچا نہیں لیتا۔ میرا خیال ہے کہ میں انہیں تمہارے باپ کے ہاتھوں سے
لوں گا۔ جان کی بازی لگانے سے بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا لہٰذا مجھے جانے دو۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ وہ یہ سن کر خوفزدہ اور پریشان ہو گئی
"وہاں جانا آپ کیلئے مناسب نہیں ہے۔ پتا جی کے آدمی خونخوار شکاری کتوں کی طرح ہما
تلاش میں گھوم رہے ہوں گے۔ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے میں آپ کو جا
نہیں دوں گی۔۔۔ ہاں پتا جی کے مرنے کے بعد چلیں گے اور وہاں چل کر رہیں گے۔"

"تمہیں ستیو رام چچا کی زندگی کا کوئی خیال نہیں آ رہا ہے۔۔۔ وہ موت کے دہا
پر کھڑے ہیں۔۔۔ تمہارا باپ انہیں اذیت دے کر بے رحمی سے مار دینا چاہتا ہے۔ ان
المناک موت کیا میں برداشت کرلوں۔۔۔؟ نہیں۔۔۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔"

"آپ تن تنہا جا کر انہیں پتا جی کی قید سے کیسے چھڑا سکتے ہیں۔۔۔؟" چندا وحش
زدہ لہجے میں کہنے لگی۔ "میرے باپ نے پیشہ ور قاتلوں کو پال رکھا ہے جن کے نزدی
انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں ہے اس لئے بھی آپ کو جانے دینا نہیں چاہتی کہ میرا من ک
رہا ہے کہ آپ نہ جائیں۔ بھگوان۔۔۔ ان کی رکشا کرے گا۔"

"لیکن میرا من کہہ رہا ہے کہ مجھے اس وقت شانتی ملے گی جب تم ستیو رام چچا
بچاؤ گے۔ اگر میں ابھی نہیں گیا تو پھر ان کی جان نہیں بچ سکے گی۔ ساری زندگی میرا ضمیر
ملامت کرتا رہے گا۔ ضمیر کی ملامت بڑی اذیت ناک اور ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس
چبھن زندگی اجیرن کر دیتی ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کل پو پھٹنے سے پہلے ہی چل پڑو
گا۔"

"لیکن میرا دل انجانے خطرے سے گھبرا رہا ہے۔ یہ بھی تو سوچئے کہ بھگوان
نہ کرے آپ کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔" یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

"صرف چار دن کی تو بات ہے چندا!" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "میں چار
برسوں کیلئے تو نہیں جا رہا ہوں جو تم پریشان ہو رہی ہو۔"

"ایسا لگ رہا ہے بھگوان نہ کرے کچھ ہونے والا ہے۔" وہ وحشت زدہ لہجے میں
کہنے لگی۔ "کوئی ایسی بہت بڑی مصیبت آنے والی ہے جو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے
جدا کر دے گی۔ آپ نہ جائیں۔۔۔ آپ کو بھگوان اور میرے سیندور کی سوگند۔۔۔"

وہ بے حال ہو گئی۔ پیر کپکپانے لگے۔ میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر بٹھایا۔

"چندا! تم اس قدر کیوں گھبرا رہی ہو۔۔۔ کون سی مصیبت آئی جا رہی ہے۔ مجھے تمہارا بہت
خیال اور احساس ہے۔ میں خود نہیں چاہتا ہوں کہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں خود کو
محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میرے ذہن میں انہیں تمہارے باپ کی قید سے نکالنے
کی ایسی تدبیر ہے کہ سانپ بھی مر جائے گا لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ میری زندگی اب
تمہارے نام ہو گئی ہے۔ یہ اب میری نہیں تمہاری زندگی ہے۔۔۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم اتنی خوفزدہ
کیوں ہو۔۔۔؟ کون سی بات تمہیں اس قدر ہراساں اور پریشان کر رہی ہے؟" میں نے اس
سے پوچھا۔

"مجھے کئی دنوں سے ڈراؤنے سپنے دکھائی دے رہے ہیں۔" وہ پھنسی پھنسی آواز
میں کہنے لگی۔ "کبھی دکھائی دیتا ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان سیلابی دریا آ گیا ہے۔ ہم
اس فاصلے کو پاٹ نہیں پا رہے ہیں۔۔۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ ہم دونوں الگ الگ پنجروں میں
بند ہیں۔ زخمی پنچھی کی طرح تڑپ رہے ہیں لیکن ملن ہو کے نہیں ہو رہا ہے۔"

"یہ صرف سپنے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، دراصل تمہارے پتا جی کا جو خوف دل
میں بیٹھا ہوا ہے اس لئے تمہیں ایسے سپنے دکھائی دیئے۔۔۔ تمہارے دل میں وہم بیٹھ گیا ہے۔
اس کا علاج تو کسی کے پاس نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ جانے کیا بات ہے کہ ایک ہفتے سے ایسے
خوفناک سپنے دکھائی دے رہے ہیں جو کبھی نہیں دیکھے۔ بچپن میں بھی ایسے سپنے دیکھ کر ڈرتی
نہیں لیکن اب بہت ڈر گئی ہوں۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

میں اس کی باتوں سے الجھ گیا۔ "چندا! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ستیو رام چچا کے نہ
صرف میرے پتا جی اور ماتا جی پر کس قدر احسانات ہیں بلکہ مجھ پر بھی ہیں۔ وہ میرے ماتا

پتا جی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ میں ان کی جان بچانے نہ جاؤں تو کتنی شرم اور افسوس کی بات ہے۔ میرا سارا جیون پچھتاوے میں اور روتے دھوتے گزر جائے گا۔ بھگوان پر بھروسہ رکھ کچھ بھی نہ ہوگا چندا!......"

بہت کچھ سمجھانے بجھانے پر بھی وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ میں اسے دلاسہ دیتا رہا۔ اس کے آنسو میرے سینے میں جذب ہوتے رہے۔

پو پھٹنے کے بعد میں گھر سے نکلنے لگا تو اس نے بڑے والہانہ انداز سے میرا ایک طویل بوسہ لیا۔ پھر وہ اس وقت تک دروازے پر کھڑی مجھے بھیگی نظروں سے دیکھتی رہی۔ جب تک میں اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔ جب میں گھاٹ پر پہنچا تو تیز رفتار لانچ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد آ گئی۔ پھر میں اس میں سوار ہوگیا۔ جانے کیوں چندا سے جدا ہونے پر میرا دل بھی اداس ہوگیا تھا۔

میں جو چندا کو لے کر آ گیا تھا اس بات نے بمل داس کو چراغ پا کر دیا تھا اور پھر میرے خط نے جلتی پر تیل گرا دیا تھا۔ وہ ایک ایسا انگارہ تھا جس سے اس کا سارا وجود جل اٹھا تھا۔ وہ مجھ سے انتقام لینے کے اندھے جنون میں مبتلا ہوگیا تھا۔ چندا اور میرے حصول کیلئے اس نے ستیو رام چچا کو یرغمال بنا لیا تھا اب میں انہیں آزاد کرا کے اس خبیث کو ایسی عبرتناک سزا دینا چاہتا تھا کہ وہ ساری زندگی کربناک اذیت سے تڑپتا رہے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔ وہ ستیو رام چچا اور میری گرد کو بھی نہ پا سکے۔ اگر مجھے قتل کرنے کا موقع ملا میں اسے قتل کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ میں اسے بھی اس بیدردی سے قتل کروں گا جس طرح اس نے میری معصوم ماں کو کیا تھا۔ اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو ڈال دوں گا۔

جس وقت میں گاؤں پہنچا اس وقت دن ڈوبنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ میں نے ایسا بہروپ بھر لیا تھا کہ کوئی مجھے آسانی سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ راستے میں گاؤں کے جاننے والوں نے مجھے دیکھا لیکن وہ مجھے پہچان نہ سکے۔ پھر میں اپنے پتا جی کے بچپن کے ایک دوست کے ہاں پہنچا۔ ان کا نام بھگوان داس تھا۔ جب میں ان کے سامنے اصل روپ میں آیا تو وہ مجھے سینے سے لگا کر میرے پتا جی اور ان کی محبت کو یاد کر کے روتے رہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے یہاں آ کر بڑی سنگین غلطی کی ہے۔ بمل داس تمہارے ا

چندا کے خون کا پیاسا ہے کیونکہ تم نے چندا کو ساتھ لے جا کر اس کی ناک کاٹ دی ہے اور وہ تمہیں کاٹ کر پھینکنے کیلئے تلاش کر رہا ہے۔ ستیو رام کو حویلی کے تہہ خانے سے نکال کر لے جانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ تمہاری جان جا سکتی ہے۔ تم اپنی جان کی پروا کرو۔ ستیو رام کو بھگوان کے حوالے کر دو۔ ویسے اس غریب پر اتنا ظلم کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے کہ زندہ نہ بچ سکے گا۔ میں نے ان کی بات نہیں مانی۔

جب دن ڈوبنے کے بعد جب اندھیرا گہرا ہوگیا تب میں اس بوا کے گھر گیا جسے میں نے ایک ساڑھی خرید کر دی تھی تاکہ وہ چندا کو لے جانے میں راستے کا پتھر نہ بنے۔ جب میں اس کے ہاں پہنچا تو وہ گھر پر اکیلی تھی اور اس کی ماں حویلی گئی ہوئی تھی۔ رات کو وہ کام پر مامور تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ مجھے رات کے وقت حویلی میں پہنچا سکتی ہے اور ستیو رام کو تہہ خانے سے نکالنے میں مدد کر سکتی ہے۔ اس نے حامی بھر لی اور کہا کہ اسے سوٹاکا دینے ہوں گے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بمل داس نے اسے کئی دنوں تک جبر و زیادتی سے کھلونا بنائے رکھا۔ اس کے دل میں بمل داس کے خلاف نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اس نے کہا کہ حویلی میں داخل ہونے کا ایک چور راستہ ہے وہاں تہہ خانے کو جانے کا ایک زینہ بھی ہے۔ اس زینے کے پاس ایک بڑی کوٹھڑی ہے جس میں بمل داس کے چار پالتو بدمعاش رہتے ہیں' وہ پہرا دے رہے ہیں تاکہ ستیو رام فرار نہ ہو جائے لیکن وہ فرار کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ تہہ خانے کا دروازہ مقفل ہے۔ اس کی چابیاں کسی ایک بدمعاش کے پاس ہیں۔ اس نے بتایا کہ بمل داس شام ہوتے ہی اپنی داشتہ کے پاس چلا گیا جو سامنے والے گاؤں میں رہتی ہے۔ وہ کل دوپہر کے وقت آئے گا۔

جس وقت رات بھیگ رہی تھی تب مجھے حویلی کی بوا جس کا نام راگنی تھا' حویلی کی طرف لے کر بڑھی۔ میں نے اپنے ساتھ ایک لٹھیا بھی لے لی تھی تاکہ ان بدمعاشوں کو موت کے گھاٹ اتار سکوں۔ چور راستے سے ہم حویلی میں گھس گئے۔ حویلی کے اندر گہرا سناٹا تھا مگر زینے والی کوٹھڑی میں روشنی ہو رہی تھی۔ ان بدمعاشوں کے ہنسنے بولنے اور قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ شراب نوش کر رہے تھے۔ میں بیک وقت چاروں سے لڑ

بگڑ نہیں سکتا تھا کیونکہ ان کے ہتھیار کمرے میں تھے۔ راگنی نے بتایا کہ یہ درندے بھی اس کی عزت سے کئی دفعہ کھیل چکے ہیں۔ وہ بڑی ذہین بھی تھی۔ اس نے ایک ایسی تدبیر بتائی جس سے میں ان کا تیاپانچہ کر سکتا تھا۔

سب سے بڑی بات یہ کہ میں نے ان بدمعاشوں کو پہچان لیا۔ انہوں نے بھی میری ماں کی بے حرمتی کی تھی۔ آج مجھے ان سے انتقام لینے کا موقع ملا تھا اور میں اسے ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ پھر یہ موقع کبھی نہیں مل سکتا تھا۔ میرے سینے میں جو کسی وجہ سے انتقام کی آگ سرد پڑ چکی تھی وہ ایک دم سے پھر بھڑک اٹھی تھی۔ راگنی فرش پر کسی لاش کی طرح بے سدھ پڑی تھی اور وہ گدھ بنے ہوئے تھے۔ ان سب کی پشت میری طرف تھی۔ میں لٹھیا فضا میں گھماتا ہوا بجلی کی سی سرعت سے کوٹھری میں گیا اور ان کے سر پر جا پہنچا۔ پہلے تو باری باری انتہائی تیزی اور مستعدی اور پوری طاقت سے ان کی کھوپڑیوں کو نشانہ بنایا تا کہ یہ بیہوش ہو جائیں پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ راگنی تو کپڑے پہننے کیلئے کوٹھری سے نکل گئی۔ میری نفرت' غصہ' حقارت اور انتقام میں ایسی شدت اور جنون پیدا ہوا کہ نہ صرف ان کے سر پھاڑ دیئے بلکہ ہاتھ' پیر اور جسم کی ہڈیاں بھی توڑ دیں۔ اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ کسی کو پہچان سکیں۔

راگنی کپڑے پہن کر آئی اور انہیں بیہوش اور خون میں لت پت دیکھا تو اس کے چہرے پر نفرت اور حقارت آئی۔ اس نے میرے ہاتھ سے لٹھیا لے کر اپنے انتقام کی آگ سرد کرنے لگی۔ اس نے انہیں مار مار کر رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

پھر میں نے ان چاروں کو دیکھا۔ وہ مرے نہیں تھے بلکہ زندہ تھے۔ ان کا زندہ رہنا فضول تھا' مر جانا ہی بہتر تھا کیونکہ وہ نہ صرف ذہنی بلکہ جسمانی معذور بھی ہو گئے تھے۔ اب تو وہ اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ یادداشت سے محروم ہو گئے تھے۔ میں نے ان چاروں کی تلاشی لی تو ایک بدمعاش کی جیب سے چابیاں نکلیں۔ راگنی نے ان بدمعاشوں کی جیب میں جتنی نقدی تھی نکال لی۔ میں نے راگنی کو ساتھ لیا۔ زینے کے تہہ خانے پر پہنچا۔ دروازہ کھول کر ہم دونوں تہہ خانے میں گھسے۔ شیو رام چچا کو ایک ستون سے باندھا ہوا تھا۔ وہ نیم بیہوش تھے اور کراہ رہے تھے۔ ان کے چہرے کا جغرافیہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ ان کی ناک

سے خون بہہ رہا تھا اور جبڑے سوج گئے تھے۔ ہونٹ بھی کٹ گئے تھے۔ ان کے بدن پر قمیض نہ تھی۔ ان کے بدن پر کوڑے کے نشان بھی تھے۔ ان پر تشدد کی انتہا کر دی گئی تھی۔ وہ جاں بلب ہو رہے تھے۔ پہلے تو انہیں پانی پلایا گیا۔ ان کی حالت سے ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں دو دن سے بھوکا پیاسا رکھا گیا ہے۔ پانی پینے سے ان کی حالت میں قدرے افاقہ ہوا۔ مجھے دیکھ کر یقین نہیں آیا۔ ''بیٹے! تم ... کہیں یہ سپنا تو نہیں ہے۔''

''ہاں میں ہوں۔'' میں نے ان کی مشکیں کھولتے ہوئے کہا۔ ''یہ سپنا نہیں ہے۔ آپ کو نکال کر لے جانے آیا ہوں۔''

''تم میری فکر نہیں اپنی فکر کرو۔ ... بمل داس تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بھاگ جاؤ ...'' وہ رک رک کر بولے۔ ان کے لہجے میں خوف سا تھا۔ ان کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہ بے حال ہو رہے تھے۔ ان میں اتنی نقاہت تھی کہ وہ ایک قدم بھی چل نہیں سکتے تھے۔ میں اور راگنی انہیں سہارا دے کر حویلی سے باہر لے آئے۔ میں انہیں بھگوان داس کے گھر لے جانا چاہتا تھا۔ ان کا گھر دور تھا' راگنی اور میں انہیں سہارا دے کر لے جا نہیں سکتے تھے۔ انہیں ایک درخت کے نیچے لٹا دیا۔ راگنی حویلی کے اصطبل سے ایک گھوڑا لے کر آئی۔ ہم دونوں نے مل کر انہیں گھوڑے پر سوار کرایا۔ پھر میں نے راگنی سے کہا کہ وہ گھر جائے۔ میں نے سوٹاکا کے بجائے دو سوٹاکا دیئے تو وہ خوشی سے مجھے چوم کر چلی گئی۔

میں انہیں بھگوان داس کے ہاں لے کر پہنچا تو بھگوان داس کو یقین نہیں آیا۔ پہلے تو انہیں شراب پلائی گئی جس سے ان کے جسم میں جان اور توانائی آئی۔ پھر انہیں دودھ اور پھل کھلائے۔ بھگوان داس نے ان کے زخم صاف کر کے مرہم لگایا۔ جب ایک گھنٹے میں ان کی حالت قدرے سنبھل گئی تو بھگوان داس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں پو پھٹنے سے پہلے انہیں لے کر رام نگر چلا جاؤں۔ وہاں ان کے ایک دوست اشوک بسواس ہیں۔ وہاں جا کر روپوش ہو جاؤں۔ شیو رام کے صحت یاب ہوتے ہی ان کے دوست شیو رام کو کلکتہ پہنچا دیں گے۔ شیو رام کے رشتہ دار کلکتہ میں موجود تھے۔ بمل داس اور اس کے بدمعاش ان کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے روانگی سے قبل ایک خط بمل داس کے اس کے زخموں پر نمک

چھڑکنے کیلئے لکھا اور بھگوان داس سے کہا کہ وہ کسی طرح اسے پہنچا دیں۔

درندہ صفت بمل داس!

تم میرا یہ خط پا کر چونک گئے ہو گے۔ اس سے کہیں زیادہ حیرانی اور غصہ تمہیں اس بات پر آیا ہو گا کہ شیو رام چچا کو تہہ خانے سے نکال کر لے جایا گیا اور اس کے علاوہ تمہارے چار کتوں کو اس قابل کر دیا گیا کہ وہ مردوں سے بھی بدتر نظر آئیں۔ میں نے ان چاروں سے اپنی ماں کی بے حرمتی کا بدلہ لے لیا۔ اب تم رہ جاتے ہو۔ ایک دن میں تمہیں بھی کیفر کردار تک پہنچا دوں گا۔ تمہاری بیٹی جو بہت حسین ہے وہ میری ہو چکی ہے۔ وہ تم سے سخت نفرت کرتی ہے لہٰذا تم کبھی اسے اپنی منحوس اور گھناؤنی صورت نہیں دکھا سکتے۔

تمہارا جانی دشمن ..... مکرجی

☆ ... ☆ ... ☆

پو پھٹنے سے پہلے ہی میں شیو رام چچا کو گھوڑے پر لے کر رام نگر روانہ ہو گیا۔ دو دن کی مسافت کرنے کے بعد وہاں پہنچا۔ وہ اتنی لمبی مسافت سے نہ صرف بری طرح تھک کر چور چور ہو گئے بلکہ نڈھال اور سخت بیمار ہو گئے تھے۔ رام نگر کی طرف کوئی لانچ نہیں جاتی تھی۔ کشتی میں سفر کرنے سے چھ سات دن لگ جاتے۔ اشوک بسواس بھی بڑے مخلص اور انسان دوست تھے۔ انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور شیو رام چچا کے علاج معالجے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مجھے تین دن رکنا پڑا تا کہ ان کی طبیعت سنبھل جائے۔ ان کی طبیعت بہتر ہوتے ہی میں ان سے اجازت لے کر اسی گھوڑے پر اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔ میں مزید اس لئے بھی ٹھہر نہیں سکتا تھا کہ میں چندا سے چار دنوں کا کہہ کر آیا تھا لیکن اب سات دن گزر گئے تھے۔ میں سفر کے دوران چندا کے بارے میں سوچتا اور چشم تصور میں دیکھتا بھی رہا تھا کہ وہ میرا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی ہے۔ چند دنوں کی جدائی اس پر بہت شاق گزری ہو گی۔ روز صبح و شام کے وقت میری راہ تکتی ہو گی۔ میں جاؤں گا تو بہت خفگی اور ناراضگی کا اظہار کرے گی۔ وہ مجھ سے روٹھ جائے گی۔ بات نہیں کرے گی۔ قریب آنے اور بازوؤں کے حصار میں قید کرنے نہیں دے گی۔ ممکن ہے چھوٹی سی پیار میں بسی ہوئی جھڑپ بھی ہو جائے گی۔ میں پیار سے اسے منا لوں گا تو وہ مان جائے گی اور پھر مجھ سے کہے گی کہ اب آپ مجھے چھوڑ کر ایک دن کیلئے بھی نہ جائیں کیونکہ مجھ سے ایک دن کی جدائی بھی برداشت نہیں ہوتی۔

گاؤں میں داخل ہو کر میں جیسے ہی گھر کی طرف بڑھا۔ میں نے رادھا کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے دیکھا۔ اس وقت گلی ویران اور سنسان پڑی تھی۔ بنیے کی دکان بھی کسی وجہ سے بند تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سخت گرمی کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گھروں میں

دبکے پڑے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھی اور میرا راستہ روک کر بولی۔ ''مکر جی! اس روز بشارت اللہ صاحب کی وجہ سے سارا معاملہ گڑبڑ ہو گیا۔ وہ تین دن کیلئے کسی کام سے گاؤں سے باہر گئے ہیں' پتا جی بھی کل رات آئیں گے۔ میں گھر پر اکیلی ہوں۔ اندر چلو...... ہم پریم کی باتیں کریں گے...... میں ایک داس کی طرح تمہاری ہر طرح کی سیوا کروں گی۔ تم ساری زندگی یاد کرو گے...... چندا نے کبھی تمہاری ایسی سوا نہیں کی ہو گی۔ وہ مجھ جیسی محبت تم سے نہیں کر سکتی...... آؤ...... میرے من کے راجہ...... ہم محبت کی دنیا میں کھو جائیں۔''

اتنا کہہ کر وہ میرے قریب آئی اور اپنی مرمریں بانہیں میرے گلے میں حمائل کر دیں اور میرے چہرے پر جھک گئی۔ میں نے اسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی' زمین پر گر گئی۔ وہ گرتے ہی فوراً سنبھل کر اٹھی۔ اپنا لباس درست کرتی اور اس پر سے مٹی جھاڑتی ہوئی مجھے شعلہ بار نگاہوں سے گھورنے لگی۔ وہ ایک زخمی شیرنی کی طرح غضب ناک ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ نفرت اور حقارت بھرے لہجے میں بولی۔ ''مکر جی! اب تمہیں بخشوں گی نہیں...... جب عورت انتقام لینے پر اتر آتی ہے تو دنیا کی کوئی شکتی اسے روک نہیں سکتی۔ تم نے میری محبت ٹھکرائی۔ میری توہین کی۔ میں تم سے اس کا بدلہ لے کر رہوں گی۔''

میں نے اس کی بکواس کا کوئی اثر لیا اور نہ جواب دیا۔ میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گھوڑے کو صحن میں درخت کے نیچے کھڑا کر کے باندھا' کمرے میں گیا تو چندا نہیں تھی۔ میں حیران تھا کہ وہ کہاں گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اس وقت تالاب پر نہانے گئی تھی۔ مجھے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑی اور میرے سینے سے لگ گئی۔

کوئی چوتھے دن دوپہر کے وقت گاؤں کے اس پار جو گاؤں تھا اس میں ایک قدیم اور بہت بڑا مندر تھا۔ میں نے سنا تھا کہ اس مندر میں جا کر جو من کی مراد مانگتا ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ مجھے باپ بننے کی خواہش تھی' اس لئے میں گیا تھا۔ جب میں مندر میں پرارتھنا کر کے لوٹا تو سہ پہر ہو رہی تھی۔ میری گلی میں ایک بھیڑ سی لگی تھی۔ درگا داس نے بتایا کہ چندا کا باپ بمل داس دو آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ چندا کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ جنگل کی طرف اسے لے گئے۔ جب وہ وہاں سے ایک

گھنٹے کے بعد لوٹے تو چندا ان کے ساتھ نہ تھی۔ پھر وہ گاؤں سے چلے گئے۔

میرا ماتھا ٹھنکا۔ میرے دل میں وسوسوں اور اندیشوں کے زہریلے ناگ پھنکارنے لگے۔ میں فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے جنگل میں زیادہ اندر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ ایک گھنے درخت کے نیچے چندا کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا تھا۔ میں یہ دلخراش منظر دیکھ کر بیہوش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد میں ہوش آیا تو چندا کی لاش کے قریب ہی پڑا تھا۔ پھر میں نے کالی دیوی اور اس بدروح کو دیکھا جو چندا کی لاش کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خون لگا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے چندا کے جسم میں جو خون بچا کھچا تھا اسے پی لیا ہے۔ میں انہیں دیکھ کر ڈر اور سہم گیا تھا۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں۔ گھوڑا انہیں دیکھ کر پہلے ہی بھاگ چکا تھا۔ میرے دل میں اس روز کا واقعہ یاد کر کے خوف سا ہوا۔ اب کالی دیوی اور بدروح مجھ سے بدلہ لیں گے۔ فرار کا راستہ بھی نہیں رہا تھا۔ بشارت اللہ صاحب بھی گاؤں میں موجود نہ تھے۔ اگر وہ ہوتے تو بمل داس کی کیا مجال تھی کہ وہ چندا کو یہاں لا کر قتل کر دیتا؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک باپ اتنا قسی القلب بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی سگی اولاد کو بربریت اور بہیمانہ طور پر قتل کر سکتا ہے؟

''تم کیا سوچ رہے ہو مکر جی!......؟'' کالی دیوی بولی۔ ''آخر تمہاری چندا کو اس کے باپ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا نا؟''

''ہاں......'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں ہوتا تو چندا کو قتل ہونے نہیں دیتا۔ اس کے ظالم باپ کو ہلاک کر دیتا۔''

''اچھا ہوا تم نہ تھے۔'' کالی دیوی بولی۔ ''تم ہوتے تو وہ تمہیں بھی اسی سفاکی اور درندگی سے قتل کر دیتے کیونکہ چندا کے باپ کے پاس تلوار تھی۔ ان کے ساتھ جو دو آدمی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں اس لئے کوئی بھی چندا کی مدد کیلئے آگے نہ بڑھ سکا۔ انہوں نے دھمکیاں دی تھیں۔ چندا کے باپ نے کہا کہ کسی نے چندا کو بچانے کی کوشش کی تو وہ اس کی گردن اڑا دے گا۔''

''یہ کیا ہو گیا......؟'' میں نے اپنا سر پکڑ لیا' ''کاش!...... میں چندا کو بھی اپنے

ساتھ لے گیا ہوتا۔"

"کیا تم اپنی چندا سے بات کرنا چاہتے ہو......؟" بدروح نے مجھ سے پوچھا۔ "کہو تو میں اسے کچھ دیر کیلئے زندہ کر دوں؟"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ مجھے اس کی بات سن کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا......؟" کالی دیوی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "ہم کیا کچھ نہیں کر سکتے ہیں؟"

"اسے کچھ دیر کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ کر دو......" میں نے کہا۔ "اگر اتنی شکتی دی ہوتی تو پھر کیا بات تھی۔"

"جتنی دیر کیلئے اسے زندہ کر سکتی ہو کر دو......" میں نے بے تابی سے کہا۔ "میں اس سے ایک بار آخری بار بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم ایسا کرو اس کا سر اٹھا کر گردن سے لگا کر رکھ دو......" بدروح نے کہا۔ "پھر آنکھیں بند کر لو۔ اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولنا جب تک ہم نہ کہیں...... تمہاری بیوی کے زندہ ہونے میں کچھ دیر لگے گی کیونکہ کالی ماتا سے اجازت لینی ہے۔"

چندا کے سر اور دھڑ کے درمیان کوئی دس بارہ قدم کا فاصلہ تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر چندا کا سر دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا۔ مجھے وہ لمحات اور گھڑیاں اور راتیں یاد آ گئیں جب میں اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کے اس کی آنکھوں میں جھانکتا' کبھی چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیتا اس سے پیار بھری باتیں کرتا' پھر اس کے چہرے پر جھک جاتا' بوسوں کی بوچھاڑ کر دیتا...... سرخ و گداز بھرے بھرے رسیلے ہونٹوں کی ساری مٹھاس اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیتا تھا۔ اس لمحے جانے کیا ہوا کہ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ایسا لگا کہ اس میں زندگی ہے۔ وہ مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ اس کے چہرے اور ہونٹوں پر مدھ بھری مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ اس کی آنکھیں اور لب جیسے کہے دے رہے تھے کہ...... کیا تم بوسہ نہیں لو گے...... بوسہ نہیں لو گے...... پھر میں نے بے تابانہ اس کے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے۔ میرا خیال تھا کہ بوسہ بے کیف اور بے جان ہو گا۔ اس کے لمس سے سرور نہیں ملے گا کیونکہ مردہ ہونٹ ہیں' سرد ہوں گے۔ ان میں حرارت نہ ہو

گی لیکن ایسی کوئی بات نہ تھی اس کے ہونٹوں کے لمس میں انوکھا اور لطیف پن تھا۔ جان تھی' تپش تھی۔ رس ہی رس بھرا تھا۔ میں ایک وحشی بن گیا تھا۔ بہت دیر اس کے چہرے اور ہونٹوں کے مجنونانہ انداز سے بوسے ثبت کرتا رہا۔ یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں بھی خود سپردگی ہے۔

"مکر جی! اب بس بھی کرو......" کالی دیوی نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے زندہ کرنے کا سمے گزر جائے۔"

اس کی بات سنتے ہی مجھے جیسے ہوش آیا۔ پھر میں نے اس کا سر لے جا کر اس کے دھڑ کے ساتھ اس طرح ملا کر رکھ دیا کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا ہو...... میں آنکھیں بند کر کے چندا کی لاش سے قدرے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

اس لمحے جنگل میں ایک ہولناک سکوت طاری ہو گیا۔ اس سکوت میں کالی دیوی کے منتر جاپ کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے جو پرندے چہچہا رہے تھے اور پتوں میں ہوا سے جو سرسراہٹ ہو رہی تھی وہ بند ہو گئی۔ مجھے اپنے دل کے دھڑکنے کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں دل میں حیرت اور تجسس سے سوچ رہا تھا کہ کیا ایسا ممکن ہے۔ چندا کچھ دیر کیلئے زندہ ہو جائے گی۔ میں نے کبھی ایسا واقعہ نہیں سنا تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ کالی ماتا چاہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتی؟

تھوڑی دیر بعد کالی دیوی نے جاپ کرنا بند کر دیا۔ پھر اس کی آواز فضا میں لہرائی۔ "مکر جی! اب آنکھیں کھول دو۔ دیکھو......"

میں نے فوراً ہی آنکھیں کھول کر چندا کی طرف دیکھا تو نظروں کو یقین نہیں آیا۔ ایک لمحے کیلئے ایسا لگا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی خواب تھا اور نہ ہی سپنا...... یہ حقیقت تھی۔ چندا زندہ ہو چکی تھی۔ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور میری طرف وارفتگی سے اور بجلی کی سی سرعت سے دوڑتی ہوئی آئی۔ میں نے اپنے بازو فضا میں پھیلا دیئے۔ دوسرے لمحے میں نے اسے بازوؤں کے حصار میں قید کر لیا اور اس کے چہرے پر جھک گیا۔ جذبات کی فراوانی نے ہمیں تھوڑی دیر کیلئے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا۔ جب محبت اور جذبات کا طوفان گزر گیا تو میں نے اس کے چہرے پر سے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ "چندا! تمہارے کمینے باپ نے ہمیں جدا کر دیا۔"

"میں نے اس کی بڑی منتیں کیں.....گڑگڑائی..... معافی مانگی.....لیکن اس پر ا
باتوں کا' میری التجاؤں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ.....تم اس ذلیل' کمینے او
سؤر کے ساتھ کیوں بھاگیں......؟ تم نے میرے خاندان کی ناک کٹوادی...... ذلیل اور رس
کر دیا......اس کی ماں ایک بدچلن اور آبرو باختہ عورت تھی' وہ غیر مردوں سے اپنا بدن مس
کرتی تھی...... میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن اس نے میری کوئی بات نہیں سنی...... مجھے
اپنے جال میں پھانسنا چاہتی تھی۔ جب میں نے اس کی سزا دینا چاہی تو وہ بھاگ گئی......اس
نے اپنے پتی کو اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ اسے بدچلنی سے باز رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ میں
اس کی تلاش میں گیا تو میں نے اسے ستیو رام کے ساتھ ایک کمرے میں دیکھا۔ میری غیرت
نے گوارا نہیں کیا۔ میں نے اسے قتل کر دیا۔ مکرجی کا باپ کون ہے یہ صرف وہی جانتی تھی۔
وہ ناجائز اولاد تھی۔ تم نے ایک ایسے شخص سے شادی کر لی۔"

میں اپنے باپ کی باتیں سن کر آپے سے باہر ہو گئی۔ پھر میں کہے بغیر نہ رہ سکی۔
"پتا جی! آپ جھوٹ بول رہے ہیں...... آپ ایک معصوم اور سیدھی سادی اور شریف او
پاکباز عورت پر' ایک ماں اور بیوی پر بہتان نہ لگائیں...... آپ اپنے گریبان میں کیوں نہیں
جھانکتے ہیں...... آپ نے گاؤں کی کتنی ہی عورتوں اور حویلی کی عزت تباہ کی...... کبھی آپ ک
شرم اور غیرت نہیں آئی۔ آپ کے ہاتھوں سے وہ لڑکیاں بھی نہیں بچیں جو آپ کی بیٹی کی عم
سے بھی چھوٹی تھیں۔ دنیا میں ایسا کون ذلیل باپ ہوگا۔ آپ سے بڑا پاپی کوئی نہیں تھا۔
آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ مکرجی جیسا بھی ہے جو بھی ہے وہ میرا پتی داتا ہے۔ آ
سے نہ ہی میں آپ کی بیٹی ہوں اور نہ میں آپ کی کچھ لگتی ہوں اور آپ میرے پتا جی نہیں
ہیں۔ ایک ظالم' جلاد اور درندہ صفت ہیں۔"

میں غصے' ہیجان کی حالت میں جذبات کی رو میں جانے کیا کیا کچھ کہہ گئی۔ میر
باپ مشتعل ہو گیا کیونکہ میرے باپ کو آج تک کسی نے گالیاں نہیں دیں اور نہ اس طرح
ذلیل کیا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ...... یہ میری اولاد ہو نہیں سکتی...... یہ میر
خون نہیں ہے......اس کی ماں نے سیاہ کاری کی ہے جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوئی ہے......
یہ میرا خون اور میری بیٹی ہوتی تو ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالتی...... اس کی ماں نے اس
سے کہا ہوگا۔ بتایا ہوگا کہ وہ کس کی بیٹی ہے۔ بمل داس تمہارا حقیقی باپ نہیں ہے۔ اسی لئے

یہ کمینی' ذلیل اور طوائف کی اولاد میرے خلاف بکواس کر رہی ہے...... میں اسے قتل کرنے
سے پہلے تم دونوں کو اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ اس کی عزت کی دھجیاں اڑا دو۔ انہوں
نے وہی کچھ کیا جو میرا باپ چاہتا تھا۔ اس نے میری ماں پر بہت بڑی تہمت لگائی تھی۔ جب
وہ دونوں میری عزت تاراج کر چکے تو میرے باپ نے تلوار میان سے نکال کر میرا سرتن
سے جدا کر دیا۔"

"واقعی تمہارے باپ سے زیادہ ذلیل شخص کوئی اس دھرتی پر نہیں ہوگا۔ اس نے
کمینگی کی انتہا کر دی۔" میں نے حقارت سے کہا۔
"مکرجی!" چندا نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "مکرجی! تم وعدہ کرو...... وچن دو
کہ میرے باپ سے بدلہ لو گے۔"
"میں وچن دیتا ہوں کہ تمہارے ذلیل' کمینے باپ سے بدلہ لوں گا۔ اسے ذبح کر
کے اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلاؤں گا۔ اسے ذبح کرنے سے پہلے اس کا عضو
عضو کاٹتا رہوں گا۔ تاکہ وہ اذیت اور درد سے تڑپتا رہے۔"
"ایسے نہیں......تم کالی ماتا کی سوگند کھا کر کہو گے...... اپنے پتا جی' ماتا جی اور
میرے خون کا بدلہ اس سے لو گے۔ ایسا بھیانک اور ہولناک بدلہ لو گے کہ تاریخ یاد رکھے
گی......اسے تڑپا تڑپا کر کتے کی موت مار دو گے۔"
"سوگند ہے کالی ماتا...... کالی ماتا تو اس پجاری کی لاج رکھ لے...... میں تیری
سوگند کھا رہا ہوں۔ مجھے شکتی دے' میرے جسم اور آتما کا بلیدان قبول کر......"
میں نفرت اور غصے سے لرز رہا تھا۔ انتقام کی آگ نے میرے سینے اور پورے جسم
میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ اس لمحے چندا میرے بازوؤں سے نکل کر زمین پر گری......اس کا
ر اور تن جدا ہو گئے۔ اتنے میں درگاداس اور محلے کے لوگ آتے دکھائی دیئے تو کالی دیوی
اور بدروح غائب ہو گئیں۔ وہ لوگ چندا کی سربریدہ لاش دیکھ کر بری طرح دہشت زدہ ہو
گئے۔

دن ڈوبنے سے پہلے ہی چندا کی آخری رسوم ادا کی گئیں۔ اس کے کریا کرم میں
ارا گاؤں ہی شریک تھا۔ عورتوں اور لڑکیوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ آج بھی میں سوچتا
وں تو حیرت ہوتی ہے کہ میں نے اپنی پیاری اور جان سے عزیز پتنی کی المناک موت کا

صدمہ کیسے اور کیونکر برداشت کر لیا۔ جس وقت میں نے چندا کی چتا کو آگ لگائی تو من میں آیا کہ خود بھی اس آگ میں جل جاؤں۔ آخر باوفا اور بے انتہا پیار کرنے والی بیویاں بھی فراموش ہو جاتی ہیں۔ ایک مرد اپنی جان نذر نہیں کر سکتا۔

جب چتا سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تو مجھے لگا کہ چندا کی روح صرف مجھے نظر آ رہی ہے اور مجھ سے کہہ رہی ہے کہ اگر تم نے اپنے غم و غصے پر قابو نہیں پایا اور اپنے آپ کو نہیں سنبھالا اور ہمت و حوصلے سے کام نہیں لیا تو پھر ہماری خوشیوں کے قاتل سے انتقام کون لے گا۔ اس شقی القلب شخص نے اپنی سگی بیٹی کی اپنی نظروں کے سامنے بے حرمتی کرائی اور اسے نہیں بخشا...... کیا دنیا میں ایسے بے رحم اور درندہ صفت باپ بھی ہوتے ہیں...... پھر میں نے سوچ لیا کہ اب زندہ رہوں گا تو صرف اور صرف انتقام کیلئے۔

مرگھٹ سے گھر آ کر میں نے سوچا کہ...... بمل داس کو ہمارا پتہ کیسے ملا......؟ یہ سوال میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ میری حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی کہ بمل داس کو کیسے خبر ہو گئی کہ میں اور چندا اس گاؤں میں موجود ہیں کیونکہ یہ گاؤں تو بہت دور دراز واقع تھا۔ بمل داس کے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایک خیال اور آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ بمل داس اور اس کے آدمیوں نے شیورام کو ڈھونڈ نکالا ہو۔ ان سے میرا پتہ معلوم کیا ہو لیکن میں جانتا تھا کہ سیتورام جان دے دیں گے لیکن پتہ نہیں دیں گے۔ یوں بھی کئی دنوں کی مسافت تھی۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

جب رات بھیگ رہی تھی تب دروازے پر دستک ہوئی۔ میں اس وقت جاگ رہا تھا۔ چندا کی دردناک موت کے غم نے میری نیند اڑا دی تھی۔ میں نے سوچا کہ اتنی رات گئے کون آ سکتا ہے؟ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر کالی دیوی کھڑی تھی۔ اس وقت اس میں بلا کی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے...... تمہارا اس وقت کیسے آنا ہوا؟''

''میں اس وقت یہ بتانے آئی ہوں کہ بمل داس سے کس نے مخبری کی...... لیکن یہ ایک شرط پر بتاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''کیا شرط ہے تمہاری......؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔ ''اگر شرط آسان ہوئی تو پوری کر دوں گا۔''

''مجھے ایک جوان لڑکی کا خون پینا ہے...... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم کل گاؤں کی کسی لڑکی کو بہلا پھسلا کر لاؤ...... کہیں سے بیہوشی کے سفوف کا انتظام کر لو۔ اسے دودھ میں ملا کر پلا دینا' وہ بیہوش ہو جائے گی تو میں اس کا خون پی لوں گی۔''

''میں اس کا جتنا خون پیوں گی' اپنا اتنا ہی خون اس کے جسم میں منتقل کر دوں گی۔''

''اس سے کیا حاصل ہوگا...... کیا خون میں کوئی مزا اور نشہ ہوتا ہے جو تم جوان لڑکی کا خون پینا چاہتی ہو؟''

''اصل بات یہ ہے کہ میں اپنی بدصورتی سے تنگ اور عاجز ہو چکی ہوں۔ میں اب حسین دیوی کہلانا چاہتی ہوں اور پھر نوجوان بھی...... یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ لڑکی خوبصورت اور نوجوان اور پرکشش ہو۔ میرا روپ اسے مل جائے گا اس کا مجھے۔''

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے منظور ہے' اب تم جلدی سے بتا دو کہ کس نے مخبری کی......؟''

''رادھا نے......'' اس نے کہا۔ ''اس رات جب تم نے اسے پہلی بار جھڑک دیا اور اس کی بات نہیں مانی تھی اور پھر ایک دن دوپہر کے وقت تم نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ اس نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کیلئے بمل داس کو چٹھی لکھی اور ایک آدمی کو کچھ رقم دے کر کہا کہ وہ بمل داس کو دے آئے۔ اس نے چندا کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لے کر اس سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔''

''اوہ تو یہ بات ہے......'' میں نے کہا۔ ''اگر میں رادھا کو یہاں لا کر تمہاری شرط پوری کر دوں تو......؟''

''رادھا......؟'' وہ ایک دم سے خوش ہو گئی۔ ''رادھا جیسی لڑکیاں گاؤں میں اکا دکا ہیں۔''

کالی دیوی کچھ دیر بعد رخصت ہو گئی۔ میرے جی میں آیا کہ ابھی اور اسی وقت اس کے گھر میں گھس جاؤں' اس کی بے حرمتی کر کے اسے قتل کر کے اس کی لاش جنگل میں لے آؤں۔ پھر اس کا سر تن سے جدا کر دوں' پھر اس کی آنکھیں نکال دوں۔ ایک بڑا پتھر اٹھا کر اس سے اس کا سر پاش پاش کر دوں۔ پھر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چاروں

طرف پھینک آؤں۔ پھر میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔ اس کی سب سے بڑی سزا
یہ تھی کہ اسے بدصورت بنا دیا جائے تاکہ کوئی مرد اس کے قریب نہ جا سکے۔ یہ کام کالی دیوی
انجام دینے والی تھی۔ اس لئے میں نے رادھا سے بھیانک انتقام لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا
لیکن اب میں اسے جی بھر کے آلودہ کرنا چاہتا تھا۔ اب تک میں نے کسی عورت کی طرف
آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا لیکن اب میں نے درندہ صفت بننے کا ارادہ کرلیا۔ سب سے پہلے
میں رادھا کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔

بشارت اللہ صاحب گاؤں ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ وہ ہوتے تو چندا کے کریا
کرم میں ضرور شریک ہوتے اور مجھے رادھا سے انتقام لینے اور کالی دیوی کی شرط پوری کرنے
سے باز رکھتے۔ ان کے ایک دوست نے بتایا کہ وہ چونکہ بیمار ہو گئے ہیں اس لئے دس بارہ
دن بعد آئیں گے۔ میرا راستہ صاف تھا۔ اب مجھے کوئی بھی کسی کام سے روک نہیں سکتا تھا۔

میں رادھا کے بارے میں سوچ رہا اور منصوبہ بنا رہا تھا کہ دروازے پر دستک
ہوئی۔ دروازہ کھولا تو رادھا افسردگی کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ وہ اندر چلی آئی اور بولی۔ "چندا
کی موت کا سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں متھرا پور اپنی پھوپھی سے ملنے گئی ہوئی تھی...... رات
ہی لوٹی ہوں۔ مکرجی! مجھے معاف کر دیں۔ اس روز میں نے تمہارے ساتھ بڑی بدتمیزی
کی۔"

میرے جی میں آیا کہ اس عیار اور مکار عورت کا دونوں ہاتھوں سے گلا گھونٹ دوں
کیونکہ یہ ساری کارستانی اس کی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے کارن ہوا تھا۔ اس نے چندا کو
میرے حصول کیلئے راستے سے ہٹایا تھا۔ میں نے بڑا ضبط کیا اور اس کی طرف دیکھا۔ بظاہر
وہ پرسہ دینے آئی تھی لیکن اس کے کیا ارادے ہیں اس وقت آنے اور اس کے حسن کی کرشمہ
سازیوں سے ظاہر تھا۔ اس کے بدن اور بالوں سے سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک اٹھ رہی
تھی۔ وہ نہا کر آئی تھی۔ جب عورت نہاتی ہے تو اس کے بدن اور بالوں سے ایسی ہی مست
کر دینے والی خوشبو پھوٹتی ہے۔

"کیا تم مجھ سے انتقام لینے آئی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر
کے کہا۔ "تمہیں چندا کی دردناک موت سے بہت خوشی اور شانتی ملی ہو گی...... کیونکہ تمہارے
دل کی آرزو پوری ہو گئی کہ مجھے بہت بڑا غم ملا ہے۔"

"نہیں...... نہیں......" وہ میرے قدموں میں سر رکھ کر سسکنے لگی۔ "میں نے اس
روز نفرت اور غصے کی حالت میں جانے کیا کچھ کہہ دیا تھا۔ مجھے معاف کر دو مکرجی! میری
محبت نے مجھے تمہارے حصول کیلئے پاگل کر دیا تھا۔ اسی لئے میں تم سے معافی مانگنے اور تمہارا
غم بانٹنے آئی ہوں۔"

پھر وہ صبح سورج نکلنے تک رکی رہی' میرا غم بانٹتی رہی۔ ہم دونوں جوانی کے جنگل
میں بہت دور چلے گئے تھے۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ آخر اس نے مجھے فتح کرلیا اور میں
اس بات سے خوش تھا کہ میں نے اس کے وجود کو آلودہ کر دیا۔ اس نے مجھ سے کہا بھی تھا
کہ میں کچھ دنوں بعد اس سے شادی کرلوں۔ وہ میری چندا سے بھی بڑھ کر سیوا کرے گی۔

مجھے خیال آیا کہ بھل داس مجھے قتل کرنے آ سکتا ہے کیونکہ میں اس کا اصل دشمن
تھا اور وہ میرے خون کا پیاسا تھا۔ چندا کو قتل کرنے کے بعد اس کی پیاس نہیں بجھی تھی۔ مجھے
چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے ناشتہ کرنے کے بعد سب سے پہلے
ایک خنجر خرید لیا کہ بھل داس سے سامنا ہوتے ہی یہ خنجر اس کے اور اس کے ساتھیوں کے
سینے میں جھونک دوں گا۔

میں گھر پہنچا تو تھوڑی دیر بعد گاؤں کا ادھیڑ عمر نائی مہاویر آیا اور روتا ہوا میرے
قدموں میں گر پڑا۔ "مجھے شما کر دو۔"

"کیا ہوا بھیا!......؟" میں اس کی حرکت سے بڑا حیران ہوا اور اس کے کندھے
پکڑ کر اٹھایا۔ "کس بات کی معافی مانگ رہے ہو؟"

میرے دریافت کرنے پر اس نے جو کہانی سنائی اس سے نہ صرف کالی دیوی کی
بات درست نکلی بلکہ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا کہ سارے فساد کی جڑ مکار لومڑی
رادھا ہی ہے۔ مہاویر کی پتنی کا تین مہینے پہلے دیہانت ہو گیا تھا۔ پھر اس نے ایک بیوہ
عورت سے شادی کر لی۔ وہ سودا سلف لینے بنیے کی دکان پر آتا تھا۔ اس نے کسی بہانے سے
مہاویر کو اندر بلایا اور اسے اپنے دام میں پھانس لیا۔ ایسی جوان عورت کا وہ غلام ہو گیا۔ اس
نے مہاویر سے اس شرط پر تعلقات قائم رکھنے کا وعدہ کیا کہ...... وہ ندوں گاؤں جا کر چندا
کے باپ سے ملے۔ چندا کا باپ سخت بیمار ہے' وہ اپنی بیٹی کو یاد کر کے روتا رہتا ہے' تم اسے
جا کر میری یہ چٹھی دے دو۔ خبردار اس بات کی ہوا تمہاری بیوی کو بھی نہ لگے۔ یہ راز تمہارے

سینے میں رہے۔ اگر تم نے اس کا پاس کیا تو تمہارا جی جب بھی کرے میرے پاس آنا۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ تم کچھ دنوں بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔ وہ اس کی جھوٹی محبت' مہربانی کے فریب اور جھانسے میں آ گیا۔ جب چندا قتل ہو گئی تو اسے معلوم ہوا کہ رادھا نے اس سے کتنا بڑا پاپ کروایا ہے۔

مہاویر بے قصور تھا۔ میں نے اس کی کہانی سن کر کہا۔ ''میں تمہیں ایک شرط پر معاف کر سکتا ہوں۔''

''میں تمہاری ہر شرط پوری کرنے کیلئے تیار ہوں۔'' مہاویر نے میرے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''تم حکم کرو۔''

''تم مجھے کہیں سے ایسا سفوف لا دو جو بیہوش کرنے کا کام کر سکے۔'' میں نے کہا۔ ''اس بات کا رادھا کو پتہ نہ چلے اور نہ ہی تم اسے یہ بتانا کہ تم نے سارا راز ضمیر کی ملامت کرنے پر مجھ پر ظاہر کر دیا۔ تم رادھا سے اس بہانے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھاؤ۔ لیکن یہ بات تم نہیں بھولنا کہ وہ ایک زہریلی ناگن ہے۔ وہ کسی بھی لمحے تمہیں موقع پا کر ڈس سکتی ہے۔''

مہاویر نے دوسرے دن مجھے ایک پڑیا لا کر دی جس میں بیہوشی کا سفوف تھا۔ میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کس سے لے کر آیا ہے۔ رات جب رادھا آئی اور جوا کے جنگل سے واپس آئے تو میں نے اس کی نظریں بچا کر اس کے دودھ کے گلاس میں بیہوشی کا سفوف ملا دیا۔ جب وہ بیہوش ہو گئی تو میں نے اسے گھوڑے پر ڈالا اور جنگل میں لے گیا۔ جہاں بدروح اور کالی دیوی انتظار کر رہی تھی۔ کالی دیوی نے مجھ سے کہا کہ اب تم جاؤ...... اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں ہے' مجھے اپنا کام کرنے دو۔

میں گھر آ کر سو گیا۔ دن چڑھے تک سوتا رہا۔ شاید سوتا ہی رہتا اگر مہاویر آ کر مجھے جگاتا نہیں...... اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ میں نے گھبرا کے پوچھا۔ ''کیا ہوا خیریت ہے؟...... تمہارے اس وقت کیسے آنا ہوا......؟''

''خیریت ہی نہیں ہے مکر جی!'' اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''رادھا نے سنکھیا کھا کر خودکشی کر لی ہے۔''

''خودکشی کر لی ہے...... ؟ کیوں اور کس لئے......؟'' میں بھونچکا سا ہو گیا۔ اس کی

بات کا یقین نہیں آیا۔

''اس لئے کہ اس نے صبح اٹھ کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا جو کسی چڑیل کی طرح ہو گیا تھا۔ اس کا باپ اس کا چہرہ دیکھ کر خوف و دہشت سے بیہوش ہو گیا...... اس نے کوئی دو ہفتے قبل مجھ سے سنکھیا منگوائی تھی کیونکہ ایک سانپ رات کو گھر میں گھس آتا تھا۔ وہ سنکھیا دودھ میں ملا کر اس سانپ کو مار دینا چاہتی تھی لیکن اس نے وہ سنکھیا کھا کر خودکشی کر لی کیونکہ اس جینے سے مرجانا اس کے نزدیک بہتر تھا۔''

''حیرت کی بات ہے کہ وہ راتوں رات اچانک ایک چڑیل جیسی کیسے بن گئی؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''میرا خیال ہے کہ چندا کی آتما نے اس سے انتقام لیا ہو گا؟'' مہاویر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ''اور لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ کسی چڑیل یا آتما کا شکار ہوئی ہے کیونکہ اس کے کرتوت اور لچھن اچھے نہیں تھے۔''

رادھا کی موت افسوسناک اور دردناک تھی۔ اس کی موت سے مجھے افسوس نہیں ہوا۔ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے زبردست انتقام لیا اور میری چندا کو قتل کرا دیا۔ میرا گھر اور خوشیاں اجاڑ دیں۔ میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ عورت کا انتقام کیسا خوفناک ہوتا ہے۔ اگر میں اسے خوش کرتا رہتا تو آج یہ دن مجھے دیکھنا نہ پڑتے۔

میں نے سوچا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اب مجھے بمل داس سے انتقام لینا ہے۔ میں نے سوچا۔ میں نے کالی ماتا کی سوگند کھائی ہے۔ چندا کو وچن دیا ہے۔ مجھے اس وقت چین نہیں آ سکتا تھا جب تک میں بمل داس کو موت کی نیند نہ سلا دوں۔ وہ جب تک زندہ رہے گا میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا اور انتقام کی آگ میں جلتا رہوں گا۔ مجھے بشارت اللہ صاحب کے آنے سے پہلے گاؤں چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ وہ مجھے جانے اور پھر انتقام لینے جانے نہیں دیں گے کیونکہ مسلمان اور بزرگ آدمی ہیں۔ وہ ہر بات کو اللہ کی ذات پر چھوڑ دیتے ہیں۔ گاؤں میں سلمان صاحب کے نوجوان بیٹے کو لڑائی جھگڑے میں اس کے سر پر ڈنڈا مارا گیا تو وہ مر گیا۔ سلمان صاحب اس قاتل لڑکے سے اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ قتل سے لینا چاہتے تھے۔ خون کا بدلہ خون...... بشارت اللہ صاحب نے انہیں سمجھایا تھا کہ...... انسان اس مالک بزرگ و برتر کے سامنے بہت حقیر ہے۔ ایک حقیر ترین ذرے سے

بھی حقیر...... انسان کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لے اسے کامیابی اسی وقت ملتی ہے جب خدا کی مشیت ساتھ دے۔ انسان کے بس میں کچھ بھی نہیں ہوتا...... مشیت الٰہی کیا ہے۔ انسان اس سے لاعلم ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔ مشیت ایزدی کی یہ مصلحت تھی کہ یہ واقعہ پیش آئے۔ تم صبر سے کام لو۔ اپنا اور اس قاتل لڑکے کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو...... وہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔

وہ مجھے بھی اسی قسم کی نصیحت کرتے جس سے میرے دل کو اطمینان نہ ہوتا اور نہ ہی میں ان کی کسی بات سے قائل ہوتا۔ وہ میرا ذہن پڑھ کر بار بار یہی کہتے کہ اور بڑے پیار سے سمجھاتے کہ میں صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دوں۔ جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤں جو کل کسی پچھتاوے کا سبب بن جائے۔ چونکہ میں ان کی سوچ' مزاج اور طبیعت سے واقف تھا اس لئے ان سے کچھ کہنا سننا بیکار تھا۔

میں ان کی بات اس لئے بھی مان نہیں سکتا تھا کہ اب میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ میری واپسی ناممکن تھی کیونکہ میں نے کالی ماتا کی سوگند کھائی تھی اور چندا کو وچن دیا تھا۔ اب میں اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتا تھا کیونکہ کالی ماتا مجھ سے ناراض ہو جاتی اور چندا کی آتما بھی......
اب اس گاؤں میں ایک دن کیا ایک گھنٹہ رہنا بھی مشکل تھا اور چندا کے بغیر رہنا بھی بیکار...... میری زندگی اور ساری خوشیاں اجڑ چکی تھیں۔ میرے سارے سپنے موتی کی مالا کی طرح بکھر گئے تھے۔ میں اس لئے بھی اس گاؤں سے جانے سے ایک دن کی تاخیر نہ کرنا چاہتا تھا کہ بشارت اللہ صاحب نہ آ جائیں۔ ان میں کچھ ایسا سحر اور جلال تھا کہ میں مرعوب اور متاثر سا ہو جاتا تھا اور پھر مجھے اس ذلیل اور شقی القلب بمل داس سے انتقام لینا تھا جو میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

جب میں گاؤں سے نکلا تو لانچ میں سفر کے دوران مسافروں نے بتایا کہ شیام پور میں میں کچھ عرصہ کیلئے رک جاؤں۔ وہ لوگ بھی شیام پور جا رہے تھے کیونکہ دیش کی صورتحال بہت تیزی سے بدلتی اور سنگین سے سنگین تر ہوتی جا رہی ہے۔ انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کیلئے ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر جو تحریک چلا رکھی تھی اس کے نتیجے کے آثار کچھ عرصے سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ انگریز اب چونکہ دم دبا کر ایشیا اور برصغیر سے بھاگ رہا تھا تو اس نے یہ سرزمین چھوڑنے سے پہلے ذلالت اور کمینگی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

اس نے دونوں قوموں سے بدلہ لینے کی غرض سے ان کے درمیان جو نفرت کا بیج بو دیا تھا اس نے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کا زہر ہندوؤں اور مسلمانوں میں سرایت کر چکا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جان کے دشمن بن گئے تھے۔ اس میں اہم کردار غداروں اور ان کے ایجنٹوں نے ادا کیا تھا۔ شرپسند عناصر کا کوئی دھرم ایمان نہیں ہوتا اس لئے پورے دیش میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ ہر طرف خون و آگ کی ہولی کھیلی جانے لگی۔ شیام پور ایک دور افتادہ گاؤں ہونے کے باعث خون خرابے اور ہندو مسلم فساد سے محفوظ رہا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں بڑی یکجہتی بھی تھی۔ ان لوگوں نے نفرت کا سایہ بھی پڑنے نہیں دیا۔

شیام پور میں ایک بہت بڑا اور گھنا جنگل تھا جو سندر بن کے جنگل سے جا ملتا تھا لیکن اس جنگل اور سندر بن جنگل کے درمیان کوئی 20 میل کا فاصلہ تھا۔ اس جنگل کے قریب ایک آبادی تھی۔ جنگل اور گاؤں کے درمیان دو میل کا فاصلہ تھا۔ میں نے ایک سرائے میں قیام کیا جس کی مالکن 30 برس کی عمر کی تھی۔ اس نے کسی وجہ سے شادی نہیں کی تھی۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی لیکن اس میں اتنی جاذبیت اور دلکشی تھی کہ مرد اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ سیاح لوگ اس گاؤں میں شکار کیلئے آتے تو اس سرائے میں ٹھہرتے تھے۔ اس گاؤں کے جنگل میں ہرن' تیتر' بٹیر اور جنگلی گائے کا شکار ملتا تھا۔ مجھے اس عورت اور جنگل کے پاس والی آبادی کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکا تھا کیونکہ مجھے ایک ہی دن ہوا تھا۔ میں دوسرے دن ان کی اس آبادی کی طرف ٹہلتا ہوا نکل گیا کیونکہ مجھے یہاں کوئی کام نہ تھا اور پھر میں نے سوچا نہیں تھا کہ یہاں میری مصروفیت اور آمدنی کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے تاہم میرے پاس اتنی رقم تھی کہ میں ایک ڈیڑھ برس کوئی کام کیے بغیر بڑے ٹھاٹھ سے گزر بسر کر سکتا تھا لیکن میں پھر بھی اپنے آپ کو مصروف رکھنا چاہتا تھا۔

اس آبادی سے قریب اور پہلے دریا پڑتا تھا۔ جب میں دریا پر پہنچا تو میں نے کنارے پر کچھ نوجوان لڑکیوں اور تیس سے چھتیس برس کی عورتوں کو بڑی بے فکری اور آزادی سے نہاتے دیکھا۔ وہ مجھے حیرت اور خوشی سے دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ میں نے دو باتیں دیکھیں۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ دریا کے کنارے اور آبادی کے قریب دور دور تک کسی نوجوان لڑکے اور مرد کا کوئی نام و نشان نہیں تھا صرف گھوڑے' ہرن' بکرے

بکریاں' پنجروں میں پرندے دکھائی دیئے تھے۔ ان پرندوں میں اکثریت خوبصورت طوطوا
کی تھی۔ اس آبادی کے قریب ایک حویلی بھی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ یہ ساری لڑکیا
بہت حسین اور قیامت تھیں۔ ان میں ایک دم سے جو کشش اور دلکشی محسوس ہوئی وہ میں ۔
کسی عورت میں نہیں دیکھی تھی۔ چندا میں بھی نہیں تھی۔ میرا خیال تھا اور یہ حقیقت بھی تھی
میں نے چندا جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی اور وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی تھی لیکن ان کا حس
و جمال ایسا تھا کہ چندا کا حسن و شباب ماند پڑ جائے۔ میں انہیں دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا تھا
ایسا لگ رہا تھا کہ حسین اور جوان لڑکیوں اور عورتوں کا انبوہ صرف اس گاؤں میں ہے۔ ا
عورتوں اور لڑکیوں نے آ کر مجھے اس طرح گھیرے میں لے لیا جسے میں کسی دور دیش سے
آیا ہوا کسی ریاست کا راج کمار ہوں۔ میں کوئی عام قسم کا جوان نہیں تھا۔ ایک دراز قد ا
کڑیل مرد تھا۔ میرا سینہ چوڑا چکلا اور مضبوط تھا۔ میرے بازوؤں میں فولادی طاقت تھی
مجھے لڑکیاں اور عورتیں اس طرح دیکھتی تھیں جیسے میں ان کا تصور ان کا محبوب ہوں لیکن م
نے ان کی توجہ سے کبھی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی جبکہ ان کی نگاہوں کی زبان بہ
سارے پیام دے رہی تھیں۔ میں چاہتا تو انہیں صرف ایک پل میں اپنا اسیر بنا سکتا تھا۔

ان میں ایک عورت جو سفید ساڑھی میں ملبوس تھی اس نے سوال کرنے میں پہل
کی۔ ''کیا تم پردیسی ہو اور شکار کھیلنے آئے ہو......؟''

''میں پردیسی ہوں لیکن شکار کھیلنے نہیں آیا ہوں؟'' میں نے اس کے چہرے
نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

''شکار کھیلنے نہیں آئے ہو تو پھر کس لئے آئے ہو......؟'' نیلے رنگ کی ساڑھی وا
17 برس کی عمر کی لڑکی بولی۔

''دیش میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''جب
تک دیش میں شانتی نہیں ہو جاتی میں یہیں رہوں گا۔''

''اگر شانتی ہونے میں سال چھ مہینے لگ گئے تو کیا تم اس وقت تک شیام پور م
ہی رہو گے؟'' کالی ساڑھی والی نے سوال کیا۔

''مجبوری ہے رہنا پڑے گا۔'' میں نے اس کی بات کا جواب دیا۔ ''جلد
خطرے سے خالی نہیں ہے' حالات دیکھ کر ہی جاؤں گا۔''

''تمہارا نام کیا ہے راج کمار جی......'' بیگنی ساڑھی والی عورت نے شوخ لہجے میں
دریافت کیا۔ ''تم کس شہر سے آئے ہو؟''

''میرا نام ستیش مکر جی ہے......'' میں اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں کھو
سا گیا۔ ''میں چٹاگانگ شہر سے آیا ہوں۔''

اتنے میں سرائے کی مالکن موہنی آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی لڑکیاں اور عورتیں کھسک
گئیں۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان میں ایک عورت جس کی عمر چھتیس برس کی
تھی اور بلا کی حسین تھی اس نے پوچھا۔ ''تمہیں اس گاؤں کی کیا چیز پسند آئی؟''

''عورت......'' میری زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ ''میں نے تم اور اس
گاؤں جیسی عورتیں خواب میں بھی نہیں دیکھیں۔''

''اچھا......اچھا......اب چلو۔'' موہنی نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''
کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔''

''موہنی......!'' اس عورت نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''یہ تمہاری ملکیت نہیں
ہے' یہ پردیسی ہے' مہمان ہے۔''

''میں نے کب کہا یہ میری ملکیت ہے۔'' موہنی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''یہ سرائے
میں ٹھہرا ہے' یہ میرا مہمان ہے' تم لوگوں کا نہیں......''

موہنی مجھے سرائے کی طرف لے کر بڑھی تو میں دل میں حیران تھا کہ موہنی کو دیکھ کر
ساری عورتیں اور لڑکیاں بادلوں کی طرح چھٹ کیوں گئیں...... یہ کیا اسرار ہے......اور پھر یہ
عورت اس سے الجھ گئی۔ آخر کیا بات ہو سکتی ہے؟

''یہ تم چڑیلوں میں کہاں پھنس گئے تھے؟'' موہنی نے چلتے چلتے کہا۔ ''اچھا ہوا میں
تمہیں تلاش کرتی ہوئی ادھر آ نکلی۔''

''کیا چڑیلیں اتنی حسین اور دل فریب حسن و شباب کی مالک ہوتی ہیں؟'' میں
نے شوخ لہجے میں کہا اور اس کی طرف دیکھا۔

''یہ اپنے آپ کو دنیا کی حسین ترین عورت ایک لمحہ میں بنا لیتی ہیں۔ یہ ساری
جادوگرنیاں ہیں۔'' موہنی نے کہا۔

''ہاں...... یہ جادوگرنیاں ضرور ہوں گی۔'' میں مسکرایا۔ ''اس کے حسن و شباب

نے مجھ پر واقعی جادو کر دیا ہے۔''

''یہ صرف جادوگرنیوں کی آبادی ہے۔'' موہنی بولی۔ ''تم ادھر بھولے سے بھی نہیں آنا کیونکہ یہ تمہیں......''

موہنی کا جملہ ادھورہ رہ گیا کیونکہ اس کی ملازمہ اس کی طرف دوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے قریب آ کر سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر بولی۔ ''وہ جو دو مہمان تھے نا...... ابھی اور اسی وقت گھاٹ کی طرف گئے ہیں۔ میں نے انہیں بہت روکا لیکن انہوں نے میری ایک بات نہیں سنی اور نہ ہی آپ کا انتظار کیا۔''

''ان کے جانے سے تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو' جاتے ہیں تو جانے دو۔ وہ مہمان تھے' رشتہ دار تو نہیں۔'' موہنی تنک کر بولی۔

''اس لئے کہ انہوں نے حساب بے باق نہیں کیا۔'' ملازمہ بولی۔ ''یہ لوگ اچھے بھی نہیں تھے۔ انہوں نے مجھے پریشان بھی بہت کیا ہے۔''

''انہوں نے آج صبح ہی سارا حساب کر دیا تھا۔ تمہیں دس ٹاکا کی بخشش بھی دی ہے۔'' موہنی نے بے پروائی سے کہا۔ ''تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم ہر وقت ان کی ہر طرح سے سیوا کرتی پھرو۔ تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا تھا۔ کیا انہوں نے تمہیں اس سے پہلے بھی بخشش دی ہے؟''

''ان دونوں نے بیس بیس ٹاکا بخشش دینے کیلئے کہا تھا جبکہ دس دنوں تک میں ان کا ہر طرح خیال رکھتی رہی اور ہر طرح سے خوش کرتی رہی۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''انہوں نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں نے بھی اچھا نہیں کیا۔ میں نے ان کی جیب سے تیس تیس ٹاکا نکال لئے کیونکہ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ مجھے ایک کوڑی بھی نہیں دیں گے۔ ان سے تو گورے لوگ اچھے ہوتے ہیں جو خوب نوازتے ہیں۔''

''آئندہ تم مہمانوں کی جیب پر ہاتھ صاف نہیں کرنا...... اپنے کام سے کام رکھنا۔ جو وہ خوشی سے دیا کریں لے لیا کرنا...... اور پھر یہ تم ہر کسی پر مہربان کیوں ہوتی پھرتی ہو......؟ تمہارا پتی تم سے کچھ نہیں کہتا' اسے کسی دن معلوم ہو گیا تو وہ تمہاری کھال کھینچ لے گا۔''

''میں کیا کروں...... میں کب چاہتی ہوں کہ ایسا کروں...... میرا پتی خود بھی یہی

چاہتا ہے کہ میں اپنی جوانی اور کشش ان مہمانوں سے خوب فائدہ اٹھاؤں۔ اس نے مجھے مجبور کیا ہوا ہے اس لئے وہ کوئی کام نہیں کرتا۔ چارپائی توڑتا رہتا ہے۔ جب میں کہتی ہوں کہ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں' راتوں کو مہمانوں کی بیوی بن جاؤں وہ مجھے مارتا ہے۔ اب وہ بھی کیا کرے' اسے کوئی کام نہیں ملتا ہے' بیمار بھی رہتا ہے۔ میں ایسا نہ کروں تو گزارہ کیسے ہو۔ میری ماں اور ساس کو بھی تو دیکھنا ہوتا ہے۔''

وہ دونوں سارا راستہ باتیں کرتی ہوئی چل رہی تھیں۔ میں نے چلتے چلتے اس ملازمہ شانتی کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ بائیس چوبیس برس کی ہوگی۔ اس کے چہرے پر بڑا نمک تھا۔ وہ واقعی اتنی پرکشش تھی کہ مہمان لوگ اسے دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

پھر میری موہنی سے اس موضوع پر کوئی بات نہ ہو سکی کیونکہ دو عورتیں اسے بلا کر لے گئی تھیں۔ شانتی میرے لئے کھانا لے کر آئی تھی۔ سرائے میں میرے سوا کوئی اور مسافر نہ تھا چونکہ فسادات ہو رہے تھے اس لئے کوئی نہیں آیا تھا۔ شانتی جب کھانے کے برتن لینے آئی تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''اس آبادی میں عورتوں کے سوا کوئی مرد نظر نہیں آیا' کیا وہاں مرد نہیں رہتے ہیں؟''

''مرد......؟'' شانتی نے کہا اور بڑے زور سے ہنس پڑی۔ ''وہاں بہت مرد ہیں' کیا آپ کو ایک مرد بھی نظر نہیں آیا؟''

''نہیں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''وہاں صرف نوجوان لڑکیاں اور عورتیں نظر آئیں' مرد نظر نہیں آئے کیا وہ کہیں اور جا کر کام کرتے ہیں؟ یا گھروں میں سو رہے ہوتے ہیں۔ تمہارے پتی کی طرح عورتوں کی کمائی کھاتے ہیں۔''

''وہاں آپ نے پنجروں میں جو مختلف قسم کے پرندے دیکھے...... ہرن اور بھیڑ بکریاں جو بندھی ہوئی نظر آئیں وہی تو سارے کے سارے مرد ہیں۔ ان جادوگرنیوں نے اپنے اپنے محبوبوں کو پرندوں اور مویشیوں کی صورت میں بنا کر رکھا ہوا ہے۔ پھر رات کے وقت وہ اپنی اصلی حالت میں واپس لاتے جاتے ہیں' رات گزارنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے وہ پرندے اور جانور بن جاتے ہیں۔''

''یہ ایسا کون کرتا ہے......؟'' میں ششدر رہ گیا۔ ''کیا یہ عمل آپ ہی آپ ایسا

ہو جاتا ہے؟"

"یہ لڑکیاں اور عورتیں ایسا کرتی ہیں۔" شانتی نے کہا۔ "اس آبادی کی ہر لڑکی اور
عورت جادوگرنی ہے' اس طرف جو مرد بھولے بھٹکے اور لاعلمی میں جا نکلتا ہے اسے کوئی نہ کوئی
جادوگرنی اپنے جال میں پھانس لیتی ہے۔ وہ صرف جوان اور خوبصورت مردوں کو پسند کرتی
ہیں یا ان کا دل جس پر آ جائے۔ اکثر سیاحوں کو انہوں نے اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔ ان کے جو
بچے ہوتے ہیں وہ ان کے باپ ہوتے ہیں۔ وہ مرد اس وقت تک ان کے قیدی ہوتے ہیں
جب تک دل نہیں بھر جاتا یا کوئی دوسرا پسند نہیں آ جاتا...... ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ وہ مرد رہائی
پا لیں کیونکہ بنگال میں یا پھر اس علاقے میں مردوں کی بہت کمی ہے۔ ان میں سے کچھ
لڑکیوں اور عورتوں نے کئی کئی مرد رکھے ہوئے ہیں۔"

"کیا جادوگر مرد نہیں ہیں......؟ وہ ان سے شادی کر کے گزارہ کیوں نہیں کرتی
ہیں؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"جادوگر مرد اور عورتیں آپس میں شادی نہیں کرتی ہیں...... بہت کم جادوگر مرد اور
جادوگرنی عورتیں میاں بیوی ہوتے ہیں مگر یہاں ایک بھی ایسا شادی شدہ جوڑا نہیں ہے۔ کسی
جادوگرنی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنی بیٹی کو جادو ٹونا سکھاتی ہے مگر لڑکوں کو نہیں......
اسے جادوگر مردوں کی آبادی میں بھیج دیتی ہیں۔ باری سال کے پاس ایک بہت بڑا گاؤں
ہے' اس کا نام کھیا ہے۔ پورے دیش میں وہ واحد گاؤں یا جزیرہ ہے جس میں جادوگر رہتے
ہیں۔ وہ جادوگروں کی دنیا ہے۔"

"وہ مردوں کو جانور اور پرندے کس لئے بنا لیتی ہیں؟ انہیں اصلی حالت میں
کیوں رہنے نہیں دیتی ہیں؟"

"اس لئے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کریں۔" شانتی بولی۔ "اگر کوئی ان کا
قیدی مرد ان کی قید سے نکل کر اس گاؤں اور اس آبادی کے درمیان والی سڑک کو پار کر لے تو
پھر اس جادوگرنی عورت کو یہ حق اور اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اس مرد پر جادو کرے اور
دوبارہ اسے اپنا قیدی بنا لے۔ یہ قانون صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ یہ قانون جادوگروں کے
راجہ کا بنایا ہوا ہے۔ کوئی جادوگرنی اس قانون کی خلاف ورزی کرتی ہے تو وہ پتھر کی مورتی بن
جاتی ہیں۔ ایسی کچھ مورتیاں گاؤں کے مندر کے ایک کمرے میں رکھی ہوئی ہیں...... اور ہاں

یہ جادوگرنیاں انسان کو مکھی بھی بنا کر رکھتی ہیں۔"

"لیکن یہ جادوگرنیاں اس قدر حسین ہیں کہ مرد ان کے جال اور فریب میں پھنسے
بغیر نہیں رہ سکتا......" میں نے کہا۔ "میں نے شہروں' دیہات اور گاؤں میں بھی ایک سے
ایک حسین عورت دیکھی ہے لیکن ان کی جیسی ایک بھی حسین اور پرکشش عورت نہیں
دیکھی......؟ کیا اس بستی میں جو بھی لڑکی جنم لیتی ہے وہ اس قدر خوبصورت اور پرکشش ہوتی
ہے؟"

"یہ اتنی حسین اور پرکشش نہیں ہوتی ہیں جیسی آپ کو نظر آئی تھیں......" شانتی
بتانے لگی۔ "لیکن یہ اپنے جادو کے زور سے اس قدر حسین اور پرکشش اور پرشباب گداز
بدن کی بن جاتی ہیں کہ مرد انہیں دیکھ کے دل تھام کر رہ جاتے ہیں۔"

"کیا ان کے جادو کا کوئی ایسا توڑ نہیں ہے کہ مرد ان کی قید سے چھٹکارا پا سکے؟"
میں نے کہا۔ "تم شاید جانتی ہو......؟"

"ہاں...... ایک توڑ ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "اگر کوئی مرد ان عورتوں میں سے یا
اس عورت کا جس نے اسے قیدی بنا کے رکھا ہوا ہے تو...... ان کے لہو کی ایک بوند بھی اپنی
زبان پر چکھ لے یا ان کا کچھ خون پی جائے تو پھر ان کا جادو اس پر اثر نہیں کرتا ہے۔ یہ ان
مردوں نے بتایا جو ان کی قید سے رہائی پا کر آئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی اور توڑ نہیں ہے۔"

"یہ تمہاری مالکن جو ہے اس سے جادوگرنیاں کیوں ڈرتی ہیں......؟" مجھے یہ
بات ایک دم سے یاد آ گئی تو میں نے پوچھ لیا۔

"اس لئے کہ یہ بھی جادوگرنی ہیں۔" شانتی کہنے لگی۔ "لیکن ان جادوگرنیوں کی
طرح نہیں ہے کہ مردوں کو اپنا اسیر بنا لے اور اسے جانور یا پرندہ بنا لے۔ یہ جادوگر میاں
بیوی کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کے ماتا پتا جی کھیا جزیرے پر رہتے ہیں' ان سے ملنے چلی جاتی
ہے یا وہ آ جاتے ہیں...... ان کے ماتا پتا نے اسے نصیحت کی ہوئی ہے کہ یہ انسانیت سوز
حالت ہے لہٰذا وہ نہ کرے۔"

"اس قدر حسین اور پرکشش ہوتے ہوئے تمہاری مالکن نے اب تک شادی کیوں
نہیں کی......؟ جبکہ اس کی عمر چھتیس برس سے کم نہیں ہے۔ وہ ایک بھرپور جوان عورت ہوتے
ہوئے بغیر مرد کے زندگی کس لئے گزار رہی ہے' کیا اسے مردوں سے نفرت ہے؟"

''اسے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے' وہ روز ہی شادی کرتی رہتی ہے۔'' شا
کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ''اس کی زندگی میں نوجوان سے لے کر بہت سارے مرد آئے۔ ا
دیش کی عورتیں بڑی عیاش اور رنگین مزاج کی ہوتی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ ا
نے یہ سرائے بنایا ہی اس لئے ہے جو سیاح مرد شکار کیلئے آتے ہیں اسے بھی شکار کر جا
ہیں' اس میں ایک اچھی بات یہ ہے کہ وہ کسی مرد کو اپنے حسن و شباب کی سندرتا اور جال م
نہیں پھانستی ہے۔ جب کوئی مرد اس سے متاثر ہو کر اس کی طرف پیشقدی کرتا ہے تو وہ اڈ
نہیں کرتی ہے۔ وہ شادی اس لئے نہیں کرتی ہے اور ان سے کہا ہے کہ اسے مردوں سے سخ
نفرت نہیں ہے بلکہ اس کی ایک شادی ہو چکی ہے' کسی وجہ سے اس کا پتی اسے چھوڑ کر چ
گیا۔ اس کا خیال ہے کہ کوئی عورت اسے بھگا کر لے گئی۔ وہ آج بھی اس کے انتظار م
ہے اس لئے نہیں کہ اس کے ساتھ دوبارہ زندگی گزارے اس لئے کہ اس سے انتقام لے۔''

''میں نے اب تک اس گاؤں میں جتنی لڑکیاں اور عورتیں دیکھی ہیں ان م
ایک بھی مجھے بدصورت اور بے کشش دکھائی نہیں دی۔ ہر عمر کی لڑکی اور عورت میں م
بڑا حسن پایا۔ اس میں بڑی دلکشی اور جاذبیت پائی' جبکہ اور جگہ ایسی نہیں ہے۔ دس میں س
تین چار خوبصورت ہوتی ہیں۔ اکا دکا بلا کی پرکشش نظر آتی ہیں' اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

''یہ بات ہر اجنبی اور سیاح کہتا ہے لیکن کسی نے اس کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں
کی۔ پورے دیش میں صرف شیام پور ایک ایسا گاؤں ہے جس میں ایک عورت بھی بدصورت
نہیں ہے..... ایک تو یہاں کی آب و ہوا اور غذا بھی ہے۔ لوبیا اور مچھلی بھی ہے' دوسری وج
یہاں پر اس حویلی کے پیچھے دو میل دور ایک تالاب ہے۔ اس تالاب میں صرف ایک با
نہانے سے عورت کے حسن و شباب اور اس کی جسمانی کشش میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس
تالاب میں روز روز نہانا ناممکن تو نہیں لیکن بہت مشکل ہے کیونکہ اس تالاب کے کنارے
تین ناگنیں ہوتی ہیں' وہ کسی کو قریب آنے اور پھٹکنے نہیں دیتی ہیں۔''

''پھر اس تالاب پر جا کر کس طرح نہایا جاتا ہے؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے
اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مہینے میں ایک بار گاؤں کی ساری لڑکیاں اور عورتیں مل کر اشنان کرنے جا
ہیں تو دو سپیروں کو پہلے دودھ دے کر بھیج دیا جاتا ہے۔ اس دودھ میں بیہوش کر دینے والا

سفوف حل کر دیا جاتا ہے جس سے وہ ناگنیں سات آٹھ گھنٹے تک بیہوشی کی حالت میں پڑی
رہتی ہیں۔ پھر وہ سپیرے چلے جاتے ہیں۔ پھر تمام لڑکیاں اور عورتیں بے لباس ہو کر کوئی دو
گھنٹے تک اشنان کرتی ہیں۔ پھر اسی حالت میں ہی کھانا کھاتی ہیں۔ پھر دو گھنٹے اور اشنان کر
کے واپس آ جاتی ہیں۔ اس وقت تالاب پر بڑی رونق ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی میلہ لگ
گیا ہے۔ اس بہانے گاؤں کی تمام عورتیں اور لڑکیاں ایک دوسرے کو اپنے دکھڑے سناتی
ہیں۔ دل کی بھڑاس نکالتی ہیں' وقت بڑا اچھا کٹ جاتا ہے۔ جی وہاں سے آنے کو بالکل بھی
نہیں کرتا' ایک مجبوری ہوتی ہے اس لئے واپس آنا پڑتا ہے۔ اس کا ایک سرور سا کئی دنوں
تک ذہن پر چھایا رہتا ہے۔''

''ان ناگنوں کو زہر دے کر یا کچل کر ختم کیوں نہیں کر دیا جاتا.....؟'' میں نے
کہا۔ ''بیہوشی کی حالت میں ناگنوں کو مارنا بہت آسان ہوتا ہے۔ ان کے مر جانے کی صورت
میں جب دل کرے کوئی بھی عورت جا کر نہا بھی سکتی ہے پھر اسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔''

''اس لئے انہیں کبھی ختم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ ان کے ناگ بدلہ لیں گے
یا پھر ان کی روحیں.....'' شانتی بولی۔

''ناگ کے بدلہ لینے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ان کی روحوں کی بات
نہیں..... کیا ان کی روحیں بھی ہوتی ہیں۔'' میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ ''میں نے یہ بات
آج تک کسی سے نہیں سنی..... تم بڑی عجیب و غریب بات کہہ رہی ہو۔''

''ہر جاندار کی روح ہوتی ہے۔'' شانتی کہنے لگی۔ ''ان سانپوں' ناگوں اور ناگنوں
کی روحیں انسانی روحوں کی طرح گھومتی رہتی ہیں جسے ناگ دیوتا کی آشیرباد ہوتی ہے' انہیں
خون کے تالاب میں ایک برس تک اشنان دیا جاتا ہے۔ یہ انسانی خون ہوتا ہے۔ جب کوئی
ناگن' سانپ یا ناگ کسی انسان کو ڈستا ہے تو اس کا سارا خون پی جاتا ہے' وہ خون اس تالاب
میں نکال دیتا ہے۔ یہ صرف زندہ انسانوں کا نہیں بلکہ مردہ انسانوں کا خون بھی پی لیتے
ہیں..... اگر کوئی ناگ یا سانپ 200 برس تک خون کے اس تالاب میں اشنان کرتا رہے تو
پھر ناگ اسے اتنا اختیار اور اتنی شکتی اور ایسا منتر دے دیتے ہیں کہ وہ جس جاندار کے روپ
میں آنا چاہے آ سکتا۔ مردہ عورت' لڑکی' بچہ' شیر' ہاتھی اور دوسرے درندے..... وہ امر رہتا ہے'
اس کی جان کوئی نہیں لے سکتا سوائے کالی ماتا کے..... لیکن کالی ماتا ان کی زندگی اور موت

کے معاملات میں دخل نہیں دیتی ہے۔"

"تمہیں اتنی ساری باتیں کیسے اور کیونکر معلوم ہوئیں؟" میں نے حیرت و تجسس کا اظہار کیا۔ "تم نے مجھے ایسی عجیب عجیب باتیں سنائی ہیں کہ سن کر عقل دنگ رہ گئی ہے..... تم ایک دورافتادہ گاؤں کی عورت ہو کر بہت ساری ایسی باتیں جانتی ہو جو ہم لوگ نہیں جانتے۔ شانتی! تم تو بڑے کمال کی عورت ہو۔"

"میں ایک سپیرے کی بیٹی ہوں اور صدیوں سے ہمارا خاندان سپیروں سے ہی ہے۔" شانتی نے جواب دیا۔ "یہ ساری باتیں میرے باپ نے بتائی ہیں..... اور بھی بہت کچھ بتاتے رہتے ہیں جو کچھ بتا دیتے ہیں وہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔"

"کیا تمہارا پتی بھی سپیرا ہے.....؟" میں نے سوال کیا۔ "جب وہ سپیرا ہے تو گھر میں کیوں پڑا رہتا ہے؟"

"نہیں..... وہ سپیرا نہیں ہے۔" شانتی بولی۔ "رنگامائی ہر سال میلہ لگتا ہے۔ میں ایک بار اپنے پتا جی کے ساتھ میلے گئی تھی۔ میرا باپ ہر سال میلے میں جا کر اتنا کچھ سانپوں کے کمالات سے کما لاتا تھا کہ ایک سال کیلئے بے فکری ہو جاتی تھی۔ اس میلے میں میری ملاقات اس سے ہوگئی۔ پہلی نظر میں ہم دونوں ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے۔ دوسری ملاقات میں ہم دونوں جوانی کے جنگل میں اتنی دور چلے گئے تھے کہ باپ کو میری اس سے شادی کرنا پڑی۔ سپیرے اس عورت سے شادی نہیں کرتے ہیں جو داغدار ہو جاتی ہے۔ میں اپنے پتی کے ہاتھوں داغدار نہ ہوتی تو میری اس سے شادی بھی نہ ہوتی۔ میں چونکہ سپیرے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے اس کی جھولی میں جانتے بوجھتے پکے آم کی طرح ٹپک پڑی تھی۔"

"تمہاری باتیں بڑی خوبصورت اور دل میں اتر جانے والی ہیں۔" میں نے کہا۔ "تم ایک غیر معمولی عورت ہو۔"

"صرف میری باتیں خوبصورت ہیں کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟" اس نے اپنی لانبی لانبی گھنی پلکیں جھپکائیں۔

"کس نے کہا کہ تم حسین نہیں ہو.....؟" میں اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرلیا۔

☆......☆......☆

عورت بہت ارزاں مجبور اور رنگین مزاج کی صرف شیام پور ہی میں نہیں تھی۔ بنگلہ دیش میں جتنی غربت و افلاس ہے شاید ہی کہیں ہو۔ کوئی عورت خود سے نہیں چاہتی اور پسند کرتی کہ اسے کھلونا بنا دیا جائے۔ ضرورت اور احساس محرومی اسے بہت دور لے جاتا ہے۔ مجھے رادھا نے آلودہ کیا۔ یہ پہلی عورت جس نے مجھے گناہ پر مجبور کیا تھا۔ اب میں پہلے جیسا طرح نہیں رہا تھا۔ نہ رہنا چاہتا تھا۔ شانتی دوسری عورت تھی جو میری زندگی میں آئی تھی شام پور کی جادوگرنیوں کو دیکھا تو عورت میری کمزوری بن گئی۔ رات کے سے موہنی میرے لئے دودھ کا گلاس لے کر آئی تو ساری رات کمرے میں ہی رک گئی تھی۔

میں نے اس روز زندگی میں عورت کے بارے میں پہلی بار سنجیدگی سے سوچا تھا کہ عورت بھی کیا چیز ہے اس کا حسن و شباب اور جسم ایک انمول خزانہ ہے۔ یوں تو شانتی اور موہنی بھی بلا کی حسین تھیں لیکن جو بات میں نے ان جادوگرنیوں میں دیکھی اور محسوس کی وہ ان دونوں میں کیا دنیا کی کسی بھی عورت میں نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

صبح میں بیدار ہوا تو موہنی بستر پر میرے برابر گہری نیند سو رہی تھی۔ اس لمحے مجھے یاد آیا کہ جادوگرنیوں کی آبادی سے خاص دور دریا کنارے ایک ڈاک بنا ہوا ہے اور وہاں میں نے کچھ کشتیاں دیکھی تھیں۔ شانتی نے بتایا تھا کہ وہ کشتیاں مچھلی کے شکار کیلئے ہیں۔ دوسرے کناروں پر جو پہاڑ ہے وہاں مچھلی کے شکار کی بہتات ہے۔ پہاڑی کے پاس سرخ رنگ کی مچھلی ملتی ہے اس میں اتنا ذائقہ اور لذت ہے کہ شاید ہی کسی مچھلی میں ہوگی۔ آپ نے اب تک ایسی مچھلی نہیں کھائی ہوگی۔ میں ایک برچھی لے کر شکار کیلئے چل پڑا لیکن میرے دل کے کسی کونے میں کسی جادوگرنی کے حصول کی ایک انجانی سی خواہش تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مرد کو پھانس کر اسے کوئی پرندہ یا جانور بنا کر رکھ لیتی ہیں چونکہ شانتی مجھے کسی جادو کا توڑ بتا چکی تھی اس لئے دل میں کوئی خوف اور ڈر نہیں تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس جادوگرنی کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد اس کے جادو کا توڑ کر کے نکل جاؤں گا۔ ان جادوگرنیوں کے حسن و شباب نے مجھے جیسے پاگل کر دیا تھا۔ اب میں ان کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

میں نے دریا پر جا کر کنارے بنے ہوئے ڈاک پر کھڑے ہو کر جادوگرنیوں کی آبادی کی طرف دیکھا۔ وہاں اور ساحل پر ایک عورت بھی دکھائی نہیں دی۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا لیکن اجالا خاصا پھیل چکا تھا۔ پنجروں میں پرندے اور کھونٹیوں سے جانور بندھے ہوئے نہیں تھے۔ گویا وہ سب اپنی اصلی اور سابقہ حالت میں جادوگرنیوں کے گھروں میں تھے۔

میں نے ایک کشتی دریا میں خشکی سے اتاری اور پہاڑ کی طرف چل پڑا۔ اس میں ایک چپو تھا۔ شانتی نے بتایا تھا کہ مچھلیاں چونکہ بڑی اور کنارے پر ملتی ہیں اس لئے برچھی سے ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس وقت موسم بہت خوشگوار تھا اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ دریا کے بیچ دو ایک بڑی مچھلیاں جن کا وزن دس سیر کا ہو گا پانی کی سطح پر ابھریں تو میں نے چپو کشتی میں رکھ کے برچھی اٹھا لی۔ میں نے جیسے ہی برچھی اٹھا کر ایک مچھلی پر وار کیا' تو وازن برقرار نہ رکھ سکا کشتی سمیت میں الٹ گیا۔ میں تیرنا جانتا تھا لیکن جانے اس وقت کیا ہوا کہ میں ہاتھ پیر چلا نہیں سکا' تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

کچھ نہیں معلوم کہ مجھے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک کمرے کے فرش پر چٹائی پر لیٹا ہوا پایا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ میں کوئی سپنا دیکھ رہا تھا لیکن یہ کمرہ دیکھ کر میری غلط فہمی دور ہو گئی۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ میں کسی گھر کے کمرے میں تھا' مجھے یہاں کون لایا......؟ میں زندہ کیسے بچ گیا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر حیرانی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد چاپیں سنائی دیں۔ کمرے میں ایک عورت داخل ہوئی تو میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ حیرت اور خوشی کی لہر سارے بدن میں پھیل گئی۔ یہ جادوگرنی تھی' کل جن جادوگرنیوں نے مجھے اپنے حصار میں لیا تھا یہ ان میں بھی تھی۔ اس نے بیگنی رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ وہ ان سب میں زیادہ حسین تھی۔ اس وقت بھی وہ بیگنی ساڑھی میں ملبوس تھی جس میں اس کی ہیبت قیامت کی سی ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ ٹرے میں دودھ سے بھرا گلاس تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب تبسم رقصاں تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جیسے دیئے جل رہے تھے۔

جب وہ میرے پاس آئی تو اٹھ بیٹھا۔ میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔ ''مجھے یہاں کون لایا ہے؟''

''میں......'' اس نے میرے پاس دوزانو بیٹھ کر دودھ کا گلاس میری طرف بڑھایا۔ ''یہ لو پی لو' طاقت آ جائے گی۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے کر اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ اس دودھ میں جانے اس نے کیا ملایا تھا کہ میرے اندر توانائی اور بھرپور طاقت کی لہر دوڑ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم آرام کرو' میں کچھ دیر میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔''

وہ کمرے سے نکل گئی۔ میرے اندر ایک عجیب سی خوشی نے بسیرا کر لیا۔ میرے دل کی مراد بر آئی تھی اور مجھے میرا سپنا مل گیا تھا۔ لیکن میں جوان تھا اس نے مجھے کیسے دیکھ لیا اور بچا لیا جبکہ وہ دور دور تک دکھائی نہ دی تھی۔ پھر خیال آیا کہ اس نے یقیناً جادو کے زور سے ہی بچایا ہو گا۔ اس نے شاید مجھے ڈوبتے دیکھ لیا ہو گا۔ اگر یہ نہ بچاتی تو میں ڈوب کر مر چکا ہوتا۔

وہ میرے لئے پرتکلف ناشتہ لے کر آئی ہوئی تھی۔ ناشتے میں موٹے موٹے روغنی پراٹھے' شہد' دودھ' ملائی اور انڈوں کا آملیٹ تھا۔ میں نے ناشتے کے دوران اس سے پوچھا کہ......اس نے مجھے کیسے بچایا؟ اسے کیسے پتہ چلا کہ میری کشتی الٹ گئی ہے اور میں ڈوب رہا ہوں۔ اس نے بتایا کہ وہ مچھلی کے شکار کو جا رہی تھی۔ وہ ہر روز علی الصبح شکار پر جاتی ہے اور چار پانچ مچھلیاں پکڑ کر ان میں سے ایک اپنے لئے رکھ لیتی ہے اور باقی گاؤں جا کر بیچ دیتی ہے۔ اس نے بتایا کہ اس آبادی میں کوئی تیس جادوگرنیاں رہتی ہیں۔ ان میں دس تو بہت بوڑھی ہو چکی ہیں اور وہ گھروں سے نہیں نکلتی ہیں' ذریعہ معاش کسی کسی کا مچھلی پکڑنا' دستکاری اور سگار بنانا ہے۔ جنگل میں تمباکو کی کاشت ہوتی تھی۔

میں نے اس سے شوخ لہجے میں پوچھا۔ ''تم مجھے پرندہ بنا کر رکھو گی یا بھیڑ بکری بنا کے......؟''

وہ میری بات سن کر ہنس پڑی۔ ''تو تمہیں موہنی یا اس کی نوکرانی شانتی نے ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا؟''

''ہاں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''کیا یہ بالکل سچ ہے یا کسی نے یہ باتیں اڑا رکھی ہیں؟''

''بالکل سچ ہے۔'' وہ مسکرا دی۔ ''انہوں نے تمہیں جو کچھ بتایا اس میں ایک بات

بھی غلط نہیں ہوسکتی...... پھر بھی تم ادھر آ نکلے۔"

"اصل بات تو یہ ہے کہ کل تمہیں دیکھا ہی تھا کہ تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔ تم نے جانے مجھ پر کیا جادو کر دیا کہ میں ساری رات نہ سو سکا۔"

"تو گویا دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی ہے۔" وہ ہنس دی۔ "میں بھی تمہیں دیکھ کر مرمٹی ہوں' صرف میں ایک نہیں تمام کی تمام جادوگرنیاں...... چونکہ میں نے تمہاری جان بچائی ہے لہٰذا اب تم صرف میرے ہو' کسی اور کے نہ ہو جانا۔"

"تمہارے مقابلے کی کوئی دوسری ایسی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیا بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کتنے دنوں کیلئے آئے ہو؟" اس نے میرے پاس آ کر میرے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔

"میں یہاں سدا کیلئے آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر تم میری ہو جاؤ تو پھر میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گا۔"

"میں تمہیں اصلی حالت ہی میں رہنے دوں گی...... لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ تم مجھ سے بے وفائی نہیں کرو گے...... اگر تم نے بے وفائی کی اور یہاں سے جانے کی کوشش کی تو تمہیں مکھی بنا دوں گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کون بدبخت ہوگا جو تم جیسی عورت سے بے وفائی کا مرتکب ہوگا۔ تمہیں چھوڑ کر چلا جائے۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

وہ میری باتوں اور محبت کے فریب میں آ گئی۔ اگر مجھے بمل داس سے انتقام لینا نہ ہوتا تو شاید میں یہاں سے کبھی نہ جاتا کیونکہ بڑا حسن' شباب اور سارے جہاں کی رنگینیاں تھیں۔ دو دن تک اس کے مکان میں رہا۔ اس کا مکان آبادی سے قدرے ہٹ کر اور دریا سے قریب تھا اور گھنے درختوں کے درمیان تھا۔ دو دن تک ایک ایک لمحہ ایک دوسرے کی معیت میں گزرا۔ وہ مجھے تھوڑی دیر کیلئے بھی چھوڑ کر نہیں گئی جیسے میں کوئی خزانہ ہوں۔ کوئی مجھے چرا کر نہ لے جائے۔ میں اسے اپنی گرمجوشی اور محبت بھری باتوں سے بے وقوف بناتا رہا۔ عورت کو بے وقوف بنانا ہو تو اس کی جتنی تعریف کر سکتے ہیں کر لیں' تعریف عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔

کوئی تیسرے دن صبح ہم دونوں بستر میں تھے کہ ہمارے کمرے کا دروازہ کسی نے باہر سے زور سے دھکا دے کر کھول دیا۔ نو جوان لڑکیاں اور جوان عورتیں جو جادوگرنیاں تھیں دندناتی ہوئیں کمرے میں گھس آئیں۔ "ماروتی! تم نے اسے دو دن سے یہاں چھپا رکھا تھا؟" ایک نے کہا۔

میری اس محبوبہ دل نواز کا نام ماروتی تھا۔ وہ تنک کر بولی۔ "تمہیں اس سے کیا...... یہ میری چیز ہے' میری ملکیت ہے۔"

"نہیں...... یہ تمہاری ہی نہیں ہم سب کی بھی ملکیت ہے......" دوسری نے کہا۔

"کیا اس سے پہلے ایسا ہوتا نہیں آ رہا ہے کہ جو نیا مہمان آتا ہے وہ باری باری ایک ایک رات کیلئے مہمان ہوتا ہے۔ آخر میں اس کے نام کا قرعہ ڈالا جاتا ہے۔"

"یہ اس لئے میرا ہے کہ میں نے اسے دریا میں ڈوبنے سے بچایا۔ میں نے دیکھا نہ ہوتا تو یہ کب کا ڈوب کر ختم ہو جاتا۔" ماروتی بولی۔

"جو بھی ہے' اسے تم ملکیت نہیں بنا سکتیں...... تم نے دو دن اس کے ساتھ گزار لئے' اب ہماری باری ہے۔" تیسری لڑکی نے کہا۔

"میں کسی کو بھی اسے ہاتھ لگانے نہیں دوں گی۔" ماروتی غضبناک ہو کر بولی۔ "کسی نے اسے لے جانے کی کوشش کی تو اسے بھسم کر دوں گی۔"

"سنو ماروتی!" ایک اور عورت نے جس کی عمر چالیس برس کی ہو گی اس نے آگے بڑھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم بیک وقت سب سے مقابلہ نہیں کر سکتی ہو...... اس لئے بہتر یہ ہے کہ روپا سے مقابلہ کر لو۔ روپا نے تمہیں ہرا دیا پھر یہ مرد تمہارا ہوگا۔ اگر تم ہار گئیں تو مرد پر صرف تمہارا نہیں بلکہ سب کا حق ہوگا' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"مجھے منظور ہے۔" ماروتی نے کچھ سوچتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ "اس کمینی کو ایسا سبق دوں گی کہ یہ ساری زندگی یاد رکھے گی...... اس حرام زادی نے تم سب کو بہکایا اور ورغلایا...... مکر جی کو دیکھ کر اس کی رال ٹپک پڑی تھی۔"

کوئی ایک گھنٹے کے بعد دریا کے کنارے ساری جادوگرنیاں جمع ہو گئیں۔ آبادی سے باہر نصف فرلانگ پر...... ایک بہت ہی بڑے دائرے کے بیچوں بیچ اکھاڑا بنا دیا گیا تھا۔ تمام جادوگرنیاں موجود تھیں۔ گھروں میں ایک جادوگرنی اور بچہ بھی نہیں رہا تھا۔ روپا نے

اکھاڑے میں اتر کے ماروتی کو للکارا۔ ''آ جا...... کمینی...... میں دیکھنا چاہتی ہوں تو مجھے کیا مزہ چکھاتی ہے۔''

ماروتی بھی اکھاڑے میں اتر آئی اور اس کے مقابل جا کر کھڑی ہوگئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرانے لگیں۔ دوسرے لمحے وہ دونوں ایک دوسرے پر جھپٹ کر بلیوں کی طرح لڑنے لگیں اور گتھم گتھا ہو گئیں۔ ایک دوسرے کے بالوں کو پکڑ کے گھسیٹنے لگیں۔ چہرہ بھی نوچنے اور کھسوٹنے...... کبھی ماروتی، روپا پر غالب آ جاتی اور کبھی روپا ماروتی پر۔ روپا بھی کم بلا کی حسین نہیں تھی۔ ان کی لڑائی میں تیزی اور شدت آتی گئی۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا پلہ بھاری نہیں ہو پا رہا تھا۔ جب روپا نے دیکھا کہ وہ ماروتی پر قابو نہیں پا رہی ہے۔ پھر سب سے پہلے روپا نے ایک زہریلی ناگن کا روپ دھار لیا۔ دوسرے لمحے ماروتی ناگ بن گئی اور اس کی طرف لپکی۔

''ٹھہرو......'' فضا میں دل دہلا دینے والی گرجدار آواز گونجی۔ اس آواز سے زمین بھی تھرا گئی۔

ناگ، ناگن، میں اور جادوگرنیوں نے اس آواز کی طرف دیکھا۔ زمین سے ایک سیاہ رنگ کا دھواں اٹھ کر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ پھر چند لمحوں کے بعد ایک ناگ دیوتا پھن اٹھائے کھڑا تھا۔ پھر اس نے زمین پر لوٹ کر انسانی شکل اختیار کر لی۔

☆......☆......☆

ایک بہت ہی خوبصورت، وجیہہ مرد بڑے باوقار اور بارعب انداز سے کھڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سب سجدے میں گر پڑے۔ پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے سر اوپر اٹھایا۔ پھر سب اپنی اپنی جگہ مؤدب اور ساکت کھڑی ہو گئیں اور اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جو ایک دیوتا کی طرح لگ رہا تھا۔ دراصل یہ ان سب کا دیوتا ہی تھا اس لئے اسے اتنی تعظیم دی جا رہی تھی۔

ماروتی اور روپا بھی اسے سجدہ کرنے کے بعد سابقہ حالت میں آ کر اس کے بالکل سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ میں اپنی جگہ بیٹھا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد ان کے دیوتا نے قدرے تیز لہجے میں ان کی سرزنش کی۔ ''میں نے ہمیشہ منع کیا ہے کہ مرد کے حصول کیلئے آپس میں جھگڑا کر کے نفرت اور دشمنی مول نہ لو۔ کیا مردوں کی کمی ہے؟ کیا پھر یہاں کوئی مرد نہیں آئے؟ کیا اور مرد قید نہیں ہیں؟''

''شما کر دیں مہاراج!'' ماروتی نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا۔ ''ہم آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے، نہ لڑائی جھگڑا، آپ وشواس رکھیں۔''

''میں بھی شما چاہتی ہوں مہاراج!'' روپا نے بھی جھک کر ماروتی کی طرح ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا۔ ''آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔''

''مل جل کے اور محبت سے رہو۔'' ان کے دیوتا نے کہا۔ ''یہ بستی اس لئے نہیں بسائی کہ نفرت کو جنم دیا جائے۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ مجھے خبر ملی کہ تم دونوں ایک مرد کے حصول کیلئے جان کی دشمن بن گئی تھیں۔ خون خرابہ کرنے والی تھیں، اگر آئندہ ایسا ہوا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ آج میں تم دونوں کو معاف کر رہا ہوں، آئندہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔''

''مہاراج!'' روپا ہمت کر کے بڑے مؤدبانہ لہجے میں بولی۔ ''مہاراج! آ
آپ کی آمد بڑی خوشی کی بات ہے' آپ آئے ہیں تو ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کرا
جائیں تاکہ شانتی ہو جائے۔ پھر فساد اور خون خرابہ نہ ہو' ہماری محبت کو نظر نہ لگے۔''

''ماروتی نے یوں کہا کہ اس مہمان کی جان بچائی ہے اس لئے وہ دس دنوں تک
اس کی حقدار ہے۔'' دیوتا نے اپنا فیصلہ سنایا۔ ''اس کے بعد ہر عورت اور تم اسے ایک ا
دن کیلئے مہمان بنا کے رکھ سکتی ہو۔ جب وہ سب کا مہمان بن جائے گا پھر وہ صرف اور صر
ماروتی کی ملکیت ہوگا۔''

روپا کو دیوتا کا فیصلہ شاید پسند نہیں آیا تھا اس کا چہرہ زرد سا ہو گیا تاہم وہ سر
کر افسردگی سے بولی۔ ''جو آگیا مہاراج کی۔''

ماروتی دیوتا کے اس فیصلے سے بہت خوش ہو گئی تھی۔ میں بھی دل میں خوش ہو
تھا لیکن دوسری طرف یہ فکر دامن گیر تھا کہ مجھے جانور اور پرندہ بنا دیا گیا تو میں یہاں سے
بھی نکل کر جا نہیں سکوں گا۔ میں کبھی بھی انتقام نہ لے سکوں گا۔ کسی دن یہاں مر جاؤں گا۔

دیوتا نے پھر ناگ دیوتا کا روپ دھار لیا۔ پھر وہ دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہ
اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ ماروتی کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ سرشاری ہوئی جا رہی تھی۔ ا
کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ روپا بہت اداس اور بجھی بجھی سی ہو گئی تھی۔ لڑکیاں اور عورت
واپس جانے لگیں۔ روپا ہمارے پاس آ کر بولی۔ ''ماروتی! آج کی ایک رات کیلئے تم ا
مہمان کو لے جانے کی اجازت دے دو۔''

''نہیں......'' ماروتی ایک دم سنجیدہ ہو کر تنک کے بولی۔ ''اس کا سوال ہی پیدا ن
ہوتا' ایسی بھی کیا بے صبری تم دس دن انتظار نہیں کر سکتیں؟''

''تم دس دن کی بات کر رہی ہو' میں دس گھڑیاں بھی انتظار نہیں کر سکتی۔ تم دو د
سے اس کی سیوا کر رہی ہو' کیا مجھے تم ایک رات کیلئے اس کا دان نہیں دے سکتیں؟'' روپا ک
لہجے میں التجا سی تھی۔ ''اتنی کٹھور نہ بنو' تم ہمیشہ مہمانوں پر پہلے ہاتھ مارتی ہو۔''

''یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔'' وہ فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔ پھر ا
نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''چلو...... گھر چلتے ہیں۔''

رات کا سے تھا۔ ماروتی گہری نیند سو رہی تھی۔ میں جاگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر

جب ماروتی کو نیند آنے لگی تھی میں نے اس کے گھر سے باہر نکلنے کی کوشش کی تھی تاکہ سرائے
جاؤں کیونکہ میں ان کے ہاتھوں کھلونا نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس بستی سے باہر نکلنے کے بعد ان کا
جادو مجھ پر چل نہیں سکتا تھا گو کہ میرے دل کے کسی کونے میں یہ خواہش تھی کہ اب بستی میں
رہوں کیونکہ اس بستی کی ایک ایک حسین اور نوجوان لڑکی میرے بستر کی زینت بننے والی تھی۔
ساری عورتیں ہی بلا کی حسین تھیں۔ روپا بھی کم نہیں تھی لیکن اس کے باوجود تمام عورتوں سے
سرفراز ہونے کی ایسی کوئی خواہش نہیں تھی اس لئے کہ آزادی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دولت
اور نعمت نہیں ہے۔ اس پر ہزاروں جوان اور حسین لڑکیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ یہاں ان
عورتوں کے ساتھ زندگی ایک قیدی کی طرح گزارنا مجھے کسی قیمت پر پسند نہیں تھا۔

جب میں نے دہلیز پار کرنے کی کوشش کی تو ایک دم سے ایک ناگن نجانے کہاں
سے آ کر پھن اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ پھنکارنے لگی۔ پھر میں دروازہ بند کر کے بستر پر آ کر
لیٹ گیا۔ ماروتی نے گویا ایک زہریلی ناگن کو پہرے پر لگا دیا تھا تاکہ میں فرار ہو کر نہ جا
سکوں گو کہ میں بری طرح پھنس گیا تھا لیکن پھر بھی یہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔ میں
یہ سوچ رہا تھا کہ میں کس طرح سے ان جادوگرنیوں سے نجات پا سکتا ہوں کیونکہ مجھے کوئی
جادو یا ایسا منتر نہیں آتا تھا جو ان سے مقابلہ کیا جا سکے۔ گھر سے باہر کوئی ایسی صورت نہ تھی
کہ میں ناگن پر قابو پا سکوں اور اس مکان میں عقبی دروازہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی ایسی کوئی چیز
تھی جس سے اس ناگن کا سر کچل سکوں۔ اگر یہ ناگن باہر نہ ہوتی تو میں یہاں سے نکل کر
سرائے پہنچ چکا ہوتا۔ پھر راگنی کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر میں کسی ایک جادوگرنی
کا بھی خون پی لوں تو اس کا اور کسی بھی جادوگرنی کا جادو اثر نہ کر سکے گا لیکن ناگن پر قابو پانا
اور اسے ختم کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر میں نے مدھم سی روشنی میں جو اس کمرے
میں جلتے ہوئے دیئے کی تھی ایک ہیولے کو اندر آتے دیکھا وہ ہیولا جب گھس آیا تو واضح ہو
گیا۔ وہ ایک عورت کا تھا' اس عورت کو پہچان کے میں حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں روپا
تھی۔

''روپا! تم......؟'' میں نے متعجب لہجے میں کہا۔ پھر میں نے ماروتی کے بیدار ہو
جانے کے خیال سے آہستگی سے کہا۔ ''یہ جاگ گئی تو......؟''

''یہ ماروتی کا صرف جسم ہے۔'' روپا بولی۔ ''اس میں اس کی آتما نہیں ہے' تم

ڈرو نہیں...... کھل کر بات کرو۔''

''وہ اپنا جسم چھوڑ کر کہاں چلی گئی......؟'' میں نے تحیرزدہ لہجے میں پوچھا۔''تم جھوٹ تو نہیں بول رہی ہو؟''

''وہ ناگن بن کر گھر کے باہر پہرہ دے رہی ہے کہیں میں تمہیں آ کر نہ لے جاؤں۔'' اس نے جواب دیا۔''تم نے تھوڑی دیر پہلے اسے باہر دیکھا نہ تھا...... تم یہاں سے فرار ہو کر جانے کیلئے نکلے تھے کیوں؟ میں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں؟''

''وہ ماروتی تھی......؟'' میری حیرت دوچند ہوگئی۔ وہ مجھے نہ صرف زہریلی بہت حسین دکھائی تھی۔ میں نے کبھی اتنی حسین ناگن نہیں دیکھی تھی۔

''مکرجی!'' روپا میرے قریب آ گئی۔ اس وقت وہ اتنی حسین اور قیامت ہوگئی تھی کہ میں مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگا۔''آخر تم یہاں سے فرار ہو کر جانا کیوں چاہتے ہو...... جبکہ دنیا کی حسین ترین نوخیز عمر کی لڑکیاں اور عورتیں یہاں ہیں۔ ایسی حسین اور جوان عورتیں تمہیں دنیا کے کسی گوشتے اور ملک اور دیش میں نہیں مل سکتیں۔ تم مرد ہو یا پتھر جو تمہیں ہمارا حسن وشباب پگھلا نہیں رہا ہے۔''

''یہ ایک لمبی اور بڑی دردناک کہانی ہے۔'' میں نے کہا۔''میں کسی سے اپنی بیوی کی المناک موت کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ اس لئے میں یہاں رک نہیں سکتا اور نہ ہی دل بہلا سکتا ہوں۔ اگر مجھے انتقام نہ لینا ہوتا تو میں ساری زندگی یہیں گزار دیتا۔''

''اگر تم جانا چاہتے ہو تو یہ ناممکن ہے' اب تمہیں اپنا سارا جیون یہیں تیاگ دینا ہوگا...... سو برس سے کوئی مرد ایسا نہیں جو یہاں آیا اور ہماری نگری سے چلا گیا ہو۔ اسے موت نے ہی ہم سے چھینا۔'' وہ بولی۔''یہاں سے جانے کا خیال دل سے نکال دو۔''

''کیا تو سو برس سے زیادہ عمر کی ہو......؟'' میں بھونچکا سا ہو گیا۔''یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے یا تم اندازے سے کہہ رہی ہو؟''

''میری عمر سو برس کی نہیں' دو سو برس کی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تم دو سو برس کی ہو......؟'' میں اچھل پڑا۔''کیا ایسا ممکن ہے......؟ ایک عورت یا مرد ستر اسی برس سے زیادہ زندہ نہیں رہتا۔''

''یہ جو تم نے بارہ سے لے کر چودہ پندرہ برس کی جوان لڑکیاں دیکھی ہیں ان کی

عمریں سو برس سے کم کی نہیں ہیں۔ چالیس برس کے عمر کے اندر کی جتنی عورتیں ہیں ان کی عمریں بھی دو سو سے لے کر تین سو برس کی ہیں۔ یہ جو بہت ہی بوڑھی عورتیں ہیں ان کی عمر ہزار برس کے لگ بھگ ہے۔ یہ اب بھی جوان رہتیں' حسین اور پرکشش ہوتیں لیکن انہوں نے ایسی حرکتیں کیں کہ انہیں بڑھاپے کی سزا دی گئی۔ ان کا حسن وشباب اور کشش چھین لی گئی۔ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس سے محروم کر دیا گیا۔''

''ان عورتوں کو کس بات کی اتنی بڑی سزا کس نے دی؟'' میں نے کہا۔ جانے مجھے کیوں اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ جادوگرنیاں ہزاروں سینکڑوں برسوں تک جادو کے زور پر زندہ رہ سکتی ہیں۔ یہ بات میں نے پہلی بار سنی تھی۔

''ناگ دیوتا نے......'' روپا بولی۔''ہمارے کچھ اصول ہیں' ان کی خلاف ورزی پر یہ سزا دی جاتی ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔''

''آخر اتنی لمبی عمروں کا کیا راز ہے......؟'' میں نے کہا۔''مجھے تمہاری باتوں کا یقین نہیں آ رہا ہے' تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو؟''

''اس کا ایک راز ہے۔'' روپا نے کہا۔''تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا ہے؟ اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔''

''اس لئے کہ میں نے کئی جادوگروں اور جادوگرنیوں کو پچاس اور ستر برس کی عمروں میں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ انسان تھے اس لئے موت کے منہ میں چلے گئے...... لیکن ہم ناگنیں ہیں' سانپ کی قوم ہیں۔'' روپا کے منہ سے جیسے غیرارادی طور پر نکل گیا۔

''کیا......؟'' میری آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔''نہیں...... یہ جھوٹ ہے' کیسے ہو سکتا ہے' تم جادوگرنیاں ہو۔''

''اب جبکہ میں نے یہ راز تمہیں بتا ہی دیا ہے تو پھر ہر بات بتا دوں...... کیونکہ تم یہاں سے جا نہیں سکتے ہو۔'' وہ کہنے لگی۔''جس طرح انسانوں کی دنیا ہے اسی طرح ہماری اپنی بھی ایک بہت بڑی دنیا ہے جس میں ناگ' اژدہے' سانپ اور ناگنیں ہوتی ہیں۔ یہ دنیا کہاں پر واقع ہے یہ میں نہیں بتا سکتی۔ اس دنیا میں ایک مندر بھی ہے۔ اس مندر کو ناگ مندر کہتے ہیں۔ اس میں ناگ دیوتا جو مہاراج ہوتے ہیں وہ ہم پر حکومت کرتے ہیں پانچ

ہزار برسوں تک وہ مہاراجہ بنے رہتے ہیں' ان کی عمر دس ہزار برس کی ہوتی ہیں جبکہ ہم پانچ ہزار برس زندہ رہتے ہیں۔ ہمیں میں سے جو انسان بنتا اور انسانوں کی دنیا میں جا کر رہنا چاہتا ہے اسے دو سو برس ناگ مندر میں ناگ دیوتا کی پوجا کرنا پڑتی ہے۔ پھر اسے جادو سکھایا جاتا ہے۔ وہ اس جادو کے زور پر جس بھی جاندار کا روپ دھارنا چاہتا ہے وہ دھار سکتا ہے۔ یہ بستی ناگ دیوتا نے ناگنوں کیلئے بسائی ہے۔ اس پورے دیش میں صرف یہی ایک بستی ہے۔ ہم یہاں جادوگرنیاں بن کر رہتی ہیں لیکن ایک حدود ہے۔ ہم اس حدود سے باہر جا کر انسانوں کو تنگ نہیں کر سکتیں اور نہ اپنا جادو ان پر چلا سکتی ہیں؟''

''اگر اب ماروتی آ گئی تو کیا وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر غضب ناک نہیں ہو جائے گی؟'' میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... وہ نہیں آئے گی...... کیونکہ میں نے اسے جادو کے زور سے بیہوشی کی نیند سلا دیا ہے۔ وہ سہ پہر سے پہلے بیدار نہیں ہو گی۔''

''اگر اسے پتہ چل گیا کہ تم نے یہ حرکت کی ہے تو پھر وہ تمہاری پھر سے دشمن ہو جائے گی اور تمہیں ختم کرنے کی کوشش کرے گی۔''

''میں نے اس پر جو جادو کیا ہے وہ اس طرح کا ہے اسے کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ نہ وہ پتہ چلا سکے گی کہ میں دوپہر تک تمہارے ساتھ رہی تھی۔'' وہ اور قریب آ کر میرے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر میری آنکھوں میں خودسپردگی سے جھانکنے لگی۔ ''تم یہ بات اسے بھولے سے بھی نہیں بتانا...... میں ہر روز رات کے اس سے تمہارا دل بہلانے' تمہیں خوش اور تمہاری سیوا کرنے آ جایا کروں گی۔ کیوں میرے راج کمار......''

مجھے ایک دم سے راگنی کی بات یاد آ گئی۔ میں اس کے شانے پر جھکا تو اس نے یہ خیال کیا کہ میں بوسہ لے رہا ہوں۔ میں نے اس کے شانے پر ہونٹ رکھ دیئے' اس میں پیوست کر دیئے۔ جب وہ بے خود ہونے لگی تو میں نے دانت گاڑ دیئے۔ وہ ایک دم سے اچھلی اور اس نے میرے بازوؤں کی گرفت سے نکلنا چاہا۔ وہ بہت مضبوط تھی۔ میں نے اس ایک لمحے میں اس کا مرمریں شانہ زخمی کر کے اس کا خون پی لیا۔ وہ اتنا میٹھا اور خوش ذائقہ تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ اس کا سارا خون پی جاؤں۔ وہ میرے بازوؤں سے نکل نہ جاتی تو میں شاید اس کا سارا خون ہی پی جاتا۔ اس نے فوراً ہی ناگن کا بہروپ بھر لیا۔ ایسے وقت میں

میری عقل نے بڑا کام کیا۔ فرش پر اس کا لباس جو بکھرا پڑا تھا وہ اٹھا کر اس پر ڈال دیا اور اس میں لپیٹ کر خالی کنستر جو قریب ہی رکھا تھا اس میں ڈال کر اس کے منہ پر پاس ہی رکھا ہوا مٹکا رکھ دیا۔ اب وہ نہ تو باہر نکل سکتی تھی اور نہ مجھے ڈس سکتی تھی اور اس کا اور کسی بھی ناگن کا جادو مجھ پر چل نہیں سکتا تھا کیونکہ میں خون پی چکا تھا۔

میں ایک لمحے کیلئے بھی نہیں رکا۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ ماروتی جو ناگن کے روپ میں تھی کنڈلی مار کے سو رہی تھی۔ پھر میں وہاں سے بگٹٹ سرائے کی طرف بھاگا۔ پیچھے پلٹ کے بھی نہیں دیکھا۔ سرائے کے باہر پہنچ کے رکا۔ اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ جب سانسیں قابو میں آ گئیں تو میں سرائے میں داخل ہوا۔ موہنی کے کمرے میں دیا جل رہا تھا۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اس کی روشنی میں میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک مرد کے ساتھ سو رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں راگنی بھی ایک مرد کے ساتھ سو رہی تھی۔ شاید یہ مرد دونوں ہی مسافر تھے۔ مجھے ان سے کیا غرض ہو سکتی تھی۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ میں نے اپنا دستی بیگ دیکھا۔ اس میں رقم موجود تھی۔ میں نے رقم نکال کر اندرونی جیب میں رکھی اور بیگ اٹھا کر گھاٹ کی طرف چل دیا تاکہ کوئی بھی لانچ آئے تو اس میں سوار ہو کر یہاں سے نکل جاؤں۔ کسی ایسی جگہ اتر جاؤں گا جہاں ہندوؤں کی آبادی ہو تاکہ ہندو مسلم فساد سے محفوظ رہوں۔

علی الصبح سورج طلوع ہونے سے قبل ایک لانچ آئی۔ اس میں ہندو لوگ بھرے ہوئے تھے۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ ان مسافروں نے بتایا کہ وہ سب کلکتہ جا رہے ہیں۔ لانچ کھچا کھچ مرد' عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھی۔ جیسے جیسے لانچ گاؤں سے دور ہوتی گئی مجھے سکون ملتا گیا۔

دو دن اور دو راتوں کا یہ سفر تھا۔ یہ لانچ راج شاہی پر جا کر خراب ہو گئی تو پھر وہاں سے بسوں اور کشتیوں سے مسافر روانہ ہو گئے۔ میں نے کلکتہ پہنچ کر بہت ہی سستے ہوٹل میں ایک کمرہ لیا۔ میں یہاں ایک دو ماہ گزار کے اپنے گاؤں جانا چاہتا تھا۔ میرے پاس اتنی رقم تھی کہ میں تین چار ماہ ہوٹل بازی کر سکتا تھا۔ ٹھاٹ بھاٹ سے رہنا مشکل نہ تھا۔ کلکتہ بہت بڑا شہر تھا۔ یہاں غربت بھی بہت تھی۔ سب سے سستی عورت تھی۔ ہر قوم و نسل اور مذہب کی عورتیں اور مرد تھے۔

ایک شام میں ٹہلتا ہوا وکٹوریہ پارک کی طرف جا نکلا۔ یہاں چونکہ میرے لئے کوئی کام اور مصروفیت نہیں تھی اور میں چند دنوں میں ہی اکتا گیا اور بیزار ہو گیا تھا۔ ہوٹل کے ویٹر نے مجھ سے کہا کہ ایک نیپالی لڑکی ہے جس کی عمر پندرہ برس کی ہے۔ اس کے والدین بہت ہی غریب ہیں' یہ ان کی ایک ہی بیٹی ہے۔ وہ لوگ ایک جھونپڑی میں رہتے ہیں جس میں دو کمرے ہیں۔ اگر تم انہیں روزانہ پانچ روپے دو تو نہ صرف تینوں وقت کھانا اور رہنے کو مل جائے گا بلکہ وہ لڑکی بھی رات کو تمہارے ساتھ بیوی کی طرح رہے گی۔ یہ سودا بہت ہی سستا تھا کیونکہ ہوٹل کا کرایہ یومیہ پانچ روپے تھا۔ تینوں وقت کے کھانے پر چار پانچ روپے خرچ ہو جاتے تھے اور پھر ایک کم سن لڑکی کا قرب...... وہ ایک شام مجھے اس لڑکی کے گھر لے گیا۔ میں نے لڑکی کو دیکھا۔ وہ سفید چمڑی کی تھی۔ چودہ برس کی عمر کی تھی لیکن اس کی اٹھان سترہ اٹھارہ برس کی عمر کی تھی۔ لڑکی کے والدین نے مجھے رات کو اپنے ہاں روک لیا۔ وہ لڑکی رات بھر میرے کمرے میں رہی۔ وہ بہت اچھی' سیدھی سادھی اور بھولی بھالی صورت کی تھی۔ اس نے مجھے بہت خوش کیا۔ اس کے والدین نے میری بڑی عزت کی تھی۔ میں دس روپے دے کر دو ایک دن میں ان کے ہاں آنے کا کہہ کر چلا آیا۔ ان کے ہاں آ کر ٹھہرنے سے پہلے میں اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کیسے ہیں' نیپال میں بھی چونکہ بہت غربت تھی اس لئے وہاں سے لڑکیوں کو لا کر فروخت کیا جاتا اور انہیں غلط راستے پر چلایا جاتا تھا۔ وکٹوریہ پارک میں شام کے وقت بڑی رونق اور گہما گہمی ہوتی تھی۔ لوگ تفریح کیلئے آتے تھے۔ ان میں مرد' بچے' نوجوان لڑکیاں اور عورتیں بھی آتی تھیں۔ آج میں دوسری مرتبہ آیا تھا۔ جب میں پارک کے اندر داخل ہوا تو میں نے اس کے ایک گوشے میں بھیڑ بھاڑ دیکھی اس طرف بڑھ گیا۔ مرد' بچے اور عورتیں ایک بہت بڑے دائرے میں کھڑے ہوئے تھے اس دائرے کے بیچ میں ایک مداری تماشہ دکھا رہا تھا۔ دو لکڑی کی بنی ہوئی مورتیاں تھیں جو تین فٹ کی ہوں گی۔ بہت ہی خوبصورت تھیں۔ ان کی آنکھیں بھی بڑی بڑی' خوبصورت اور چمکدار تھیں۔ ان پر یہ دھوکہ ہو رہا تھا کہ ان میں جان ہے۔ مداری کے ہاتھ میں ایک بڑی سی ڈگڈگی تھی جسے وہ زور زور سے بجا کر کہہ رہا تھا۔

''یہ مورتیاں...... جادوگرنیاں ہیں' انسانوں کی طرح بولتی' جادو اور کرتب بھی دکھا سکتی ہیں...... کوئی گانا گائے یا تالیاں بجائے تو اس کی تال پر ناچتی ہیں اور پھر یہ نظروں سے

غائب ہو کر پھر ظاہر بھی ہو جاتی ہیں۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' سب اس کی بات سن کر خاموش رہے لیکن میں خاموش نہ رہ سکا۔ میں نے تمسخر سے کہا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو...... تم ہم سب کو بے وقوف بنا رہے ہو۔ لکڑی کی یہ بے جان مورتیاں جادوگرنیاں کیسے ہو سکتی ہیں؟''

''کیوں نہیں ہو سکتی ہیں۔'' مداری نے تکرار کی۔ ''یہ مورتیاں کالی داس کی ہیں۔ انہوں نے مجھے خود دی ہیں جو کالی چرن داس کی......''

''یہ کون کالی چرن داس ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''وہ کیا چیز ہے' کیا بیچتا ہے' کہاں رہتا ہے؟''

''تم اتنے بڑے جادوگر کو نہیں جانتے ہو' بنگال اور آسام کا بچہ بچہ انہیں جانتا ہے' وہ اس وقت کہاں ہوں میں نہیں جانتا......''

''میں نے اس کا نام کبھی نہیں سنا...... یہ مورتیاں جادوگرنیاں ہیں تو کیا جادو دکھا سکتی ہیں؟'' میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ ''صرف باتیں کرو گے...... دراصل تم ایک جھوٹے اور شعبدہ باز ہو۔ کسی ایک مورتی سے کہو کہ اپنا کوئی جادو دکھائے۔''

''اگر یہ بات ہے تو تم ایسا کرو کہ ان مورتیوں سے کہو کہ اپنا کوئی جادو دکھاؤ اور ان کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔'' مداری نے کہا۔

یہ مورتیاں دو رنگ کی تھیں۔ ایک مورتی کالے رنگ کی تھی اور دوسری کا رنگ گندمی...... میں ہرے کالے رنگ کی مورتی کے سامنے جا کر سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اپنا کوئی جادو دکھاؤ''

''میں تمہارا ایک ہاتھ غائب کر سکتی ہوں۔'' مورتی نے نسوانی آواز میں کہا۔ ''تمہارا دایاں ہاتھ غائب کر دوں یا بایاں ہاتھ......''

میں مورتی کو انسانوں کی طرح بولتے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ تماشائی بھی حیران اور متعجب ہو کر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

''بایاں ہاتھ......'' حیرانی کے باوجود میرے لہجے میں تمسخرانہ انداز تھا۔ ''صرف ایک ہاتھ غائب کرنا۔'' میں نے بے خوفی سے کہا۔ اسے بولتے دیکھ کر میں ڈرا نہیں تھا۔

''لیکن یہ بات اچھی طرح سوچ لو کہ تمہارا یہ ہاتھ غائب ہونے کے بعد دوبارہ
واپس نہیں آئے گا۔'' مورتی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تو بعد کی بات ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''پہلے تو میرا ہاتھ غائب کر
کے دکھاؤ تو میں جانوں......''

''دوستو...... اور بہنو!......'' مداری نے ڈگڈگی زور سے بجاتے ہوئے کہا۔
تماشائی اب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ''یہ سپوت کیا کہہ رہا ہے آپ لوگوں نے سنا....
آپ لوگوں نے مورتی کی بات بھی سنی...... یہ کالی مورتی اس سے کہہ رہی ہے کہ وہ اس کا
ہاتھ غائب کر دے گی لیکن اس کا ہاتھ واپس نہیں آئے گا۔ یہ ایک ہاتھ سے محروم ہو جائے گا
ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میں اس بات کا ذمہ دار نہیں ہوں گا کیونکہ یہ مورتیاں میرے زیر اثر نہیں ہیں
یہ صرف کالی چرن داس کی بات سنتی اور مانتی ہیں۔ یہ سپوت اپنا ہاتھ غائب کرنے پر تلا ہوا
ہے۔ اس کا ہاتھ واپس نہ آئے تو مجھے آپ لوگ کوئی دوش نہ دیں اور نہ اس مورتی کو۔ میں
اس سپوت کو دوبارہ سمجھاتا ہوں۔ مجھے اس کی جوانی پر رحم آ رہا ہے۔ وہ یہ جادو اپنے اوپر
کرائے۔ کوئی اور جادو کیلئے کہے...... کیوں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟''

''کالی مورتی......!'' مداری نے بڑے زور سے پھر ڈگڈگی بجائی۔ ''اب تم اس
نوجوان کا ہاتھ غائب کر دو۔''

میری بے خوفی' ہمت اور عزم و حوصلے پر لوگوں نے خوش کر بڑے زور سے تالیاں
بجائیں۔ مورتی کی آنکھوں سے ایک تیز شعاع نکلی اور میرے بائیں ہاتھ کی طرف آئی۔
ایک دم سے میرا ہاتھ غائب ہو گیا اور مجھے محسوس تک نہیں ہوا۔ میں نے دیکھا تو میرا ہاتھ
غائب تھا۔ تماشائی ایک لمحے کیلئے دنگ رہ گئے۔ دوسرے لمحے انہوں نے بڑے زور کی
تالیاں بجا کے مورتی اور مداری کو داد دی۔

سچ مچ میرا ہاتھ غائب ہو گیا اس طرح جیسے پیدائشی طور پر نہ ہو۔ میں ایک ہاتھ
سے پیدائشی معذور جیسا ہو گیا تھا۔ میں نے مذاق سمجھ کر کہا تھا لیکن یہ مذاق نہ تھا۔ میں نہ
صرف گھبرا گیا بلکہ خوفزدہ بھی ہو گیا تھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ یہ میں نے کیا کیا...... میں
اس مورتی کا معمول کیوں بن گیا۔ میری پیشانی عرق آلود ہو گئی اور رگوں میں لہو منجمد ہو گیا
دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا۔

اتنے میں دو پولیس والے ادھر آ نکلے۔ ان میں سے ایک نے اسے بری طرح
ڈانٹا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے......مرلی! میں نے تجھ سے کتنی بار کہا کہ تو پارک میں آ کر کھیل نہ
دکھایا کر...... اچھا ہوا تو آج بندروں کو لے کر نہیں آیا۔ چل مورتیاں اٹھا بھاگ جا...... آپ
لوگ بھی جائیں۔''

دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ چھٹ گئی۔ پولیس والے بھی چلے گئے۔ مداری مورتیاں
اٹھانے کیلئے بڑھا تو میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے ہذیانی لہجے میں کہا۔
''میں تم سے اور مورتی سے مذاق کر رہا تھا۔ میں سمجھا کہ تم شعبدہ باز ہو' بھگوان کیلئے میرا ہاتھ
لا دو۔''

''میں نے اور مورتی نے بھی تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اچھی طرح سوچ لو۔
ہاتھ واپس نہیں آئے گا لیکن تم نے اسے مذاق سمجھا۔''

''کاش! اسے میں نے مذاق نہ سمجھا ہوتا...... میں سخت نادم ہوں۔'' میں نے
خفت سے کہا۔ ''تم مورتی سے کہو کہ میرا ہاتھ واپس لا دے۔''

''میں کہہ کے دیکھتا ہوں۔'' مداری نے جواب دیا اور پھر کالی مورتی سے کہا۔
''کالی مورتی! تم ناراض نہ ہو' اس کا ہاتھ واپس لا دو۔''

''بہت مشکل ہے۔'' کالی مورتی کے اندر سے آواز آئی۔ ''ویسے میں کوشش کرتی
ہوں لیکن مجھے امید نہیں۔ تم نے ہماری بات مان لی ہوتی!''

دوسرے لمحے کالی مورتی کے اندر سے ایک آواز نکلی اور فضا میں گونجی۔ ''کالی
چرن داس مہاراج! آپ کی جے ہو...... آپ اس نردوش کو معاف کر دیں...... اس سے
انجانے میں بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ اس کا ہاتھ اسے واپس کر دیں۔''

''تم نے ایک ایسا پاپ کیا ہے کہ جو مہاراج کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' ایک
کرخت مردانہ آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''جو مہاراج کا مذاق اڑاتے ہیں وہ انہیں ایسی
ہی سزا دیتے ہیں۔ اب تم ساری زندگی اسی طرح ایک ہاتھ سے محروم رہو گے' معذور رہو
گے۔''

''یہ کس کی آواز تھی اور کہاں سے آئی تھی۔'' میں نے ادھر ادھر حیرت اور خوف کی
سی حالت میں دیکھا۔ ''تم نے سنا اس نے کیا کہا؟''

"ہاں...... میں نے سن لیا۔" مداری نے سر ہلایا۔ "یہ مہاراج کالی چرن داس
موکل کی بات ہوگی۔ تمہاری باتیں ان کے موکل نے سن لیں اور انہوں نے غصے میں
تمہیں سزا دی ہے۔ تم نے تمسخر کیا' طنز کیا اور تکبر بھی کیا تھا۔ کاش! تمہیں پہلے سو
چاہیے تھا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوا ہے؟" میں نے وحشت زدہ
میں پوچھا۔ "کسی کا ہاتھ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غائب ہوگیا۔"

"نہیں...... اس سے پہلے کبھی کسی ایک شخص کا ہاتھ بھی غائب نہیں ہوا۔" م
کے بجائے مورتی بولی۔ "حالانکہ میں ہاتھ غائب کرتی رہی ہوں۔ شاید اس لئے نہیں ہ
انہوں نے کبھی ضد' تکبر اور تمسخر نہیں کیا۔ تم شرافت سے پیش آتے تو تمہارا ہاتھ واپ
جاتا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا...... تمہیں ہر قیمت پر میرا ہاتھ واپس لانا ہوگا۔" میں کہ
اٹھا۔ "اگر تم نے مجھے میرا ہاتھ نہیں لوٹایا تو پولیس سے کہہ دوں گا۔ اس وقت وہ سا
تماشائی پارک میں موجود ہیں۔ وہ تمہارے خلاف پولیس کو گواہی دیں گے' تم اندر ہو
گے۔"

"لیکن وہ میرے حق میں دیں گے کہ میرے منع کرنے کے باوجود تم اپنے
جادو کروانے اور ہاتھ غائب کرانے پر تیار ہو گئے تھے۔"

"لیکن یہ جادو اور کسی کا ہاتھ غائب کر دینا جرم ہے۔ میرے کہنے سے کیا
پولیس تمہیں سزا دے گی۔" میں نے اسے دھمکی دی۔

"میں کچھ کرسکتا ہوتا تو فوراً ہی کر دیتا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ "تم ایک
سے معذور ہو گئے ہو مجھے اس کا افسوس ہے۔ تمہاری معذوری سے مجھے کیا فائدہ ......؟
ہاتھ کالی چرن داس ہی واپس دے سکتے ہیں' میں اب کچھ نہیں کرسکتا۔"

"مجھے بیوقوف مت بناؤ...... یہ ساری کارستانی تمہاری اپنی ہے۔ ابھی میں پو
کو آواز دے کر بلاتا ہوں۔" میں نے بگڑ کے کہا۔

"ٹھہرو...... ٹھہرو' مداری کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔ "پولیس کو نہ بلاؤ' پھ
میری بات سن لو۔"

"کیا بات ......؟" میں نے اسے گہری نظروں سے گھورا۔ "کیا تم میرا دوسرا ہاتھ
بھی غائب کرنا چاہتے ہو' کیوں؟"

"نہیں...... یہ بات نہیں...... جب تک کوئی معمول نہیں بنتا اس وقت تک اس پر
جادو نہیں چلتا ہے۔ تم میرے ساتھ میرے گھر چلو...... میرے پڑوس میں انیل بابا رہتے ہیں'
انہیں بھی تھوڑا بہت جادو آتا ہے' وہ شاید تمہاری مشکل آسان کر دیں۔"

"تم مجھے بے وقوف بنانے کیلئے فریب دے کر گھر لے جا رہے ہو۔" میں نے
تیزی سے کہا۔ "محلے داروں کو اکٹھا کر کے اپنی جان بچانا چاہتے ہو؟"

"نہیں دوست......!" اس نے مورتیوں کو تھیلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر اس
نے زمین پر سے وہ سکے اٹھائے جو تماشائیوں نے پھینکے تھے۔ "دراصل میں تو تم سے زیادہ
پریشان ہوگیا۔ میں کوئی پندرہ سولہ برس سے مداری بنا ہوا ہوں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہاتھ
غائب ہو کر پھر واپس نہ آیا ہو۔ یہ پہلی مرتبہ اس لئے ہوا کہ تم نے چونکہ کالی چرن داس کی
غائبانہ گستاخی کی اس لئے یہ سزا ملی ہے۔"

میں نے اس کے لہجے سے اور اس کی آنکھوں سے محسوس کر لیا کہ وہ سچ بول رہا
ہے' فریب نہیں دے رہا ہے۔ اس کی نیت میں کوئی فتور نہیں ہے' اس لئے میں اس کے ساتھ
چل پڑا۔ مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے جنہوں نے میرا ہاتھ غائب
ہوتے دیکھا تھا انہوں نے بدستور میرا ہاتھ غائب دیکھا تو وہ مجھے حیرت سے دیکھ کے آپس
میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ کچھ خوفزدہ بھی لگ رہے تھے۔ اس دیش میں ایسے مداریوں'
جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی کمی نہیں تھی۔ ان سے انگریز بھی بہت پریشان اور خائف رہتے
تھے۔

وہ مجھے جس بستی میں لے آیا اس میں غریبوں کی آبادی تھی۔ اس میں چینی
باشندوں' نیپالی' سامی اور دیگر ممالک کے باشندے بھی تھے۔ اس نے اپنی جھونپڑی میں مجھے
لے جا کر پہلے چائے بنا کر پلائی۔ پھر اس نے انیل باب کی جھونپڑی کے دروازے پر مجھے
ساتھ لے جا کر دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ 16 برس کی ایک آسامی لڑکی
کھڑی تھی جو جوانی کے خمار سے دل کو گرمانے لگی۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ وہ اس کے پتا
جی سے ملنے آئے ہیں۔ چند لمحوں کے بعد ہم انیل بابا کے سامنے چٹائی پر بیٹھے تھے۔ ان

کے گھر سے عسرت جھانک رہی تھی۔ ان کی بیٹی نے جو ساڑھی پہن رکھی تھی اس میں بھی ب
سارے پیوند لگے ہوئے تھے۔ مداری نے انیل بابا کو مختصر الفاظ میں ساری کہانی سنائی۔
انیل بابا نے بڑے غور سے سنا لیکن ان کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات
یکسر عاری رہا۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی کو آواز دے کر بلایا۔ اسے ساری بات بتائی تو
بولی۔ ''کالی چرن داس تو بہت بڑے جادوگر ہیں...... میں انہیں اپنے موکل سے بلانے
کوشش کرتی ہوں۔''

''ہاں بیٹی...... اس غریب کی مدد کرو...... یہ بہت بڑی مصیبت میں نوجوانی،
غرور، نادانی اور غلطی کے باعث پھنس گیا ہے۔''

''رات کے بارہ بجے ہی عمل شروع کر سکتی ہوں۔'' اس نے پانی سے بھر
پیالے میں کچھ پڑھ کر پھونکا۔ ''وہ اس وقت جاپ کر رہے ہیں اس لئے نہیں آ سکتے...
اس نے پانی میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اب تم رات صبر کرو، رات بارہ بجے سے، کچھ دیر پہلے
جانا۔''

مداری نے باہر آ کر مجھ سے کہا کہ تم ان کی سیوا کرو۔ رات کا کھانا ہوٹل سے خ
کے پہنچا دو۔ ان دنوں پانچ روپے سو روپے سے زیادہ قیمت رکھتے تھے۔ میں نے دس رو
خرچ کیے۔ مٹھائی، بھات، ماس، دودھ اور جانے کیا کچھ خرید کر ان کے ہاں پہنچا دیا۔ پھر
دونوں نے ایک ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا۔ رات بارہ بجے سے تھوڑی دیر پہلے ان کے ہا
پہنچے۔ باپ بیٹی ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ وہ میری سیوا سے بھی بہت خوش تھے۔ مدا
نے مجھے بتایا تھا کہ ان کی بیٹی کیوری بھی کسی بڑی جادوگرنی سے کم نہیں ہے۔ انیل اسے ا
جادو، منتر اور بہت سارے علوم اس وقت سے سکھا رہے ہیں جب وہ نو برس کی تھی لیکن ا
نے اور اس کے پتا جی نے اس جادو سے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔

کمرے کے وسط میں پہلے ہی سے ایک بڑا برتن پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ہم اس
گرد بیٹھ گئے۔ کیوری آنکھیں بند کر کے کوئی عمل پڑھتی رہی۔ اس کے ہونٹ بدبدا رہے۔
لیکن ایک لفظ بھی واضح اور صاف نہ تھا۔ کمرے میں ہولناک سناٹا طاری تھا۔ کوئی بیس م
کے بعد کیوری نے آنکھیں کھول دیں اور پانی پر بڑے زور کی پھونک ماری۔ کمرے میں
تین دیئے تین طرف روشن تھے وہ خود بخود بجھ گئے اور کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

ے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ دوسرے لمحے میں بھن سے زوردار اجالا ہو گیا جیسے
بہت سارے دیئے جل اٹھے ہوں۔ کمرے میں یہ اجالا پھیل گیا، پانی کی سطح پرسکون تھی۔ اس
یں ایک چہرہ ابھرا جو ایک مرد کا تھا۔ اس چہرے پر بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ کسی راجہ، مہاراجہ
یسا چہرہ...... اس کی سیاہ آنکھیں بہت بڑی بڑی اور بے حد چمکدار تھیں۔ پانی میں صرف
اس کا سر نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا ہو۔ میں اس کا تن سے
رٹا ہوا دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ رگوں میں لہو برف کی طرف یخ ہونے لگا۔

''کیوری بیٹی......!'' اس چہرے نے کیوری کو دھیمے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم نے
ہمیں کیوں یاد کیا......؟ خیریت تو ہے؟''

''اس مکر جی سے بڑی بھول ہوئی ہے، وہ بڑا نادم ہے مہاراج!'' کیوری نے اس
ی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ شما کر دیں اور اس کا بازو......''

''تم اس پاپی کی سفارش کر رہی ہو۔'' اس کا لہجہ قدرے کرخت ہو گیا۔ ''میں نے
داری کو مورتیاں اس لئے دیں کہ وہ انہیں ذریعہ معاش بنائے لیکن میں نے اسے تنگ اور
یشان نہیں کیا کیونکہ اس نے مورتیوں سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ اپنی محنت کی کماتا آ
رہا ہے، اس میں کبھی غرور اور تکبر پیدا نہیں ہوا۔ برابر کمالات دکھاتا آ رہا ہے لیکن اس پاپی
نے بڑے غرور اور اکڑ کا مظاہرہ کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا میں اسے معاف کر دیتا، اس کا بازو لوٹا
دیتا۔ ایسے پاجی کو کڑی سزا ملنا ضروری ہے۔''

میں نے اس کی باتوں سے اندازہ کر لیا کہ یہی کالی چرن داس جادوگر ہے۔ میں
خوف و دہشت کی حالت میں گڑگڑایا۔ ''مہاراج! بھگوان کیلئے آپ مجھے معاف کر دیں۔
میں اپنی غلطی اور غرور پر سخت نادم ہوں۔ معلوم نہیں اتنی بڑی بھول مجھ سے کیسے اور کیونکر ہو
گئی۔''

''اب تم ساری زندگی کیلئے معذور ہو گئے ہو اور تم جب تک زندہ ہو اس وقت تک
ایک ہاتھ سے زندگی گزارنے پر مجبور ہو گے۔''

''نہیں...... نہیں...... مہاراج!'' میں اس طرح لرزنے لگا جیسے لرزے کا مریض
ہوں۔ ''بھگوان کیلئے اتنی بڑی سزا تو نہ دیں۔''

''معافی کی ایک صورت ہے...... بہت بڑی بھینٹ دینا ہو گی...... جبکہ بھینٹ

دینا آسان نہیں ہوتا ہے۔'' وہ گرج کر بولا۔ ''کیا تجھے مداری نے میرے بارے میں نہیں بتایا تھا...... بتایا تھا تو نے لاعلمی کا اظہار کیا' میری تضحیک بھی کی' میں اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔''

''یہ میری بھول تھی جو میں نے نادانستگی میں ایسی حرکت کر دی اور آپ کے نا کی لاج نہیں رکھی۔'' میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''بھول کی سزا تمہیں ملنی چاہیے۔'' اس کا لہجہ اور کرخت ہو گیا۔ ''تم نے مداری کی بات نہیں مانی جبکہ اس نے میرے بارے میں بتایا تھا۔ اب میں تجھے سزا دیئے بغیر نہیں رہوں گا...... کبوری! تم اس کے اور میرے معاملے میں دخل دو اور نہ اس کی کوئی سفارش کرو...... اس مورکھ سے کہہ دو کہ جو لوگ بھول کرتے ہیں' اپنی عقل اور ذہانت سے کام نہیں لیتے ہیں وہ ساری زندگی ٹھوکریں کھاتے ہیں' ایسے مورکھوں کو سبق ملنا چاہیے۔''

پھر ایک دم سے وہ چہرہ غائب ہو گیا۔ روشنی بھی غائب ہو گئی۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ جو دیئے بجھ گئے تھے وہ جل اٹھے۔

''میں نے بہت کوشش کی لیکن مہاراج نے میری ایک نہ سنی۔'' کبوری نے افسردگی سے کہا۔ ''اب تمہی بتاؤ...... اب میں کیا کروں؟ کیا کر سکتی ہوں؟''

اس وقت میری حالت بڑی غیر ہو رہی تھی جبکہ مداری کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''دوست! اب تو تمہارے دل میں میرے خلاف کوئی نفرت اور شکایت نہیں۔ نا...... تمہارا بازو جو غائب ہو گیا اس میں میرا کوئی دوش نہیں ہے' اب تو میں آزاد ہوں۔''

''دوش نہ تمہارا نہ تمہاری مورتی اور تمہارے مہاراج کا......'' میں نے جل کر کہا۔

''بلکہ میرا اور میری قسمت کا ہے جو تماشا دیکھنے آیا۔''

''تم اس صورت میں اپنا بازو حاصل کر سکتے ہو کہ بھینٹ دو۔'' انیل بابا نے کہا۔

''کیا تم بھینٹ دینے کیلئے تیار ہو؟''

''کیوں نہیں...... میں اپنے بازو کو حاصل کرنے کیلئے بڑی سے بڑی بھینٹ دینے کیلئے تیار ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''کالی چرن داس نے بھینٹ مانگی...... لیکن نہیں بتایا کہ مجھے کیا بھینٹ دینا ہو گی' وہ سخت ناراض ہو گئے۔ وہ بھینٹ کیا ہو سکتی ہے؟ آپ کو کچھ اندازہ ہے؟''

''کاش! وہ بتا دیتے۔'' انیل بابا نے کہا۔ ''تمہاری بہت بڑی مشکل حل ہو جاتی۔ اں مجھے یاد آیا' ان کا ایک گہرا دوست ہے۔ اس کا نام رنگا سوامی ہے۔ وہ دل کا بڑا اچھا ادمی ہے۔ وہ تمہارے کام آ سکتا ہے' تم اس سے جا کر ملو۔''

''ٹھیک ہے...... میں اس سے جا کر ملتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا پتہ بتا یں۔''

''اس سے میری ملاقات کو پچیس برس کا عرصہ ہو رہا ہے۔'' انیل بابا کہنے لگے۔ ''میں بنارس یاترا گیا تھا تو وہاں کے سب سے بڑے اور قدیم رام چندر مندر میں ملاقات ہوئی تھی۔ کالی چرن داس نے اس سے ملایا تھا۔ ہم لوگ کالی ماتا سے شکتی حاصل کرنے جمع ہوئے تھے۔ رنگا سوامی مدراس کا بہت بڑا جادوگر ہے۔ مدراس کے شمال میں ایک قدیم مندر ہے' اس کا نام مراٹھا مندر ہے۔ اب وہ اس مندر میں پجاری ہے۔ وہ اب تک زندہ ہے۔ ہیں اس سے ملنے میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔''

''میں کل ہی مدراس کیلئے روانہ ہو جاؤں گا۔'' میں نے خوش ہو کر پرجوش لہجے ں کہا۔ ''آپ اور آپ کی بیٹی کبوری بھی میرے ساتھ چلیں۔ میں سفر کے اخراجات اشت کرلوں گا۔ پھر آپ کی ملاقات اپنے پرانے دوست سے بھی ہو جائے گی۔''

''بھگوان تمہیں سدا خوش رکھے۔'' انیل بابا نے میرے سر پر محبت اور شفقت سے ھ پھیرا۔ ''میں اکثر بیمار رہنے لگا ہوں۔ میں اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتا۔ بیمار نہ ہوتا تمہارے اتھ ضرور چلتا۔ مدراس شہر پہنچ کر کسی سے بھی مندر اور ان کے بارے میں پوچھو گے تو وہ بتا ے گا۔ کیونکہ وہ بہت مشہور شخصیت بھی ہیں۔ ان سے ملو تو کہہ دینا کہ میں انہیں بہت یاد رتا ہوں اور نمسکار کہہ رہے تھا۔''

میرے دل کے کونے میں آیا کہ کیوں نہ میں مداری کو بھی ساتھ لے جاؤں لیکن ے ساتھ لے جانے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ وقت اور پیسے کی بربادی تھی کیونکہ یہ میرا اپنا ی مسئلہ تھا۔ مداری حل نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے خود ہی جدوجہد کرنا تھی۔ مداری کو کیا غرض ی۔ وہ مجھ سے اپنا دامن چھڑانا چاہتا تھا۔ وہ یوں بھی کسی قیمت پر چلنے کیلئے تیار نہیں ہو ا۔

میں جب انیل بابا کے ہاں سے نکلا اور مداری سے مل کر رخصت ہوا تو رات کا

ایک بج رہا تھا۔ پہلے تو سوچا کہ اس نیپالی کے ہاں چلا جاؤں۔ رات اس لڑکی کے ساتھ گز
لوں کیونکہ اس وقت میں بہت اداس اور غمگین تھا۔ بازو سے محروم ہونے کے بعد دل بہ
خراب ہو گیا تھا۔ ایک دم سے کوئی معذور ہو جائے تو اس کے دل کی کیا حالت ہو گی۔
ساری زندگی کیلئے لاچاری اور ایسا روگ تھا جو نا قابل برداشت تھا۔ ایک لڑکی کا قرب ہی
دکھ دور کر سکتا اور دل کو شانتی پہنچا سکتا تھا۔

لیکن وہ میرا بازو غائب دیکھ کر خوفزدہ ہو سکتی تھی۔ میری کہانی پر اعتبار نہیں کرتی
اس کے والدین بھی حیران اور پریشان ہو جاتے۔ انہیں چونکہ پیسوں سے غرض تھی اس۔
وہ مجھے رات گزارنے دے دیتے۔ میں وہاں جانے کے بجائے ہوٹل آ گیا۔ رات کے وقت
ملازم نے کوئی خیال نہیں کیا۔ میرا بازو غائب تھا لیکن قمیض کی آستین موجود تھی۔ رات
وقت تھا' نیم اندھیرا تھا۔

اس ملازم نے بتایا کہ مدراس جانے والی ریل گاڑی صبح 9 بجے روانہ ہوتی ہے
میں منہ اندھیرے ہی ہوٹل سے نکل کر سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ ساری رات میں ایک
کیلئے سو نہ سکا۔ میں ساری رات پھوٹ پھوٹ کر اپنی اس معذوری پر روتا اور آنسو بہاتا
کف افسوس ملتا رہا کہ کاش! میں وہاں سے بھاگ کر نہ آتا۔ سرائے ہی میں رہتا' راگنی
موہنی میری سیوا کرتی رہتیں۔ اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں سارا کھیت وا
بات تھی۔ رونے سے میرے دل کی بھڑاس نکل گئی اور غم اور دکھ ہلکا ہو گیا تھا۔

میں نے اسٹیشن پہنچ کر ناشتہ کیا۔ گاڑی ٹھیک 8 بجے پلیٹ فارم پر آ گئی۔ ٹھ
9 بجے روانہ ہو گئی۔ میرے ہم سفروں میں ایک خوبصورت لڑکی جس کا نام بملا تھا وہ ب
حسین ہی نہیں پر شباب بھی تھی۔ اس میں بڑی کشش اور اس کے جسم میں ایسا گداز پن تھا
دل کو گرما رہا تھا۔ جب میں اس کی طرف نگاہ اٹھاتا تو ہٹانے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس
صورت بھی بڑی موہنی تھی۔ میں نے ایک بات محسوس کی کہ لڑکی بڑے اچھے دل کی ہے۔ ا
میں پندار حسن بالکل بھی نہیں ہے۔ وہ دل نواز مسکراہٹ اور مدھ بھری نظروں سے مجھے دیک
رہی۔ اس کے ساتھ اس کا بوڑھا باپ بھی تھا۔ اس نے ازراہ ہمدردی مجھ سے میرے با
کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ یہ پیدائشی ہے۔ اس کا نام رام سوامی تھا
باپ بیٹی کا تعلق مدراس شہر سے تھا۔ میں نے ان سے رنگا سوامی کے بارے میں پوچھا

انہوں نے بتایا کہ مدراس میں انہیں کون نہیں جانتا۔

ان کے پاس ناشتے اور کھانے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ میں نے سفر کے دوران محسوس
کیا کہ بملا میری ذات میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ وہ نہ صرف مجھ سے بڑی بے تکلف ہو گئی تھی
بلکہ گھل مل گئی تھی۔ اس کا باپ سیدھا سادھا آدمی تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی اس بے تکلفی کا برا
نہیں مانا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ بملا مجھے اس کے باوجود دل دے بیٹھی تھی کہ میں
معذور ہوں۔ میں نے کئی بار سوچا کہ باپ بیٹی کو بتا دوں کہ میرے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔
میں بازو کی تلاش میں مدراس رنگا سوامی سے مدد لینے جا رہا ہوں لیکن کسی خیال کے زیر اثر
خاموش رہا۔ وہ کھانے کے وقت مجھے برابر شریک کرتے رہے۔ رات تک میں اور بملا ایک
دوسرے کے اتنے قریب آ گئے تھے کہ جیسے جنم جنم کے ساتھی ہوں۔

رات کے بارہ بجے تھے۔ ڈبے میں تمام مسافر سو گئے تھے لیکن ہم دونوں جاگ
رہے تھے۔ ہماری نیند کوسوں دور تھی۔ ڈبے میں جو روشنی ہو رہی تھی وہ بڑی مدھم تھی۔ گاڑی
تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ ڈبے میں گہری خاموشی طاری تھی۔ پہیوں کی
گڑگڑاہٹ سے اس سکوت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ باہر رات کی تاریکی تھی۔ بملا سفید ساڑھی
اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی جس میں اس کی ہیئت اور قیامت کی ہو گئی۔ رات کے فسوں نے
اس کے حسن و شباب کو دوآتشہ بنا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر حیا کی سرخی تھی جس نے اسے
اور نکھار دیا تھا۔ وہ میری نظروں کے سامنے پہلی سہاگ رات کی دلہن کی طرح بیٹھی تھی۔ اس
کی آنکھوں میں ان گنت دیئے جل رہے تھے۔

اس کے پتا جی اوپر والے برتھ پر گہری نیند سو رہے تھے اور ان کے خراٹے گونج
رہے تھے۔ نیچے والی برتھوں پر ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کی
آنکھوں میں محبت بھری نظروں سے جھانک رہے تھے۔ نگاہوں کی زبان نے محبت کا اقرار کر
لیا تھا۔ دل کی بات زبان پر نہیں آئی تھی۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ
میری زندگی میں کتنی ساری عورتیں آئیں' یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟ ہم دونوں نے ایک
دوسرے کو دل کیوں دے دیا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم مسافر ہیں' مل کر بچھڑ جانے والوں
میں سے۔

''بملا!'' میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ حیا آلود ہو گئی۔ اس کے

چہرے کا گلابی پن گہرا ہو گیا۔ میں نے اس کے ہونٹوں کی مٹھاس چرائی تو اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں نے چند لمحوں کے بعد بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''مجھے تم سے محبت ہو گئ ہے...... کیا تمہیں بھی؟''

اس نے اپنا سر جھکا لیا اور آنکھوں پر لانبی پلکوں کی چلمن گرا لی۔ پھر وہ سرگوشی میں بولی۔ ''یہ آپ نے مجھ پر کیا جادو کر دیا؟''

''جادو میں نے نہیں تم نے کیا ہے بملا!'' میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر ٹھوڑی کے نیچے انگلی دے کر چہرہ اوپر اٹھایا۔ ''تم جادوگرنی ہو۔''

ہم دونوں ایسی ہی محبت بھری باتیں آدھی رات تک کرتے رہے' اس کے پتا جی بیدار نہ ہوتے تو یہ سلسلہ شاید صبح تک چلتا۔

دوسرے دن ایک اور مسافر ہمارے کمپارٹمنٹ میں آ کر میرے برابر بیٹھ گیا۔ سامنے والی برتھ پر بملا اور اس کے پتا جی بیٹھے تھے۔ یہ شخص پہلی ہی نظر میں مجھے پسند نہیں آیا کیونکہ اس کے چہرے سے خباثت ٹپکتی تھی اور اس کی آنکھوں سے کمینگی جھانک رہی تھی۔ اس کی عمر 36 برس کی ہوگی۔ دبلا پتلا اور دراز قد بھی تھا۔ وہ چاہتا تو کسی اور بھی جگہ بیٹھ سکتا تھا کیونکہ بہت ساری سیٹیں خالی تھیں لیکن وہ بملا کو دیکھ کر یہاں آ گیا تھا۔ ہم اسے یہاں بیٹھنے سے منع نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ٹکٹ خرید کر سفر کر رہا تھا۔

اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''مجھے ہربنس لعل کہتے ہیں' میں بھی ضروری کام سے مدراس شہر ہی جا رہا ہوں۔''

ایک تو یہاں آ کر اس کا بیٹھنا بڑا ناگوار لگا تھا اور یہ سن کر زہر لگا کہ وہ بھی مدراس جا رہا ہے۔ اس کی وضع قطع ایسی تھی اور چہرے مہرے سے وہ سادھو دکھائی دیتا تھا۔ لیکن مجھے بہروپیا ہی لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ مختلف حیلے بہانوں سے بملا کو گھور رہا ہے۔ اس کے چہرے اور سراپا کو نظروں میں جذب کر رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں دل کا میلا پن صاف دکھائی دیتا اور محسوس ہوتا تھا۔ اس کا بملا کو گہری نظروں سے دیکھنا میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میں تحمل سے کام لے رہا تھا۔ بس میں ہوتا تو کسی اسٹیشن پر اسے دھکے دے کر اتار دیتا۔

رات کے کھانے سے فراغت پانے کے بعد اس نے بملا کے پتا جی سے کہا۔

''کیوں نہ کچھ قصہ کہانیاں ہو جائیں تاکہ یہ سفر اور رات کٹ جائے۔''

''اگر تم کوئی سچا قصہ جانتے ہو تو سنا دو۔'' بملا کے پتا جی بولے۔ ''شرط یہ ہے کہ کوئی گپ نہ ہو' واقعی ہی سچا واقعہ ہو۔''

''میں ایک سچا قصہ سنا تو سکتا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''وہ ایسا واقعہ ہے کہ شاید آپ لوگوں کو یقین نہ آئے۔''

''یقین بھلا کیوں نہیں آئے گا۔'' بملا کے پتا جی بولے۔ ''قصہ جھوٹا ہے یا سچا اس کا پتہ چل ہی جاتا ہے۔''

''اگر قصہ سننے کا شوق ہے تو آپ سچا قصہ مجھ سے ہی سن لیں۔'' ہربنس لعل کہنے لگا۔ ''مجھے ایک جادوگر کے کمالات بچپن میں دیکھنے کے بعد شوق نہیں بلکہ جنون سا ہو گیا۔ جب میں جوان ہوا تو ایک دوست کے مشورے پر جادو سیکھنے مدراس آ گیا۔ ان دنوں مدراس سے لے کر دہلی تک رنگا سوامی نامی جادوگر کی بڑی شہرت اور بڑا دبدبہ تھا۔ اس پائے کا جادوگر پورے ہندوستان میں نہ تھا۔''

میں رنگا سوامی کا نام سن کر چونک پڑا۔ میں نے حیرت اور تجسس سے دریافت لیا۔ ''کیا رنگا سوامی آج کل مدراس ہی میں ہیں؟''

''معلوم نہیں...... میں تو تیس برس کے بعد مدراس جا رہا ہوں۔'' اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ''تمہیں اس سے دلچسپی کیوں؟''

''اس لئے کہ مجھے بھی جادو سیکھنے کا بہت شوق ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کیا وہ ہر کسی کو جادو سکھا دیتے ہیں۔''

''یہ تو میں نہیں جانتا......'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں نے کوئی ٹھیکہ لیا ہوا ہے...... اچھا تم خاموشی سے سنو...... بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس سے ملن مندر میں جس وقت پہنچا وہ اکیلا تھا۔ جب میں نے اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس جادو سیکھنے کیلئے بہت دور سے آیا ہوں تو اس نے کہا کہ جادو جاننا' سیکھنا اور سکھانا بھی ایک فن ہے اور ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں جادو سکھانے کے فن سے ناواقف ہوں۔ اگر تمہیں جادو سیکھنا اور بہت بڑا جادو بننا ہے تو بنگال کے سب سے بڑے جادوگر کالی چرن داس کے پاس جاؤ۔ ویسے میں تمہیں اس شرط پر تھوڑا سا جادو سکھا سکتا ہوں کہ وہ تمہیں

جادو سیکھنے کی اجازت دے ورنہ ایک چھوٹا موٹا منتر بھی نہیں سکھاؤں گا۔ اس نے یہ شرط کیوا اور کس لئے رکھی اور کیوں منوانا چاہتا ہے میری سمجھ میں نہ آ سکا۔ بڑی عجیب وغریب احمقا سی شرط تھی چونکہ جادو سیکھنے کا جنون تھا اور سیکھنے کا تہیہ کر چکا تھا اس لئے کلکتہ جا پہنچا۔ شیوا کا مندر تلاش کرتے کرتے رات ہو گئی۔ جب میں نے مندر میں قدم رکھا تو مجھے چاروا طرف سے بدروحوں اور چڑیلوں نے گھیر لیا۔ ان کی شکلیں ایسی خوفناک' بھیانک اور کرا تھیں کہ میں خوف و دہشت سے بیہوش ہو گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی بھیانک او دلخراش شکلیں نہیں دیکھی تھیں۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں مندر کے بجائے جنگل میں پڑا تھا مجھے اپنی زندگی کا یقین نہیں آیا کیونکہ میں نے سنا تھا کہ چڑیلیں انسانوں کا خون پی جا ہیں۔

میرے حواس بحال ہوئے تھے کہ اس گہرے گھپ اندھیرے میں میں نے کا چرن داس کو دیکھا۔ اس کے دبدبہ اور بارعب چہرے کو دیکھ کر میرے بدن پر لرزہ طاری ہ گیا۔ اس نے کہا۔ ہرنس لال! اگر تمہیں رنگا سوامی نے میرے پاس نہ بھیجا ہوتا یا تم خو سے آ جاتے تو پھر تمہیں بدروحیں اور چڑیلیں زندہ نہ چھوڑتیں۔ اگر تم میری اجازت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ایک بہت ہی حسین اور نوجوان لڑکی کی بھینٹ دینا ہو گی۔ اس لڑکی کی عم سولہ سے اٹھارہ برس کی ہو۔ آج کل گیارہ برس کی لڑکیاں بھی سیانی ہو جاتی ہیں اور ان کی اٹھان بھرپور جوان لڑکیوں سے کم نہیں ہوتی ہے۔ تم اسے ذبح کر کے اس کا خون اس درخت کی جڑ میں ڈالو گے اور تنے سے بھی لگاؤ گے۔''

میری نگاہ بملا پر پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ اسے اس ڈراؤنے قصے سے کو دلچسپی نہیں ہے' وہ بیزار سی ہو گئی ہے یا پھر وہ خوف محسوس کر کے سونے کی کوشش کر رہی ہے اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ پھر میں نے ہرنس لال کی طرف دیکھا تو میرے بدن پر سنسنی سی دوڑ گئی کیونکہ وہ بملا کی طرف جن نظروں سے دیکھ رہا تھا ان میں ایک وحشیانہ چمک سی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''اتنا کہہ کر کالی چرن داس نظروں سے غائب ہو گیا۔ مجھے یہ رات جنگل میں کا پڑی کیونکہ اس گھپ اندھیرے میں کیسے نکل کر جا سکتا تھا۔ نہ راستہ معلوم نہ ہی سمت...... صبح کا اجالا پھیلتے ہی میں وہاں سے چل پڑا۔ ایک تو جنگل بہت بڑا اور گھنا تھا۔ مجھے جنگل سے

نکل کر راستہ مل رہا تھا اور نہ ہی کوئی سمت...... بڑی دیر بھٹکنے' چلنے اور تلاش کرنے کے بعد آخر ایک ایسا راستہ مل گیا کہ میں باہر آ گیا۔ اس وقت تک شام ہو چکی تھی۔ وہاں سے قدرے فاصلے پر مجھے آبادی نظر آئی۔ وہ ایک گاؤں تھا۔ میں گاؤں میں پہنچا تو ایک سرائے کے بارے میں پوچھا۔ وہاں کوئی سرائے نہ تھی۔ ایک شخص نے مجھے مشورہ دیا کہ میں پنڈت سے ملوں۔ پنڈت سے ملا تو وہ مجھے اچھا اور رحم دل لگا۔ اس کی باتوں میں بڑی مٹھاس تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ایسی کوئی جگہ ہے جہاں میں رات گزار سکوں۔ اس نے مجھے اپنی حویلی لے جا کر ایک کمرے میں ٹھہرایا اور ایک نوکرانی کو میری سیوا کیلئے مامور کر دیا۔ اس کا نام بملا تھا۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ برس سے زیادہ نہیں تھی۔ مجھے بھینٹ چڑھانے کیلئے ایک ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تو تھی۔ جب وہ میرے لئے رات کا کھانا لے کر آئی تو میں نے اسے شیشے میں اتارا' بہکایا کہ...... تم اتنی حسین وجمیل اور پرکشش اور نوجوان لڑکی ہو کر اپنی زندگی اور جوانی یہاں کیوں غارت کر رہی ہو۔ تم اس قدر حسین ہو کہ کسی بھی دیش کی رانی بن سکتی ہو۔ کسی بڑے گھر کی بہو بن کر راج کر سکتی ہو۔ اگر تم اچھی شاہانہ زندگی گزارنا چاہتی ہو جو خوابوں سے بھی حسین اور رنگین ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میرے پاس تین حویلیاں' زمینیں اور اتنی جائیداد ہے کہ تم تصور نہیں کر سکتی ہو۔ وہ میرے قریب ہو گئی۔ پھر اس نے سرگوشی میں کہا یہ پنڈت اجازت نہیں دیں گے۔''

میں نے اس سے کہا کہ پنڈت سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ تم ایسا کرو آدھی رات کو میرے کمرے میں آ جاؤ لیکن احتیاط سے آنا۔ ایسا نہ ہو کہ پنڈت یا کوئی اور دیکھ لے۔ وہ میرے ساتھ فرار ہونے کیلئے آمادہ ہو گئی۔ پھر ہم آدھی رات کو چوری چھپے حویلی سے نکل کر شہر پہنچ گئے۔

میں نے پھر ایک بار بملا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی تھی۔ پھر میں نے اس کے پتا جی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اونگھ رہا تھا۔ ہرنس لال کی نگاہوں نے ابھی تک بملا کے چہرے اور سراپا کو نظروں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس نے چھت میں لگے بلب کی طرف دیکھا تو بلب ایک دم سے ایسا بجھا جیسے فیوز ہو گیا ہو۔ دوسرے لمحے اس کمپارٹمنٹ کے سارے بلب ایک دم سے اس بلب کی طرح بجھ گئے۔ ایسا اندھیرا چھا گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دے رہا تھا۔ ہرنس لال ایک دم سے خاموش ہو

گیا۔ نجانے کیوں اس کی یہ خاموشی اس وقت مجھے پراسراری لگی۔ میرے دل کے کسی کو
میں شک کی لہر اٹھی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے بملا کو اندھیرے سے فائدہ اٹھا کے دبو
لیا ہو اور اس سے من مانی کر رہا ہو۔ بملا نے شاید یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ میری حرکت ہے اس لئے
وہ خاموش ہے۔ اس نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا ہو‘ خود سپردگی سے من مانی کرنے کا مو
دے رہی ہو۔ محبت میں ہم دونوں نے اتنا لمبا سفر طے کر لیا تھا کہ اس میں اب سب کچھ
جائز اور ممکن تھا لیکن اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ صرف میرا ایک بازو ہے۔ اپنے آپ
دونوں بازوؤں کے حصار میں قید پا کر یہ تو اسے سوچنا چاہیے کہ یہ حرکت میری نہیں بلکہ
ہربنس لال کی ہوگی کیونکہ اس وقت وہ محبت اور جذبات کی رو میں بہہ گئی ہے اسی لئے اسے
کسی بات کا احساس نہیں ہوا ہے۔ اس بات کا خیال آتے ہی میں نے ہربنس لال کی طرف
دیکھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے لگا لیکن اس گہری تاریکی میں وہ کیا اس کا سایہ تک نظر
آیا۔

''ہربنس لال!.....'' میں نے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ
سارے کمپارٹمنٹ کے بلب فیوز کیوں ہوگئے؟''

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو میرا شک یقین میں بدل گیا کہ اس نے
بملا کو بے بس کر کے قابو میں کیا ہوا ہے۔ حیرت کی بات تھی کہ بملا میری آواز سن کر بھی نہیں
سمجھی کہ اس کے ساتھ کون من مانی کر رہا ہوگا۔ وہ کس کے بازوؤں میں سمائی ہوئی ہے۔ مجھے
اس پر غصہ بھی آیا کہ وہ کیسی احمق لڑکی ہے‘ اس نے میری آواز سن کر بھی یہ نہیں جانا کہ میں
نہیں بلکہ ہربنس لال ہے۔

میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں‘ چند لمحوں کے بعد کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلنے کی
آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ایک سرد ہوا کا تیز جھونکا اندر آیا۔ میں نے جلدی سے اٹھ
کر دروازہ بند کیا اور پھر واپس اپنی جگہ آ بیٹھا۔ میرے اندر نفرت اور غصے کی تیز لہر اٹھی۔ میں
نے اس جانب ہاتھ بڑھایا جہاں ہربنس لعل بیٹھا تھا تاکہ بملا کو اس کی گرفت سے آزاد
کرواؤں۔ اسی لمحے روشنی ہوگئی۔ نہ صرف یہ بلب بلکہ تمام بلب جل اٹھے۔ روشنی ہوتے ہی
میں نے ہربنس لال کی طرف دیکھا‘ وہ اپنی جگہ موجود نہ تھا۔ پھر میں نے بملا اور اس کے پتا
جی کی طرف دیکھا تو اس طرح سے اچھل پڑا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو‘ بملا کے پتا جی اپنی

نشست پر بے سدھ پڑے تھے‘ بملا غائب تھی۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ یہ حیرت کی بات تھی۔
اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ بملا کو اس طرح سے اغوا کر کے لے گیا کہ میرے
فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوسکی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہربنس لال نے مجھ پر کوئی ایسا منتر پھونک دیا
کہ میں بیہوش ہوگیا ہوں‘ اس وقت کسی سٹیشن پر یا کسی ایسی جگہ گاڑی رکی ہو جہاں سگنل نہ ملا
ہو‘ اس سے ہربنس لال نے فائدہ اٹھایا ہو اور بملا کو لے کر اتر گیا ہو لیکن یہ باتیں ذہن سمجھنے
سے قاصر تھا کیونکہ میں ایک لمحے کیلئے غافل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی مجھے نیند یا بیہوشی نے دبوچ
لیا ہو اور پھر یہ کہ بملا اس شخص کے ساتھ کیوں جانے لگی جو شکل سے ہی خبیث قسم کا دکھائی
دیتا تھا اور اس کی موجودگی زہر لگی تھی کیونکہ اس کی موجودگی کے باعث ہم کھل کر بات نہیں کر
سکتے تھے اور اس نے ہماری رات بھی غارت کر دی تھی جبکہ ہم دونوں نے اس مردود کے
آنے سے پہلے کیا کیا نہیں سوچا کہ رات پھر ہم تجدید محبت کریں گے۔ کیف و سرور کی دنیا
میں کھو جائیں گے اور پھر ایک بات یہ بھی تھی کہ گاڑی کا ایک لمحے کیلئے بھی رکنا تو دور کی
بات تھی اس کی رفتار میں بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

اغوا کا خیال آتے ہی میں جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف لپکا۔ ایک خیال
آیا کہ کہیں اس نے باتھ روم میں بملا کو ڈرا دھمکا کے رکھا ہوا ہو تاکہ گاڑی کے رکتے ہی
اسے لے کر اتر جائے اور وہ بند باتھ روم سے فائدہ اٹھا رہا ہو۔ باتھ روم دروازے کے پاس
ہی تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا‘ وہ خالی پڑا تھا۔ وہ دونوں اس میں بھی موجود نہ تھے۔
پھر میں نے کمپارٹمنٹ کے دونوں دروازوں کی کھڑکیوں سے باری باری باہر جھانک کر دیکھا‘
باہر جو گہری تاریکی تھی اس میں کیا خاک نظر آتا۔ میں حیران و پریشان ہو کر کھڑکیاں بند کر
کے اپنی نشست پر واپس آ گیا۔ پھر میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ بملا تو غائب ہوگئی تھی لیکن اپنی
خوشبو چھوڑ گئی تھی۔

چند لمحوں کے بعد میں نے سوچا کہ بملا کے پتا جی کو جگا کے صورتحال تو بتا دوں۔
بعد میں کہیں وہ یہ نہ کہیں کہ میری بیٹی اغوا ہوگئی اتنی بڑی بات تم نے نہیں بتائی۔ میں نے دو
ایک مرتبہ انہیں بری طرح جھنجھوڑ دیا لیکن وہ جاگے نہیں‘ وہ بیہوش لگ رہے تھے۔ مجھے خیال
آیا کہ رات کھانا کھانے کے بعد ہربنس لال گاڑی سے اتر کے چائے لے کر آیا تھا۔ اس
نے بملا اور اس کے پتا جی کی چائے میں شاید بیہوشی کا سفوف گھول دیا تھا۔ اس نے مجھے بھی

چائے پینے پر بہت اصرار کیا تھا لیکن میں نے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ اس کی بالکل بھو
طلب نہ تھی۔ بملا نے اصرار کر کے کچھ زیادہ ہی کھلا دیا۔ اسی لئے میں ایک گھونٹ پانی
چائے تک نہیں پی سکتا تھا۔

میں سوچنے لگا کہ اب کیا ہوگا؟ ہربنس لال نے بملا کو کس لئے اور کہاں سے
جانے کیلئے اغوا کیا ہوگا۔ وہ بملا کو دیکھ کر اس پر ریشہ خطمی ہو گیا تھا کیونکہ بملا اتنی حسین او
پرشباب تھی کہ مرد اس کے حصول کی تمنا میں بہت کچھ کر سکتا تھا۔ وہ کوئی گڑیا نہ تھی کہ اسے
لے کر چلتی گاڑی سے اتر جایا جائے۔ ایسا تو پانچ برس کی لڑکی کو لے کر اترنا ناممکن تھا۔ اا
پھر ایک اکیلا شخص تیز رفتار گاڑی سے کود کر اپنی جان دے نہیں سکتا۔ ہو نہ ہو وہ گاڑی می
موجود ہو۔ وہ بملا کو نیند کی سی حالت میں کسی ڈبے میں لے گیا ہوگا تا کہ گاڑی کسی سٹیشن
رکتے ہی لے کر اتر جائے۔ اس خیال کے آتے ہی میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس گاڑی می
تمام تیسرے درجے تھے۔ انجن کے پیچھے جو کمپارٹمنٹ تھا اس سے لے کر آخری کمپارٹمنہ
تک آ جایا جا سکتا تھا۔ رہداری سیٹوں کے درمیان تھی۔ میں نے نہ صرف ایک ایک
کمپارٹمنٹ اس کے ساتھ روم دیکھ لیے اور ہر کمپارٹمنٹ کے مسافروں کو بملا اور ہربنس لال
حلیہ بتا کر ان کے بارے میں دریافت کیا۔ ان سب کا ایک ہی جواب تھا کہ انہوں نے ا
دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا۔ میں نامراد ہو کر آ گیا۔

بملا کے پتا جی پر ابھی تک بیہوشی طاری تھی۔ مجھے بملا کے اغوا ہونے کا بھ
صدمہ ہو رہا تھا۔ اس لئے بھی نہیں کہ وہ بہت حسین تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے کی مح
میں گرفتار ہو گئے ہیں اس لئے کہ وہ بہت معصوم سی لڑکی تھی۔ نجانے کیوں ایک خیال ذ
میں آیا کہ کہیں پتا جی بیدار ہو کر یہ نہ سمجھیں کہ میں اور ہربنس لال نے ایک منصوبے
تحت بملا کو اغوا کیا ہے۔ انہیں شبہ ہو سکتا ہے اور وہ پولیس کو رپورٹ درج کراتے وقت
پر شبہ کر سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے مجھے اور بملا کو لگاوٹ سے اور کل رات دیر تک با
کرتے دیکھا تھا۔ شاید انہوں نے بملا کو رات میرے ساتھ بیٹھے سرگوشیاں کرتے ہوئے
دیکھا ہو۔ پولیس شک و شبے پر بھی مجھے گرفتار کر کے حوالات میں بند کر سکتی تھی لہٰذا کوئی
خطرہ مول لینا حماقت تھی لہٰذا میں نے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس وقت دو بج کر بیس منٹ بج رہے تھ

مدراس گاڑی پہنچنے کا وقت سات بجے کا تھا۔ اس سے پہلے بملا کے باپ کا ہوش میں آنا
میرے لئے کسی مصیبت سے کم نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی جوان بیٹی کو غائب پا کے ایک ہنگامہ کھڑا
کر سکتا تھا۔ ویسے اس کے صبح سے پہلے ہوش میں آنے کے امکانات نہیں تھے۔ ہربنس لال
نے اس کی چائے میں بے ہوشی کے سفوف کی مقدار شاید کچھ زیادہ ہی ملا دی تھی شاید اس
لئے کہ وہ جلد ہوش میں آ کر پولیس کی مدد حاصل نہ کر لے۔

ہربنس لال اپنا سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس بھول گیا تھا۔ میں نے کبھی سگریٹ
نہیں پی تھی چونکہ اس وقت میں بہت پریشان تھا اور دماغ میں انتشار تھا اور آندھیاں چل
رہی تھیں اس لئے میں نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا لیا۔ ایک سگریٹ سلگا کر دو تین کش لئے تو
کھانسی آئی لیکن پھر سگریٹ پینے میں کوئی دشواری اور پریشانی نہیں ہوئی۔ میں نے دو گھنٹے
کے اندر اندر دو سگریٹ یکے بعد دیگرے پھونک دیئے جس سے میری بے چینی اور پریشانی
قدرے کم ہوئی۔ دل کو کچھ سکون محسوس ہوا لیکن یہ سب عارضی اور خود فریبی تھا۔

جب گھڑی کی سوئیوں نے پانچ بجایا تو میں نے اپنا دستی بیگ سنبھالا اور دروازے
کے پاس آیا۔ اس وقت پو پھٹ رہی تھی۔ میں نے یکبارگی اس ویران علاقے کا جائزہ لیا
جہاں سے گاڑی گزر رہی تھی۔ پٹڑی کے ساتھ ساتھ ریت کے بلند ٹیلے تھے۔ شاید وہاں کوئی
نئی لائن بچھائی جا رہی تھی۔ پھر میں نے اس کا دروازہ کھولا۔ دروازے کے اوپر گاڑی رکوانے
کیلئے زنجیر لگی ہوئی تھی۔ ہنگامی حالت میں اسے کھینچ کر گاڑی رکوائی۔ میں نے بھگوان کا نام
لے کر پوری طاقت سے مگر آہستہ آہستہ زنجیر کھینچی۔ فوراً ہی گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔ میں
اس کی رفتار اور کم ہو جانے کا بڑی بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔ ایک ایک لمحہ صدی کی طرح
بھاری ہو رہا تھا۔ جوں ہی اس کی رفتار میں اور کمی آئی میں نے ایک ہاتھ سے بیگ سنبھالا
اور بھگوان کا نام لیا اور ایک ریت کے ٹیلے پر چھلانگ لگا دی۔

☆......☆......☆

میں ٹھیک ریت کے ایک بہت بڑے اور اونچے ٹیلے پر جا گرا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ مجھے معمولی سی بھی چوٹ نہ آئی جبکہ اس میں پتھر بھی پڑے ہوئے تھے۔ میں نے فوراً ہی سنبھل کے کھڑے ہونے اور مخالف سمت سر پر پیر رکھ کے بھاگنے میں ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کی۔ گاڑی کے رکنے سے پہلے ہی میں ایک ایسے ریت کے ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا کہ مجھے گاڑی سے کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ گاڑی کوئی بیس منٹ رکی رہی۔ گارڈ نے اتر کے اپنی تسلی کی پھر روانگی کی وسل دے دی۔

جب گاڑی چل پڑی تو میں بھی مخالف سمت تیزی سے چل پڑا۔ ابھی بھی اندھیرا تھا۔ کوئی خاصا راستہ طے کرنے کے بعد مجھے روشنیاں دکھائی دیں جو کسی شہر یا گاؤں کی معلوم ہوتی تھیں۔ میدانی علاقہ ختم ہو گیا اور سرسبز کھیت شروع ہو گئے۔ میں کھیتوں اور پگڈنڈیوں سے گزرتا ہوا آبادی کے قریب پہنچ گیا۔ یہ کوئی چھوٹا سا قصبہ تھا۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اس قصبے کی کسی سمت شاید کوئی پکی تارکول کی سڑک ہو جو گاڑیوں کی آمدورفت کیلئے بنائی گئی ہو گی۔ میں قصبے کے باہر ہی باہر چلتا رہا۔ اندر سے جانے میں لوگ مجھے دیکھ کر مشکوک ہو سکتے تھے۔ یہ مدراس کا علاقہ نہیں تھا۔ میں ان کیلئے اجنبی تھا اور مدراس پہلی بار آیا تھا اس لئے احتیاط بہت ضروری تھی۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھے دور سے ہی ایک سڑک دھائی دی تو میں تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا سڑک پر پہنچ گیا۔ جب میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو چھ بج چکے تھے۔ ملگجے اندھیرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سورج سات بجے طلوع ہو گا۔ ابھی سورج نکلنے میں خاصی دیر تھی۔ میں مسلسل پیدل چلنے سے بہت تھک گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ میں ساری رات ایک پل کیلئے بھی سو نہ سکا تھا۔ میں سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے جو پتھر تھا اس پر

بیٹھ کر سستانے لگا۔ کچھ دیر بعد ایک پرانی چھکڑ قسم کی بس مخالف سمت سے آتی دکھائی دی۔ میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کیلئے کہا۔ بس رک گئی تو اس میں پوچھے بغیر سوار ہو گیا۔

جب مجھے ایک مسافر سے معلوم ہوا کہ بس مدراس جا رہی ہے تو میرے دل کو بڑا سکون سا ملا۔ ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ میں نے سیٹ پر بیٹھ کر ٹکٹ لے لیا۔ اس میں دو تین نشستیں خالی تھیں۔ میں چند لمحوں کے بعد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا کیونکہ رات بھر کا جگا اور بے حد تھکا ہوا بھی تھا۔ میں جانے کتنی ہی دیر اور سوتا رہتا کنڈیکٹر نے جگایا نہ ہوتا۔ اس نے بتایا کہ مدراس شہر آ گیا ہے۔ یہ بہت بڑا بس ٹرمینل تھا۔ مدراس شہر بھی بہت بڑا تھا۔ یہاں سے بسیں اندرون ملک جاتی تھیں۔ ہر شہر اور صوبے کو بھی...... یہاں چھوٹی بڑی کوئی دو سو بسیں تھیں۔ سینکڑوں لوگ بسوں سے اتر رہے اور سوار ہو رہے تھے۔ ریلوے سٹیشن جیسی رونق تھی۔ میں نے کبھی اتنی ساری بسیں' ایسی رونق اور گہما گہمی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ یہاں ہر قوم کا فرد دکھائی دے رہا تھا۔

اس بس ٹرمینل کے باہر کئی ہوٹل' دکانیں اور ایک بہت بڑا بازار بھی تھا۔ ایک ہوٹل کی عمارت پر ہوٹل کے نام کا سائن بورڈ نصب تھا' اس پر انگریزی اور بنگالی زبان میں جلی حرفوں سے لکھا ہوا تھا بنگال ریسٹورنٹ...... مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اپنا دیش یاد آیا۔ ایسا لگا کہ میں اپنے ہی دیش میں ہوں۔ میں اس ہوٹل میں گھس گیا۔ اس میں کئی واش روم بھی تھے۔ یہ بہت ہی بڑا ریسٹورنٹ تھا۔ پھر میں ایک کونے والی میز پر جا بیٹھا۔ اس میں مدراس اور بنگالی ویٹر بھی تھے۔ اتفاق سے میرے پاس بنگالی ویٹر ہی آیا۔ اس سے اپنے دیش کی زبان میں بات کر کے خوشی ہوئی۔ وہ بھی خوش ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا بنگالی کھانے بھی ہوتے ہیں؟''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''جب تم مدراس اور یہاں آئے ہو تو یہاں کے کھانے کھاؤ' یہاں کا مصالحہ دوسا' اٹلی سانبھر اور اپ اڈ بونگین سوجی کا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ماش دال کے بونڈے بھی اچھے ہیں لیکن تم مصالحہ دوسا کھاؤ۔''

کچھ دیر کے بعد وہ ایک فٹ لمبا رول لے آیا جو مصالحہ دوسا تھا۔ اس کی رنگت براؤن تھی۔ اس کی رنگت سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ بہت خستہ ہو گا۔ یہ کاغذ جیسا تھا۔

اسے کاغذی دوسا کہتے تھے۔ اس کے اندر آلو کی بھجیا تھی۔ اس نے ساتھ میں کھوپرے کی چٹنی تھی جو بے حد لذیذ' خوشذائقہ اور بے حد مزیدار تھی۔ اس ریسٹورنٹ میں تقریباً تمام گاہک مصالحہ دوسا ہی کھا رہے تھے۔ مجھے چونکہ بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی اس لئے میں نے ایک اور منگوالیا جس سے طبیعت سیر ہوگئی۔

میں نے کافی پیتے ہوئے ایک رپیا بخشش کا دیتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں کا مشہورو معروف مراٹھا مندر کہاں ہے؟''

''شہر سے کوئی دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔'' اس نے نوٹ جیب میں ٹھونستے ہوئے جواب دیا۔ ''کیا آپ وہاں جانا چاہتے ہیں؟''

''ہاں......'' میں نے سر ہلا دیا۔ ''کیا وہاں کوئی بس وغیرہ جاتی ہے؟ کون سے نمبر کی بس' کہاں سے جاتی ہے؟''

''وہاں بس اس لئے نہیں جاتی ہے کہ وہاں بہت کم لوگ دور ہونے کے باعث جا پاتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔ ''البتہ رکشا ٹیکسی جاتی ہے۔ آپ ان سے کرایہ طے کر کے جائیں۔ وہاں جانے کیلئے آپ کو کسی بھی وقت رکشا ٹیکسی مل جائے گا لیکن وہاں جانے کیلئے آپ کو غازی ہوٹل کے پاس جو اسٹینڈ ہے وہاں سے ٹیکسی اور رکشا ملے گا۔ آپ کو ایک بات اور بتا دوں۔ کوئی بھی رکشا ٹیکسی جو ہوگی وہ مندر سے دو فرلانگ دور کے فاصلے پر اتار دے گی کیونکہ داں سے جو راستہ مندر کو جاتا ہے وہ نہ صرف کچا بلکہ ناہموار ہے۔ اس کے علاوہ جا بجا گڑھے اور ٹیلے بھی ہیں' وہاں سڑک نہیں بنائی تھی۔ اگر سڑک بن جائے تو پھر لوگ پوجا پاٹ اور پرساد چڑھانے کیلئے روز جائیں۔ اس کے علاوہ اس مندر کی عمارت بہت خستہ اور بوسیدہ ہو چکی ہے۔ اس لئے شہر کے لوگ وہاں جانے کے بجائے شہروں میں جو بہت سارے مندر ہیں وہاں چلے جاتے ہیں۔ وہاں صرف وہ لوگ پوجا پاٹ کیلئے جاتے ہیں جو قرب و جوار کے گاؤں میں رہتے ہیں۔ ان کی مجبوری یہ ہے کہ شہر ان کی آمدورفت مشکل ہوتی ہے اور پھر شہر کے لوگ چونکہ دن رات مصروف رہتے ہیں اس لئے وہاں نہیں جاتے ہیں۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ وہاں جن بھوتوں کا بسیرا ہے۔''

''تو کیا وہاں واقعی جن بھوت اور بد روحیں اور چڑیلیں بھی ہوتی ہیں؟'' میں نے گھبرا کے پوچھا۔ میرے بدن پر سنسنی دوڑ گئی۔

''لوگ کہتے ہیں...... یہ بھی کہتے ہیں کہ رات کے بارہ بجے کے بعد لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ قریب کے گاؤں کے لوگ آ کر بتاتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں دو ایک برس پہلے وہاں دو ایک مرتبہ گیا تھا لیکن وہاں کوئی بھوت' روح اور چڑیل نظر نہیں آئی۔ آپ وہاں کیا آج جائیں گے؟''

''بس میں ابھی اور اسی وقت جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تمہیں بیس روپے دوں گا۔''

''بیس روپے......؟'' وہ تمسخر سے بولا۔ ''اتنی تو میری دوپہر تک بخشش بن جاتی ہے۔ اس کے علاوہ روزانہ اجرت پانچ روپے ملتی ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص بڑا کائیاں' لالچی اور موقع سے فائدہ اٹھانے والا ہے۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ سو میں ایک آدمی بخشش دیتا ہے' ایسے ریسٹورنٹ اور ہوٹل میں چونی بخشش بھی شاید ہی کوئی دیتا ہوگا۔ ایک آنہ یا دو آنے...... میں نے اسے ایک روپیہ دیا وہ پھیل گیا تھا۔ میں نے بڑی غلطی کی تھی اسے ایک روپیہ دے کر...... اب اس کی سزا بھگتنا تھی۔ میں چونکہ اکیلا وہاں جانا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے اس سے سودے بازی کے انداز میں کہا۔ ''تمہیں روزانہ اجرت کے پانچ روپے اور بخشش کے بیس روپے دوں گا...... اگر تمہیں منظور نہیں ہے تو پھر میں کسی اور ویٹر یا کسی قلی سے بات کر لوں گا۔ وہ دس روپے میں بھی چلنے پر آمادہ ہو جائے گا۔''

میری تدبیر کارگر رہی۔ وہ میری اس دھمکی میں آ گیا۔ پھر اس نے کھسیانے لہجے میں کہا۔ ''چونکہ آپ بھی بنگالی ہیں اور میں بھی ہوں۔ ہم دونوں ہم وطن ہیں اس لئے ساتھ چلوں گا لیکن مجھے شام تک واپس آنا ہوگا۔ مالک رات کی چھٹی نہیں دے گا۔''

''سارا دن تھوڑی گزارنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم سہ پہر پانچ چھ بجے کے درمیان لوٹ آئیں گے۔ وہاں شام تک رہ کر کرنا کیا ہے۔''

پھر وہ ہوٹل کے مالک سے یہ کہہ کر اور اجازت لے کر آیا کہ میرا ہم وطن اور رشتہ دار آیا ہے اسے پوجا پاٹ کیلئے مراٹھا مندر لے جا رہا ہوں۔ باہر آ کر اس نے ٹیکسی والے سے کرایہ طے کیا۔ ہم اس میں بیٹھ گئے۔ وہ کشادہ سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ شہر سے باہر آنے کے بعد اس کا رخ مضافات کی طرف ہو گیا۔ کوئی پچیس منٹ کی مسافت کے بعد ٹیکسی

کو ویٹر نے رکوالیا۔ اس نے اپنا نام گھوش بتایا تھا۔ ٹیکسی سے اتر کے میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا۔ پھر سڑک سے اتر کے میدان میں آئے اور مغرب کی سمت چل پڑے۔ گھوش نے یہ بتایا تھا کہ یہاں سے مندر دو فرلانگ دور ہے۔ ہمیں یہ فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس سمت میں زمین نہ صرف ناہموار تھی بلکہ گڑھے بھی تھے اور اس کے علاوہ اونچی اونچی خاردار جھاڑیاں قدم قدم پر اگی ہوئی تھیں۔ نشیب و فراز کے باعث مندر کی عمارت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ہم نے سڑک پر کچھ مسافت طے کی تھی کہ گھوش ایک درخت کے پاس چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ قریب ہی ایک پتھر پڑا تھا۔ اس پر دھپ سے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''کیا ہوا گھوش......؟'' میں بھی رک گیا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا تمہیں ٹھوکر تو نہیں لگی ہے؟''

''جی نہیں مگر جی صاحب......!'' اس نے سر ہلایا اور آنکھ کھولے بغیر جواب دیا۔ ''سر چکرا رہا ہے اور دل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے۔''

''ایسا کیوں ہے......؟'' میں نے کہا۔ مجھے ایسا لگا کسی وجہ سے بہانہ بازی کر رہا ہے۔ ''لیکن میں تو ٹھیک ہوں' مجھے کچھ نہیں ہوا۔''

''آپ کی بات اور ہے۔'' اس نے سر اوپر اٹھا کے اور آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ ''میرے دل و دماغ میں طرح طرح کے سوسے اور اندیشے پیدا ہو رہے ہیں۔ کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ بہت ساری بدروحیں اور چڑیلیں مجھے گھور رہی ہیں۔''

''کیا کہا بدروحیں اور چڑیلیں......؟'' اس کی بات سن کر مجھے ہنسی آ گئی۔ ''تم نے کہا تھا وہ رات بارہ بجے کے بعد نظر آتی ہیں؟''

''آپ میری اس بات کو مذاق میں نہ اڑائیں...... میری اندر سے کیا حالت ہو رہی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں لہٰذا آپ مجھے میرے پچیس روپے اور واپسی کا کرایہ پانچ روپے دے دیں میں سڑک پر جا کر کوئی ٹرک پکڑ کے واپس چلا جاؤں گا۔''

اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ مجھ سے طے شدہ اجرت وصول کر کے چمپت ہو جانا چاہتا ہے۔ اب تک مجھے مندر کی عمارت اور اس کا نام و نشان نظر نہیں

آیا تھا۔ وہ فریبی لگ رہا تھا۔ وہ نواکھالی کا رہنے والا تھا۔ فرید پور اور نواکھالی کے لوگ بڑے ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مار آستین ہوتے ہیں' اس لئے میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''دیکھو گھوش! تمہارے ساتھ جو معاملہ طے ہوا اس کے مطابق تمہیں شام کو پیسے ملیں گے اور تم نے شام تک ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا تم خرابی طبیعت کا بہانہ کر کے رفو چکر ہونا چاہتے ہو۔''

''آپ کو میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کے بھلے کیلئے ہی کہہ رہا ہوں۔ ویسے میں آپ سے نہ تو جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ پیسوں کیلئے بہانہ بازی کر رہا ہوں۔''

اس لیے اپنی بات کہہ کے میرے آگے آگے چل پڑا۔ اس کا منہ بن گیا تھا۔ اسے میری بات بڑی ناگوار لگی تھی۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد درختوں میں گھرے ہوئے مندر کی مخروطی چھت دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا تو آس پاس کوئی آبادی دکھائی نہ دی۔ تھوڑی دیر بعد ہم درختوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ کافی بلند' گھنے اور گنجان درخت تھے جن کی شاخیں زمین تک جھکی ہوئی تھیں۔ اسی وجہ سے مندر کی عمارت نظر نہیں آتی تھی۔ دور سے اونچائی پر کھڑے ہونے سے مندر کی عمارت کی چھت دیکھی جا سکتی تھی لیکن وہ ان درختوں کی وجہ سے یہاں سے بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگر گھوش ساتھ نہ ہوتا تو میں شاید ں پہنچ جاتا۔

''یہ سامنے مرا تھا مندر ہے۔'' گھوش نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ہو آئیں' میں باہر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔''

''تم یہاں رک کر کیا کرو گے؟'' میں نے کہا۔ ''تم بھی میرے ساتھ اندر چلو...... ہم دونوں ہو آتے ہیں۔''

''میں یہیں بہتر ہوں......'' گھوش نے کہا۔ ''میرا مندر میں کیا کام ہے' مجھے پوجا پاٹ نہیں کرنا ہے۔''

''لیکن میں کس طرف اور کہاں سے جاؤں......؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اندر جانے کا راستہ کہاں ہے؟ وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

"آپ دائیں بائیں دیکھتے جائیں...... کسی نہ کسی طرف تو اندر جانے کا راستہ ہو گا۔" وہ اتنا کہہ کر درخت سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

اس کی اس بے نیازی اور کاہلی پر مجھے بہت غصہ آیا لیکن میں نے اسے اس لئے کچھ نہیں کہا کہ مجھے واپس جانا تھا۔ میں نے تحمل سے کام لیا۔ دوسرے لمحے درختوں کے ساتھ ساتھ مخالف سمت چل پڑا۔ چند قدم چلنے کے بعد مغرب کی سمت درختوں کے درمیان ایک راستہ نظر آیا جو تین چار فٹ کشادہ تھا لیکن یہ صاف راستہ نہ تھا کیونکہ لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں کسی نہ کسی طرح راستہ طے کر کے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گیا۔ پھر چند قدم اور چلا تو راستہ دائیں جانب گھوم گیا۔ میری نظروں کے سامنے قدیم مراٹھا مندر کی عمارت تھی جس کا چوبی دروازہ بند تھا۔ دروازہ بہت بوسیدہ تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ مندر کتنا قدیم ہے۔ اس میں دیمک لگی ہوئی تھی۔ دیواروں پر اس قدر کائی جمی ہوئی تھی کہ وہ بہت سیاہ ہو گئی تھیں۔ مندر کے باہر ہولناک سناٹا تھا اور دور اور آس پاس کسی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا۔ ایک ہیبت ناک اور عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ماحول جس قدر پراسرار تھا اس سے کہیں وحشت ناک تھا جس سے میرا دل خوف و دہشت سے لرزنے لگا۔ میں نے ایک لمحے کیلئے سوچا کہ یہ جادوگر بھی کتنے عجیب وغریب اور پراسرار ہوتے ہیں کہ ایسی جگہوں کو اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔

جانے کیوں آگے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن حوصلہ کرنا تھا۔ اب اتنا لمبا سفر کر کے آیا تھا اور مجھے اپنا بازو بھی تو حاصل کرنا تھا لہٰذا واپسی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے بمشکل تمام ہاتھ بڑھایا اور دروازے پر وقفے وقفے سے تین مرتبہ دستک دی اور پھر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مندر میں کوئی بھی نہیں ہے۔ کئی لمحے بیت گئے۔ سوچا کہ کیا کروں؟ پھر میں نے سوچا کہ دوبارہ دستک دے کر دیکھ لوں۔ میں نے زور سے دستک دینے کیلئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ دروازہ چرچراتا ہوا کھل گیا۔ اندر ایک چھوٹی سی راہداری تھی۔ اس کے سرے پر ایک بند دروازہ نظر آیا لیکن کوئی دکھائی نہ دیا۔ میں حیران تھا کہ اندر جب کوئی بھی نہیں ہے تو دروازہ کس نے کھولا؟ وہ کہاں ہے؟ کہ دروازے کے عقب سے ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔ "اندر چلے آؤ۔"

میں متذبذب سا ہو کر مندر میں داخل ہو گیا۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا

دروازہ آپ ہی آپ ایک شور کے ساتھ بند ہو گیا۔ دروازہ بند ہوا تو اندھیرا چھا گیا کیونکہ باہر کی روشنی کیلئے اندر آنے کا راستہ نہیں رہا تھا۔ میں نے پلٹ کے دروازہ بند کرنے والے کو آنکھیں پھاڑ کے دیکھنے کی کوشش کی۔ اندھیرے نے جیسے اسے نگل لیا تھا اس لئے وہ دکھائی نہیں دیا۔ گھپ اندھیرا تھا' ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

میں حیران تھا کہ اندر اس قدر گھپ اندھیرا اور باہر اجالا...... ابھی تو صبح کے دس بھی نہیں بجے...... اس مندر کے اندر کوئی روشندان اور کھڑکی یا کوئی روزن اور خلا نہیں تھا جس میں سے سورج کی روشنی اندر آ سکے۔ یوں بھی مندر گھنے اور بوڑھے درختوں کی شاخوں سے گھرا ہوا تھا اس لئے باہر کی روشنی اندر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ اندھیرا ایسا بھیانک تھا کہ میرے دل کی دھڑکنیں بگڑنے لگیں۔ اگر میں مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو شاید بیہوش ہو جاتا تاہم میں نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا ہوا تھا۔

میں پریشان اور ہراساں کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ دفعتاً تاریکی میں اچانک کوئی چیز میرے ہاتھ سے ٹکرائی۔ دوسرے لمحے کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس ہاتھ کی گرفت بہت سخت تھی لیکن وہ اس قدر سرد تھا کہ اس نے میرے جسم کا خون سرد کر دیا جس سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں برف بن گیا ہوں۔ میرے جسم میں حرارت ہی نہیں رہی۔ وہ ہاتھ مجھے اس طرح کھینچنے لگا جیسے کوئی میں جانور ہوں۔

"تت...... تم کون ہو......؟" میں نے دو قدم طے کرنے کے بعد مرتعش لہجے میں پوچھا۔ "بولتے کیوں نہیں......؟ کون ہو تم......؟"

"شانتی...... شانتی......" اس نے جواب دیا۔ "سامنے پوجا والا کمرہ ہے اور اس میں روشنی ہو رہی ہے۔ روشنی میں معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔"

اس کے ہاتھ کی گرفت سے میں اپنا ہاتھ لاکھ جتن کے باوجود آزاد نہ کرا سکا۔ میں اس کے ساتھ بے جان سا ہو کر چلتا رہا۔ وہ اندھیرے میں اس طرح چل رہا تھا جیسے روشنی میں چل رہا ہو۔ بیس بائیس قدم طے کرنے کے بعد میرا ہاتھ یخ بستہ ہاتھ کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ وہ ایک دم سے رک گیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس گھپ اندھیرے میں جیسے روشنی کا سیلاب آ گیا اور اس نے میری آنکھیں خیرہ کر دیں تو میں چند لمحوں تک دیکھنے کے قابل نہ رہا تھا۔ جب میری آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو یقین نہیں آیا کہ میں ایک وسیع وعریض

کمرے کے وسط میں کھڑا ہوا ہوں۔ میری حیرت دوچند ہوگئی۔ یہ کمرہ پوجاپاٹ کا تھا۔ سامنے کالی دیوی کا بہت ہی بڑا مجسمہ ایستادہ تھا۔ وہ بارہ پندرہ فٹ کا ہوگا۔ اس کے قدموں میں جو سات چراغ روشن تھے یہ ان کی روشنی تھی جس سے کمرہ جگ مگا رہا تھا۔ یہ چراغ اچانک اور آپ ہی آپ جیسے جل اٹھے تھے اور پھر تازہ مہکتے ہوئے پھول بھی بکھرے ہوئے تھے۔ مگر مجھے یہاں کسی انسان کا وجود دکھائی نہیں دیا۔ کالی دیوی کے اس مجسمے پر گرد کی ہلکی سے تہ جمی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں کوئی ہوتا ہی نہیں ہے اس لئے اس کی صفائی نہیں کی جاتی ہے۔ میں چاروں طرف تیزی سے گھوم کے اندر لانے والے کو تلاش کرنے لگا۔ وہ غائب تھا۔

کالی دیوی کے بارے میں میں نے سنا تھا لیکن اسے اور اس کے مجسمے کو دیکھنے کا ابھی تک اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ چڑیلوں، بدروحوں اور بھوتوں پر حکمرانی کرتی تھی۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ چڑیلوں کی یہ ملکہ اتنی بدصورت، بھیانک اور مکروہ صورت کی ہوگی جسے دیکھ کر میرا خون خشک ہوگیا۔ یہ مجسمہ تھا اس کے سامنے آنے پر اسے دیکھ کر میرا کیا حال ہوگا؟

''تم کہاں ہو......؟'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''تم کہاں غائب ہوگئے؟ سامنے آتے کیوں نہیں......؟ تم مجھے یہاں کیوں چھوڑ گئے؟''

مجھے میری بات کا کوئی جواب نہ ملا تو میں اور پریشان اور خوفزدہ ہوگیا۔ تنہائی کے احساس نے خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا۔ ایک ایک لمحہ میرے لئے عذاب سے کم نہیں تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا تو میں سراسیمہ ہوکر واپس جانے کیلئے دروازے کی طرف لپکا۔ میں نے دروازہ کھولنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کھل نہ سکا۔ پورا زور لگا دیا تب بھی میری کوشش کامیاب نہ ہوسکی، میں ہمت ہار بیٹھا۔

''سنو......'' میرے عقب میں ایک کرخت آواز گونجی۔ ''تم دس برس بھی اسے کھولنے کی کوشش کرو تو وہ کھل نہیں سکتا۔''

میں نے فوراً ہی تیزی سے اس آواز کی سمت گھوم کے دیکھا۔ ایک خوفناک چیخ میرے حلق میں گھٹ گئی اور میرے اوسان خطا ہوگئے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا روح فرسا شخص نہیں دیکھا تھا۔ کالی دیوی کے مجسمے کے پہلو میں ایک بوڑھے کو دیکھا تو ایسا لگا کہ ایک لاش ہے۔ اس کا چہرہ تو کالی دیوی کے مکروہ چہرے سے بھی کہیں گھناؤنا تھا۔ وہ ہڈیوں کا

پنجر تھا۔ اس کے سینے کی ہڈیاں تک دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے صرف ایک دھوتی باندھ رکھی تھی۔ وہ پوری طرح گنجا تھا۔ اس کے سر پر بالوں کا وجود ہی نہیں تھا۔ چہرے کے خدوخال اتنے خوفناک تھے کہ اس کی طرف دیکھ کے میں سہم سا گیا تھا۔ اس کی ناک طوطے کی طرح خمدار تھی۔ بھنویں کے بغیر گول گول اور چھوٹی چھوٹی کینہ توز آنکھیں جو اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسے کسی نے قبر سے نکال کر کھڑا کر دیا ہو۔ اس کی آنکھیں منجمد، ویران اور بے نور تھیں۔

''تم......تم کون ہو......؟'' میں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔ مجھے اپنی آواز کھوکھلی اور دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''میں......؟'' اس کے ہونٹوں میں جنبش سی ہوئی۔ اس کی آواز فضا میں گونج گئی۔ ''میں اس مندر کا مہا پجاری ہوں۔'' اس نے اپنی منجمد اور بے نور آنکھوں سے مجھے گھورا۔ ''میرا نام سہاش دتہ ہے، تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس لئے آئے ہو؟''

''میرا نام ستیش مکرجی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں کلکتہ سے کالی چرن داس سے ملنے آیا ہوں، وہ کہاں ہیں؟''

''کالی چرن داس......؟'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''وہ تو یہاں اب نہیں رہتا ہے۔''

''ان سے میری ملاقات کہاں ہوسکتی ہے۔'' میں بولا۔ ''کیا آپ مجھے ان کا پتہ بتا سکتے ہیں تاکہ میں جا کر ان سے مل لوں۔''

''وہ میرے مرنے سے پہلے...... یہ کوئی چار برس پہلے کی بات ہے، بدروحوں اور چڑیلوں کی آبادی میں چلا گیا تھا۔ اس کا نام مہا دیونگر ہے۔ اس آبادی کو کالی ماتا کی آشیرباد ہے۔ اسے بھی کالی ماتا کی آشیرباد ہے۔ وہ وہاں کالی دیوی کے ساتھ رہ رہا ہے۔ شاید یہ بات تم نہیں جانتے ہو کہ اس جہاں میں ایک دس کالی دیویاں ہیں جو اپنی پسند کے دیش اور جگہوں پر رہتی ہیں۔''

''کیا...... کیا...... آپ زندہ نہیں ہیں......؟'' میرے پسینے چھوٹ گئے۔ میرے حلق میں گولہ اٹکنے لگا۔ ''تین برسوں سے آپ کی آتما......''

"دراصل مجھے مرے ہوئے اصل میں تین برس نہیں بلکہ بیس برس ہو چکے ہیں۔"
وہ کہنے لگا۔ "میری موت بڑی دردناک تھی۔ ایسی حالت اور ایسی جگہ ہوئی کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ کسی کو معلوم ہوتا تو وہ میری چتا جلاتا' پھر یہ ہوا کہ میری روح نے میرے جسم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس لئے وہ یہاں سے نکل نہ سکی۔ کالی ماتا نے مجھے ایک ایسا منتر دیا ہے جس سے جب میں چاہتا ہوں جتنے دن اور جتنی دیر تک چاہے اپنے آپ کو زندہ رکھ سکتا ہوں۔ میری آتما میرے شریر میں آ جاتی ہے۔ اس لئے میں تمہارے سامنے ایک زندہ آدمی کی صورت میں موجود ہوں۔"

"تو تمہارے سوا اس مندر میں کوئی اور نہیں رہتا ہے کیا......؟" میں نے سوال کیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"میں یہاں اکیلا نہیں ہوں......" اس نے جواب دیا۔ "صدیوں پہلے کی ان پجاریوں کی روحیں اس مندر میں ہیں جو اس مندر سے تعلق رکھتی تھیں۔ کالی ماتا نے انہیں شکتی سے محروم رکھا ہے کہ وہ اپنے جسموں میں داخل ہو سکیں کیونکہ انہوں نے بہت ساری ناریوں کی عزت تباہ کی تھی اگر تم یہاں رہنا چاہتے ہو اور صدیوں پہلے کی پجاریوں کی روح سے ملنا اور آرام کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو۔ اس مندر میں ایک کمرہ مہاراجوں کی خوابگاہ کی طرح ہے۔ تم جتنے دن رہنا چاہو رہ سکتے ہو۔ تمہاری سیوا کیلئے ہر رات ایک لڑکی موجود ہو گی۔"
"نہیں......نہیں......" میں بری طرح بوکھلا گیا اور میری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔
"میں یہاں آرام کرنے اور ناریوں سے دل بہلانے نہیں آیا ہوں۔ میں کالی چرن داس سے ملنے آیا تھا...... میرا ایک ساتھی جو مجھے یہاں تک لایا تھا وہ مندر کے باہر میرا انتظار کر رہا ہے۔"

"تم اپنے ساتھی گھوش کی بات کر رہے ہو؟" وہ قہقہہ مار کے بڑے زور سے ہنسا۔
"وہ اب اس سنسار میں نہیں رہا کیونکہ مر چکا ہے۔"
"کیا کہا......؟ وہ مر چکا ہے؟" میں بھونچکا سا ہو گیا۔ "لیکن کیسے...... میں اسے اچھا خاصا چھوڑ کر آیا تھا؟"

"بدروحوں نے اس کا خون چوس لیا ہے......" اس نے استہزائی لہجے میں کہا۔
"مسلمانوں کے پیر بشارت اللہ صاحب سے تم بہت قریب رہے اس لئے ان روحوں نے

تمہیں بخش دیا اور تم نے ایک کالی دیوی کی آشا بھی پوری کی تھی اور پھر تم اس لئے بھی زندہ ہو کہ کالی چرن داس تمہیں سزا دینا چاہتا ہے۔"
"وہ اور کیا سزا دیں گے......؟" میں نے کہا۔ "انہوں نے میرا ایک بازو غائب کر کے کتنی بڑی سزا دی ہے۔ کیا آپ مجھے میرا بازو ان سے دلوا سکتے ہیں؟"
"نہیں...... ہم ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیتے ہیں۔ کالی چرن داس جانیں اور تم جانو۔" اس نے سرد سفاک لہجے میں کہا۔ "اب تم جاؤ۔"
ادھر اس نے اپنی بات ختم کی ادھر کالی دیوی کے چرنوں میں جو سات چراغ جل رہے تھے وہ ایک دم سے بجھ گئے۔ کمرے میں پھر پہلے جیسا گھپ اندھیرا چھا گیا۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں رہا تھا کہ خاموش رہوں۔ پھر ایسی پراسرار اور خوفناک خاموشی طاری ہو گئی کہ مجھے ہول آنے لگا۔ پھر اچانک ایک بے حد سرد ہاتھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ وہی ہاتھ تھا شاید...... جو ہاتھ تھا جس کا بھی تھا وہ کسی زندہ انسان کا نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی مردہ یا بدروح کا یا پھر اس پجاری سبھاش دتہ کا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب ہم دروازے کے پاس پہنچے تو اس ہاتھ نے میری کلائی چھوڑ دی۔ اس کے کلائی چھوڑتے ہی ایک دم سے دروازہ کھل گیا تو میں بجلی کا کوندا بن کر باہر کی طرف لپکا۔ اس خوف و خیال سے کہ میں مندر میں بند نہ ہو جاؤں۔
میں نے باہر کھلی فضا میں سانس لیا اور اس طرح سے اس سمت دوڑنے لگا جہاں سے میں آیا تھا کیونکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے عفریت میرے تعاقب میں ہو۔ جب میں درختوں کے جھنڈ سے نکل رہا تھا تب پتھریلی زمین اور بدحواسی کی وجہ سے دو تین مرتبہ ٹھوکر کھا کے گرا۔ اس کی پروا نہیں کی۔ میں نے گھوش کو ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا تو میری جان میں جان آئی۔ وہ بے حس و حرکت تھا' جیسے میرا انتظار کرتے کرتے سو گیا ہو۔ جب میں نے قریب جا کر اسے دیکھا تو میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ گھوش مر چکا تھا۔ اس کا چہرہ سفید دھلی چادر کی طرح ہو رہا تھا اور جسم بھی...... بدروحوں نے اس کے جسم میں ایک قطرہ خون بھی رہنے نہیں دیا تھا۔
میں نے اس کے پاس جا کر اس کی نبض دیکھنے کیلئے ہاتھ پکڑا تو وہ ہاتھ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا جس نے مندر میں میرا ہاتھ تھاما تھا۔ مندر کے مہا پجاری سبھاش دتہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ بدروحوں نے اسے شکار کر لیا تھا۔ بدروحیں اور چڑیلیں بھی انسانی خون کی

پیاسی ہوتی ہیں۔ جہاں کوئی انسان ہاتھ لگا اس کے جسم سے آخری قطرہ خون تک پی لیتی تھیں۔ اب یہاں ایک لمحہ رکنا بھی بہت بڑی مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ کسی کے دیکھ لینے کی صورت میں میں قانون کے ہتھے چڑھ جاتا۔ اس کی موت کا ذمے دار ہی نہیں بلکہ قاتل بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔ یہاں سے بھی اور اسی وقت نو دو گیارہ ہونے میں ہی میری عافیت تھی۔

پھر کیا تھا۔ میں سر پر پیر رکھ کے اندھا دھند بھاگا۔ سڑک تک پہنچنے میں مجھے چھ سات منٹ لگے۔ سڑک کے کنارے نیم کا ایک گھنا سایہ دار درخت تھا اس کے نیچے تنے سے پشت ٹکا کے بیٹھ گیا تا کہ سانسوں پر قابو پا سکوں۔ جب میں اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا تب میرے تصور میں اس مہا پجاری کا چہرہ ابھرتا رہا' وہ مر چکا تھا لیکن زندہ تھا لیکن مجھے نجانے ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ کہیں اس کی روح آ کر میرا خون نہ پی جائے' مندر یہاں سے خاصا دور تھا۔

کچھ دیر بعد ایک بس آتی دکھائی دی تو جان میں جان آئی۔ وہ مدراس شہر کے بس ٹرمنل تک جا رہی تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ اس میں بہت رش تھا۔ مسافر اس میں جانوروں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ دو والی سیٹ جیسے ایک ہی مسافر نے لے رکھی تھی اس لئے اس کے سوا کوئی اور نہیں بیٹھا تھا لیکن میں نے اس بات کی پروا نہیں کی۔ اس کی سیٹ پر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کھڑکی سے باہر جھانک کر باہر کے حسین نظاروں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ جب اس نے میری موجودگی محسوس کر کے اپنا چہرہ میری طرف گھمایا تو میں اس کا چہرہ دیکھتے ہی بڑے زور سے اچھلا اور میری زبان سے بے اختیار نکلا۔ ''ہربنس لال......!''

''ارے مکر جی......! یہ تم ہو؟'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟''

''یہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔'' میں نے تیز لہجے میں مگر آہستگی سے کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ بملا کہاں ہے؟''

''بملا!'' اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر کے گوشوں میں اتر گئی۔ ''بملا وہیں ہو گی جہاں اسے ہونا چاہیے۔''

''اگر تم نے مجھے سچ سچ نہیں بتایا تو کان کھول کر سن لو' یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے نہیں بتایا تو تم میرا کیا بگاڑ لو گے......؟'' وہ میرے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ زہر آلود تھی۔

''میں شور مچا کے بس رکوا لوں گا۔ پھر کسی پولیس کو بلا کر تمہیں قانون کے حوالے کر دوں گا اور انہیں بتا دوں گا کہ تم نے بملا کو اغوا کیا ہے؟''

''شانتی...... شانتی...... میرے دوست!'' اس نے میرا کندھا تھپتھپایا۔ ''تم بچوں جیسی باتیں تو نہ کرو جبکہ بچے نہیں ہو۔''

''جب پولیس تمہیں بملا کو اغوا کرنے کے الزام میں گرفتار کرے گی جب تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔''

اس نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔ ''مکر جی! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے سفر کے دوران بملا کو اغوا کیا ہے تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں کیا چیز ہوں۔ کتنی اونچی چیز ہوں۔ بملا کے متعلق سفر کے دوران بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ تم صبر اور تحمل سے کام لو' میں تمہیں شہر پہنچ کر اس کے متعلق بتا دوں گا۔''

میں نے سوچا کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے دھیرج سے کام لینا چاہیے اور پھر میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پولیس ملزم کو بغیر ثبوت کے گرفتار نہیں کرتی ہے۔ شور مچانے اور بملا کے موضوع پر بات کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد بس شہر پہنچی۔ بس سے اتر کے ہربنس لال نے ایک رکشا کیا اور ایک بہت بڑے محلے میں پہنچ کر اسے کرایہ دے کر رخصت کیا۔ پھر وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک گلی کی طرف بڑھا۔ میں بملا سے ملنے کیلئے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ میرے دل میں اس کا عشق جاگ اٹھا تھا۔ میں اسے بانہوں میں بھر کے اس کے ہونٹوں کی مٹھاس چرانے کیلئے بے چین تھا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ پرانی آبادی تھی جس میں درجنوں چھوٹی بڑی' تنگ و تاریک اور دو ایک کشادہ اور روشن گلیاں بھی تھیں۔ میں اس شہر میں اجنبی تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مجھے کہاں اور کس کے پاس لے جا رہا ہے۔ بس میں اس کے پیچھے پیچھے پالتو جانور کی طرح چلا جا رہا تھا۔

میں سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ آخر میں بملا کیلئے اس قدر فکرمند اور پریشان کس لئے ہو گیا ہوں۔ آخر اس سے میرا رشتہ ناطہ کیا۔ مجھے اپنی اور اپنے ہاتھ کی فکر کرنا چاہیے۔ میں اپنے ہاتھ کی تلاش میں تو اتنی دور دراز کا سفر کر کے یہاں آیا۔ ہربنس لال کو دیکھتے ہی میں بملا کیلئے جذباتی ہو گیا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ بملا سے میری جذباتی وابستگی ہو گئی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں۔ بملا یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ایک بازو سے محروم شخص ہوں میری محبت میں گرفتار ہو گئی۔ میرے ہونٹ ابھی تک اس کے ہونٹوں کی مٹھاس کو محسوس کر رہے تھے۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت سیاہ آنکھیں، موہنا چہرہ، جسمانی نشیب و فراز کی دلکشی اور سراپا کی رعنائیاں میرے دل میں سوئی ہوئی ہیں۔ اس کی محبت کے دھر دھر بول میرے کانوں میں سات سروں کی طرح گونج رہے ہیں اور پھر ایک خبیث شخص نے اس معصوم لڑکی کو آلودہ کرنے کیلئے پراسرار طور پر جادو کر کے اسے جادو کے زور پر اغوا کر لیا۔ اگر اس نے بملا کو آلودہ کر دیا ہے تو میں اس خبیث شخص کو بخشوں گا نہیں۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں ہر قیمت پر بملا کو اس خبیث کے چنگل سے نکالوں گا۔ میں بملا کیلئے بہت ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا تھا جب تک بملا کہاں ہے اور کس حال میں ہے معلوم نہ ہو جائے۔

کئی گلیوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک ایسی گلی میں داخل ہوا جس کے اختتام پر ایک قدیم اور بوسیدہ اور شکستہ سی عمارت کے سامنے پہنچ کے رکا۔ اس کا لکڑی کا دیوقامت دروازہ بہت مضبوط اور منقش بھی تھا۔ وہ بند تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دینے کے بجائے اس پر ہاتھ رکھ کے دباؤ ڈالا جیسے جیسے اس کا ہاتھ کا دباؤ اس پر بڑھتا گیا وہ کھلتا گیا۔ دروازہ اتنا کھل گیا تھا کہ دو آدمی بڑی آسانی سے گزر کر اندر کمرے میں داخل ہو سکتے تھے۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دروازے کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کے شخص کو کھڑے دیکھا۔ اس نے ہی اندر سے دروازہ کھولا تھا۔ اس نے بڑے مؤدبانہ انداز سے ہربنس لال کو پرنام کیا۔ ہربنس لال نے اس کے نمسکار کا جواب دینا تو درکنار اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ وہ ایک مغرور شخص کی طرح متکبرانہ انداز سے آگے بڑھ گیا یہ ایک طویل راہداری تھی جس میں دو رویہ کمرے بنے ہوئے تھے۔ عمارت میں ایک ہولناک سکوت طاری تھا۔ فرش پر دھول مٹی تھی جس سے لگ رہا تھا کہ جانے کب سے یہ عمارت

غیر آباد اور ویران پڑی ہوئی ہے، اس کی دیکھ بھال نہیں کی جا رہی ہے لیکن جس شخص نے دروازہ کھولا وہ تو موجود ہے۔ کیا وہ اس کی صفائی ستھرائی نہیں کر سکتا؟ اس راہداری کے اختتام پر جو بائیں طرف کمرہ تھا اس کے دروازے پر ہربنس لال نے دستک دی۔ دوسرے لمحے اس طرح دروازہ کھل گیا جیسے کوئی اندر کھڑا ہوا اس دستک کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ کمرے کے اندر کوئی دکھائی نہیں دیا کیونکہ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ روشنی بالکل بھی نہ تھی۔

"اندر آ جاؤ۔" ہربنس لال نے میری طرف گھوم کر کہا۔ اس کا لہجہ کچھ ایسا تحکمانہ تھا ایسا سحر انگیز تھا کہ میں بغیر کسی جھجک کے اندر داخل ہو گیا لیکن میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ ایسا لگا کہ جیسے کسی ایسے شخص نے جو اندر کھڑا ہوا تھا اور دروازہ کھولا تھا اس نے شاید مجھے پیچھے سے بڑے زور سے دھکا دیا ہو۔ میں لڑکھڑا گیا اور گیند کی طرح لڑھکتا چلا گیا۔

اس وقت مجھے صرف ایک احساس تھا کہ میں کسی تہ خانے کے زینوں پر لڑھکتا جا رہا ہوں۔ میں اس لمحے چیخ بھی نہ سکا۔ کچھ اندازہ نہ کر سکا کہ میں کتنی ہی دیر تک لڑھکتا رہا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ میرا ذہن بھی تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے زینے کے بجائے اپنے آپ کو ایک کمرے میں اور ایک نرم و گداز بستر پر دراز پایا۔ یہ مسہری تھی جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ میں نے تکیہ پر گردن لگا کے کمرے کا جائزہ لیا کمرے میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ چھت کے قریب جو روشن دان تھا اس کے باہر تاریکی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت رات ہے۔ چھت میں جو بجلی کا بلب لٹک رہا تھا وہ تیز روشنی کا تھا جس سے کمرہ پوری طرح روشن تھا اور ہر چیز بہت صاف اور واضح تھی۔ میری نگاہ دیواروں پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ میرے جسم پر سنسنی ایک سرد لہر کی طرح پھیل گئی۔ دیواروں پر درندوں کی تصویریں جو تھیں بہت ہی خوفناک قسم کی تھیں اور اس طرح انسانوں کی بھی...... ان تصویروں سے کمرے کا ماحول بہت ہی خوفناک لگ رہا تھا۔ ان تصویروں کو کمرے میں لگانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ ساری تصویریں مکروہ چہروں کی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، ہربنس لال کا خباثت سے بھرا چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔ اس کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں سے شیطانیت جھانک رہی تھی جس نے مجھے لرزا دیا تھا۔ پھر اس کی سؤر جیسی آنکھوں میں

ایک فاتحانہ چمک سی کوندی۔ یہ چمک ایسی ہی تھی جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو قابو میں کر
خوش ہوتا ہے۔

''مکرجی! اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے میری طرف بڑھتے ہوئے
خیز لہجے میں اور اس انداز سے پوچھا۔

''شیطان آدمی!'' میں نے تپیدہ لہجے میں کہا۔ ''تم بہت بڑے کمینے اور ذ
آدمی ہو...... مجھے فریب دے کر یہاں لائے تاکہ جان سے مار دو۔ تم نے یا تمہارے
آدمی نے مجھے زینے پر اتنے زور سے دھکا دیا کہ میں لڑھکتا ہوا مر جاؤں یا میری گردن ٹو
جائے۔''

''تم نہ تو زخمی ہو اور نہ ہی تمہیں کوئی چوٹ آئی ہے۔'' اس نے بستر کے قریب
کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

میں اس کی یہ بات سن کر چونک پڑا۔ واقعی یہ حیران کن بات تھی کہ میرے کو
زخم آیا تھا اور نہ ہی میں نے چوٹ وغیرہ محسوس کی تھی۔ جس وقت میں تیزی سے ز
لڑھک رہا تھا تب میں نے دل میں کہا تھا کہ مکرجی تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔
زینوں سے لڑھک کے گرنے پر سر میں چوٹ کا نہ آنا اور ہڈی پسلیوں کا سلامت رہ
واقعی ناقابل یقین امر تھا۔

''ہاں...... یہ بات تو ہے۔'' میں نے گردن ہلائی۔ ''لیکن یہ تو بتاؤ کہ میں کہا
ہوں اور تم مجھے فریب دے کر یہاں کیوں اور کس لئے لائے ہو؟''

''تمہیں تمہاری پتنی سے ملانے کیلئے جو بہت حسین اور بلا کی پرکشش بھی ہے
وہ مسکرایا۔ ''وہ تمہیں پا کر بہت خوش ہوگی۔''

''میری پتنی......؟'' میرا حیرت بھرا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ ''میری کوئی پتنی
ہے' ایک تھی لیکن وہ اس دنیا سے کب کی جا چکی ہے۔''

''یہ دوسری پتنی ہے اور تم اس کے پتی دیو ہو۔ تم اسے دیکھ کے پہچان لو گے
خوش ہو جاؤ گے۔ اسی لئے تو لایا ہوں کہ اس سے ملواؤں؟''

''لیکن تمہیں کیا اس بات کی توقع تھی کہ میری تم سے ملاقات ہو جائے گی
ملاقات غیر متوقع اور اتفاق سے ہوئی۔''

''ہاں۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تمہیں یہاں لانے کیلئے ہی میں پہلے
ے اور دور سے اس بس میں سوار ہو گیا تھا کیونکہ مجھے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ تم اپنے بازو
لی تلاش میں کالی چرن داس سے ملنے مراٹھا مندر گئے۔ تمہاری اس سے وہاں ملاقات نہیں
وئی' تم سے سبھاش دتہ کی روح ٹکرا گئی۔ تم وہاں سے اس لئے واپس ہوئے کہ تمہارے
اتھی کو بدروحوں نے سانپوں کی طرح ڈس کر اس کا خون پی لیا بلکہ تم وہاں سے اس خوف
ے بھاگ کے ادھر آئے کہ کہیں تمہیں پولیس اس کے قتل کے الزام میں گرفتار نہ کر لے۔ تم
الی چرن داس کی تلاش میں اس لئے ہو کہ اس سے بنتی کر کے اپنا بازو حاصل کر سکو......
یوں؟ میری ایک ایک بات سچ ہے نا...... تم صبح سے بھوکے ہو' کھانا کھا لو' پھر میں تمہیں
ہاری بملا سے ملاتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر ہربنس لال نے دروازے کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہا۔
ہریش! کھانا لے آؤ۔''

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور ایک شخص اندر آیا تو اسے دیکھ کر میرا دل اچھل
ے حلق میں آ گیا۔ میں بیہوش ہوتے ہوتے بچا۔ ایسا لگا کہ میں کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ رہا
وں لیکن یہ سپنا نہیں تھا۔ جو شخص کھانا لے کر آیا تھا' اس کا چہرہ ہی نہیں تھا۔ صرف اس کا تن
ھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کھانے کی ٹرے تھام رکھی تھی۔ جب وہ قریب آیا تو میں نے
وف و دہشت سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب میں نے چاپیں سنیں' دروازہ کھلنے اور بند
ونے کی آواز سنی تو آنکھیں کھول دیں۔

''چلو...... تم جلدی سے کھانا کھا لو۔'' اس نے کہا۔ ''میں تھوڑی دیر بعد بملا کو
مہارے پاس بھیجتا ہوں لیکن یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو کہ کمرے سے نکلنے اور
رار ہونے کی حماقت ہرگز ہرگز نہیں کرنا' تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں تمہاری بات سمجھا نہیں؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''تم کہنا
یا چاہتے ہو؟ کیا تم نے مجھے یہاں لا کر قید کر دیا ہے؟''

''تم اپنے آپ کو یہاں ایک قیدی تو نہیں لیکن ایک طرح سے قیدی ہی سمجھو......''
س کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''جوں ہی تم نے اس کمرے سے باہر قدم رکھا
ائیں تمہارا خون پی جائیں گی۔ جونک کی طرح چوس لیں گی...... تم اپنے ساتھی گھوش کا

نہیں بھولے ہو گے۔ تم نے اس کی لاش سے کچھ اندازہ تو کیا ہو گا؟ تمہارا بھی ایسا ہی حشر ہو گا۔"

وہ اتنا کہہ کر گھوما اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی دروازہ آپ ہی آپ بند ہو گیا لیکن میں یہ معمہ حل نہیں کر سکا کہ وہ مجھے یہاں کیوں اور کس لئے لایا ہے' وہ میری تلاش میں کس لئے تھا۔ اسے ہر بات کا علم تھا۔ میں جتنا سوچتا گیا اتنا ہی الجھتا گیا۔ ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ آخر یہ کیا اسرار ہے۔ ہربنس لال میرا دشمن کیوں بن گیا؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا؟

چند لمحوں تک میرا ذہن ماؤف رہا۔ میں خوف کی سی حالت میں مبتلا ہو گیا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ پھر میں نے ٹرے کی طرف دیکھا تو میری بھوک چمک اٹھی کیونکہ اس میں گرم گرم اور پرتکلف کھانا تھا۔ میں کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

کھانے کی مقدار دیکھ کر نجانے کیوں مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ تین خوش خوراک آدمیوں کیلئے بھی بہت تھا۔ وہ کھانا اتنا لذیذ' ذائقہ دار اور مزیدار تھا کہ میں اپنا ہاتھ روک نہ سکا۔ خوب سیر ہو کے کھایا۔ کئی دنوں کے بھوکے کی طرح پلیٹیں صاف کر دیں۔ کھانا کھانے سے میرے اندر ایک نیا حوصلہ اور ولولہ سا پیدا ہوا۔ پھر میں دبے پاؤں دروازے کے پاس گیا اور غیر محسوس انداز سے کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دروازہ شاید جادو کے زور سے کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ میں مایوس سا ہو کر مسہری پر آ کے بیٹھ گیا۔

پھر میں بملا کے انتظار میں بے چینی اور اضطراب سے ٹہلنے لگا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میری بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ میری حالت ماہی بے آب کی سی ہو رہی تھی۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ میں ہربنس لال کے فریب میں آ کے اس کے دام میں بری طرح پھنس گیا ہوں۔ اس کے جال سے نکلنا ناممکن سا ہے۔ یہ میری بے وقوفی تھی کہ میں اس کی باتوں میں آ گیا تھا۔

میں نے دوبارہ ایک اور کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر غصے کی حالت میں دروازے کے پاس جا کر اسے بری طرح پیٹ ڈالا۔ چند لمحوں تک پیٹتا رہتا لیکن اس کا کوئی

برآمد نہیں ہوا۔ کسی نے باہر سے کچھ نہیں کہا' نہ ڈانٹا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کمرے یا ... پر کوئی موجود نہیں ہے۔ میری غصے سے بری حالت ہو گئی تھی۔ پھر میں نے طیش میں آ کر پوری طاقت سے ایک لات دروازے کو رسید کی۔ پھر میں نے پوری قوت سے ہذیانی میں چیختے ہوئے کہا۔ "خبیث بڈھے...... دروازہ کھولو ورنہ دروازہ توڑ دوں گا۔"

دروازہ توڑنا ناممکن سا تھا۔ وہ اتنا مضبوط تھا کہ برسوں میں بھی اسے توڑ نہیں سکتا ... چند ثانیوں کے بعد ایک زوردار غراہٹ کی آواز سنائی دی جیسے غرانے والا غضبناک ہو ... پھر دروازہ کھل گیا۔ دروازے میں ایک لمبا چوڑا درندہ کھڑا تھا۔ وہ مجھے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ مجھ پر جھپٹنے کی تیاری کر رہا ہو۔ میں دہشت زدہ سا ہو کر تیزی سے ہٹتا گیا۔

"او مردود انسان!" اس درندے نے غراتے ہوئے مجھے لال لال آنکھوں سے ... جن سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ انسانی آواز میں بول رہا تھا۔ "تو نے ہمارے مہاراج کو ... بڈھے کہا۔ تیری یہ مجال...... تو اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے نالی کے کیڑے۔"

"تم...... تم کون ہو......؟" میری زبان لڑکھڑائی اور خوف اور سکتے کی سی حالت ... اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں......؟" اس نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ "میں گرو مہاراج کا غلام ... میرا نام چندر سنگھ ہے' اب کی بار تو میں نے اس گستاخی کو معاف کر دیا آئندہ تم نے اس ... ذلالت کی تو یاد رکھو میں تمہارا دل اور کلیجہ نکال کر کچا ہی کھا جاؤں گا۔"

"سنو......" میں نے بڑی نرمی سے التجا کی۔ "مجھے معاف کر دو' آئندہ ایسی کوئی ... نہیں کروں گا۔ تمہاری بڑی دیا ہو گی مجھے یہاں سے جانے دو۔"

"کیا میں تیرے باپ کا نوکر ہوں جو تجھے یہاں سے جانے دوں؟ تم یہاں سے ... سکتے' آئندہ نہ تو دروازہ پیٹنا اور نہ ہی میرے سامنے یہ بات اپنی زبان پر لانا۔ مجھے ... وں کا خون بہت پسند ہے' اب تک میں دو سو انسانوں کا خون پی چکا ہوں۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا' گرو مہاراج کے حکم کے بغیر یہاں سے تم کیا تمہاری آتما بھی نہیں جا ... چپ چاپ جا کر بستر پر لیٹ جاؤ۔"

اس نے اتنا کہہ کر ایک قدم بڑھا کے مجھے اتنے زور سے دھکا دیا کہ میں فضا میں

بلند ہو کے دھڑام سے بستر پر جا گرا۔ پھر اس نے باہر نکل کر دروازہ بڑے زور سے کھینچ کے بند کر لیا لیکن اتنے زور سے گرنے کے باوجود مجھے نہ تو چوٹ لگی اور نہ ہی درد محسوس ہوا۔

حواس بحال ہوئے تو میں سوچنے لگا کہ یہ مجھے کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ میں نے ایسے کون سے پاپ کیے جس سے کالی ماتا ناراض ہو کر اتنی بڑی اور ایسی سزا دے رہی ہے۔ کلکتہ آ کر مجھے لینے کے دینے پڑ گئے۔ ایک ذرا سی بھول اور اکڑ کی اتنی بڑی سزا کالی چرن داس نے دی کہ میرا بازو ہی غائب ہو گیا۔ بملا کی محبت میں گرفتار ہوا تو ہربنس لال نے میرا کیا حشر کیا' یہ کیا مصیبت ہے۔

پھر مجھے اچانک بشارت اللہ صاحب یاد آئے۔ میں نے انہیں تصور میں دیکھتے ہوئے دل میں مخاطب کیا۔ "بشارت بابا......! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے کالی چرن داس کی مصیبت سے نہ سہی لیکن اس خبیث ہربنس لال کی قید اور مصیبت سے نجات دلا دیں۔ آپ مجھ پر یہ احسان کریں' آپ بڑے دیالو ہیں...... کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پھر میں دل میں ہنسا۔ میری فریاد بشارت اللہ صاحب کیسے سن سکتے ہیں۔ میں ان سے سینکڑوں میل دور ہوں۔ مجھے جانے ان کا خیال دل کے کونے میں آیا تو میں نے انہیں یاد کیا اور پکارا تھا۔ میں نے یہ کہہ کر سانس بھی نہیں لی تھی کہ اچانک کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔ بلب ایک دم سے فیوز ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ کمرے میں ایسا شور وغل مچا جیسے بہت سے لوگ خوف و دہشت سے چیخیں مار رہے ہوں۔ انہیں جیسے اذیتیں دی جا رہی ہوں۔ میں ان آوازوں سے ایسا خوفزدہ ہوا کہ میں سہم کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس شور وغل کے درمیان ایک گڑگڑاہٹ سی ہوئی۔ دروازے کے ساتھ والی دیوار ایک دم سے درمیان سے شق ہو گئی۔ دوسری طرف ایک سرسبز باغ دکھائی دیا۔ چودھویں کی چاند رات تھی۔ اس کی دودھیا کرنوں میں دور کی بھی ہر چیز صاف اور نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید نیند کے جھونکے میں خواب دیکھ رہا ہوں' پھر خیال آیا کہ کیا واقعی بشارت اللہ صاحب نے میرے دل کی فریاد سن لی۔ میں نے سنا تھا کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ شاید اسی راہ سے ان تک میرے دل کی فریاد پہنچ گئی تھی۔ ان ہی کے کارن مجھے اس قید سے رہائی مل رہی ہے۔ بشارت اللہ صاحب کی اس دیا سے میرے جذبات بھر آئے اور

آنکھیں نم ہو گئیں۔

پھر میں مسہری سے فوراً ہی اتر آیا۔ باہر چونکہ سردی تھی اس لئے میں نے بستر کی در کھینچ کے اوڑھ لی۔ پھر میں اس شگاف سے باہر نکل آیا۔ اب میں کھلی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ اب احساس ہو رہا تھا کہ آزادی کتنی بڑی انمول چیز ہے۔ اس لئے انگریزوں سے حاصل کرنے کیلئے ہندوستان' آسام اور بنگال میں جدوجہد کی جا رہی ہے۔ دو سو برسوں سے انگریز کیسی ذلیل اور کمینی اور فریبی' دغاباز اور مکار قوم ہے جس نے ہندو مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا۔ میرے باہر آتے ہی دیوار خود بخود بند ہو گئی۔ شگاف تک نہ دکھائی دے رہا اور محسوس ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کدھر جاؤں۔ یہ راستہ کہاں جاتا ہے۔ میں یہ ابھی کچھ سوچ رہا تھا کہ میرے کانوں میں اچانک ہی نہایت سی گونجی تو میں خوفزدہ ہو کر اس طرح سے اچھلا جیسے یہ اس درندے کی آواز ہو۔

جب میں نے آواز کی سمت دیکھا تو جان میں جان آئی کیونکہ وہ درندہ نہیں بلکہ گھوڑی تھی۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس پر سوار ہو کر شہر کی طرف نکل جاؤں۔ شہر پہنچ کر اس گھوڑی کو کہیں چھوڑ دوں یا باندھ دوں گا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ گھوڑی کی پشت پر زین کسی ہوئی تھی۔ مجھے گھوڑی پر چڑھنے میں کچھ دشواری سی ہوئی کیونکہ میرا صرف ایک ہاتھ تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح اس پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جب میں نے ایک ہاتھ سے مشکلی سے لگام تھامنے کے بعد اسے ایک طرف موڑنا چاہا تو وہ آپ ہی آپ ایک سمت ا سے دوڑ پڑی۔ میں نے اس کی لگام کھینچ کے اسے قابو میں کرنے کی کوشش کی تو اس نے رکنے کا نام ہی نہیں لیا۔ اس کی رفتار میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہونے لگا تو میرے دل میں یہ آیا کہ کہیں یہ کسی جادو کے زیر اثر تو نہیں ہو گی چونکہ مجھے کبھی کسی ایسی تیز رفتار گھوڑی یا گھوڑے کی سواری کا اتفاق نہ ہوا تھا اس لئے میں بری طرح گھبرا گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا میں کسی بھی لمحے گر سکتا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو بچانے کیلئے یہ کیا کہ اس کی گردن سے لپٹ گیا۔ اس کی رفتار میں آندھی کی سی تیزی اور شدت آ گئی تھی اور مجھے اپنی موت نظر آ رہی تھی کیونکہ گرنے کی صورت میں میری جان بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف و خدشہ تھا۔ میں اپنے آپ کو نہ تو سنبھال سکا اور نہ

ہی توازن برقرار رکھ سکا۔ میں گھوڑی کی پشت سے ایک دم سے اچھل کے زمین پر گر پڑا۔ گرتے وقت میرے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی کیونکہ مجھے ایسا لگا تھا کہ میں موت کے منہ میں جا رہا ہوں اور اب میرا بچنا محال ہے۔ موت کے خوف نے زمین پر گرنے سے پہلے ہی مجھے بیہوش کر دیا تھا۔

لیکن جب مجھے ہوش آیا تو پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں کوئی سندر سپنا دیکھ رہا ہوں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ میں نہ صرف زندہ و سلامت تھا بلکہ ایک بند دکان کے چبوترے پر لیٹا ہوا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور یہ دیکھنے لگا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ یہ دیکھ کے میں ششدر سا ہو گیا کہ میں ایک بھرے بازار میں موجود ہوں۔ سڑک کے کنارے گاڑیاں کھڑی ہیں اور سڑک پر ٹریفک کا سیلاب بہہ رہا ہے۔ پھر میں نے ایک لمبی جماہی لے کر آنکھیں ملیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت دن نکلا ہوا تھا۔

پھر میں فٹ پاتھ پر آ کر جدھر منہ اٹھا ادھر چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھے ایک ہوٹل کی عمارت دکھائی دی۔ وہ ایک عام قسم کا ہوٹل لگ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ پہلے مجھے ہوٹل میں قیام کرنا چاہیے تاکہ آرام اور سوچ بچار کر سکوں۔ اس وقت میری ذہنی حالت قابو میں نہیں تھی اور ایک کشمکش سی ہو رہی تھی۔ جب میں ہوٹل کے قریب پہنچا تو وہاں تھان کپڑے اور مردانہ ملبوسات کی دکانیں بھی تھیں۔ میں نے تو پہلے ایک بہت ہی سستے قسم کا ریگزین کا بیگ خریدا پھر ایک ریڈی میڈ اپنے ناپ کا سستا سا جوڑا لیا۔ پھر ہوٹل میں ایک کمرہ لیا' نہانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ میرا لباس بہت میلا کچیلا ہو رہا تھا۔ پھر میں غسل خانے میں گھس کر بڑی دیر تک بڑے اطمینان سے نہاتا رہا۔ نہاتے ہی تمام کسل مندی اور تکان دور ہو گئی۔ دماغ بھی تازہ ہو گیا۔

میں نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے اعصاب بھی پھول کی طرح ہلکے پھلکے محسوس کر رہا تھا۔ میں نیچے اسی ہوٹل کے ہال میں آیا تاکہ ناشتہ کروں اور پھر سوچوں کہ اب میرا آئندہ قدم کیا ہوگا۔ ناشتہ کرتے ہوئے مجھے رات کا گزرا ہوا واقعہ یاد آیا۔ وہ گھوڑی یقیناً چڑیل تھی۔ وہ گھوڑی کے روپ میں اسی لئے آ گئی تھی کہ ہربنس لال نے اسے حکم دیا ہوگا، مجھے اپنی پشت پر سے گرا کے ختم کر دے کیونکہ وہ بشارت اللہ صاحب کے کمال کے آگے بے بس ہو گیا تھا اس گھوڑی نے میری جان لینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ میری زندگی اور

جان بچانے میں بشارت اللہ صاحب کی ہی دیا تھی۔ اگر میں نے انہیں یاد نہیں کیا ہوتا تو میری جان نہ بچتی اور ہربنس لال کی روحیں میرا خون میری نس نس سے چوس لیتیں۔ مجھے نئی زندگی ملی تھی اور میں دل میں بے انتہائی خوش تھا۔

میں نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ پھر ہوٹل سے نکل کے ایک اخبار کے اسٹال پر پہنچا جس کا مالک ایک بوڑھا مگر وہ چاق و چوبند شخص تھا۔ میں نے اسے نمسکار کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا۔ ''کیا آپ بتا سکتے ہیں یہ مہادیو نگر کہاں پر واقع ہے؟''

''مہادیو نگر......!'' اس بوڑھے شخص نے مجھے اوپر سے نیچے تک حیرت سے دیکھا۔ ''وہ مدراس شہر میں نہیں ہے بلکہ بنگلور شہر سے کوئی دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن اس جگہ کے بارے میں میں نے بڑے عجیب و غریب کہانیاں سنی ہیں......تم وہاں کیوں اور کس لئے جانا چاہتے ہو نوجوان......؟ میرا مشورہ مانو' وہاں نہ جاؤ' اپنی جوانی پر رحم کھاؤ۔''

''میں نے اپنی معلومات کی غرض سے اس کے متعلق آپ سے پوچھا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

میں نے ہوٹل آ کر کرایہ ادا کیا۔ پھر میں بس ٹرمنل پیدل چلتا ہوا پہنچ گیا۔ وہاں سے ہر دو گھنٹے کے بعد بس بنگلور جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک بس روانہ ہونے والی تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ کوئی دو گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد بس بنگلور شہر میں ایک بس اسٹاپ پر رکی تاکہ مسافر لوگ دوپہر کا کھانا کھا لیں۔ میں ایک کونے کی میز پر جا بیٹھا تو ایک ہم سفر بھی میز خالی دیکھ کے آ گیا۔

اس نے کھانا کھاتے ہوئے درمیان میں اچانک مجھ سے سوال کیا۔ ''آپ بھی شاید بنگلور جا رہے ہیں نا......؟''

میں نے چونک کر اسے تنقیدی نظروں سے دیکھا' اس کی عمر چالیس برس کی ہو گی۔ وہ موٹی سیدھی ناک اور سیاہ رنگت کا تھا۔ اس کے گلے میں مالا پڑی تھی۔ وہ سفید دھوتی کرتے میں ملبوس تھا۔ اس کے بال بھی بہت لمبے تھے۔

''جی ہاں...... میں بنگلور سیر و تفریح کیلئے جا رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ میں نے اس کی بڑی تعریف سنی ہے' میں نے سنا ہے کہ بنگلور نہ صرف بہت خوبصورت شہر ہے بلکہ اس کی آب و ہوا بھی بہت اچھی ہے۔ وہاں کیا مہادیو نگر ہے؟''

''آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں بھی بنگلور میں رہتا ہوں اور بنگلور ہی جا رہا ہوں۔ میرا گاؤں اس کے قریب ہی ہے۔''

''آپ مہادیونگر کے قریب رہتے ہیں؟'' میں نے چونک کے حیرت اور خوشی سے کہا۔ ''مجھے بھی وہاں ایک کام سے جانا ہے۔''

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ ''ہم دونوں کا سفر باتیں کرتے ہوئے بہت اچھا گزرے گا۔ میں آپ کو اپنا تعارف کرادوں' میرا نام وینکٹ رامن ہے۔''

میں نے بھی ہاتھ ملاتے وقت بڑی گرم جوشی دکھائی۔ اسے اپنا نام بتایا تو اس نے کہا۔ ''میں آپ کو ایک اصل بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ یہ بس سیدھا بنگلور شہر جائے گی' البتہ ایک کرناٹک کوچ ہے جو سیدھے مہادیونگر جاتی ہے۔ یوں تو بنگلور سے بھی بہت ساری بسیں جاتی ہیں لیکن وہاں سے بنگلور شہر بہت دور پڑتا ہے۔ میں یہاں سے کوچ میں بیٹھ کر اپنے گاؤں جاؤں گا۔''

''لیکن مجھے ایک بک اسٹال کے مالک نے بتایا کہ مہادیونگر بنگلور سے دس میل دور' مضافات میں ہے۔'' میں نے کہا۔

''دراصل اسے پوری معلومات نہیں ہیں' مہادیونگر بنگلور سے دس نہیں تیس میل دور ہے' آپ میرے ساتھ کوچ میں چلیں۔ آپ وقت کی بربادی اور پریشانی سے ایک اور غیر ضروری اخراجات سے بھی بچ جائیں گے۔'' اس نے بڑے مخلصانہ انداز میں کہا۔

میں نے اس کی بات سن کر اس کے ساتھ کرناٹک کوچ میں مہادیونگر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ بس جانے کے بعد کوچ کے انتظار میں ہم دونوں باتیں کرتے اور ٹہلتے رہے سہ پہر ہوگئی اور سہ پہر بھی ڈھلنے لگی تھی۔ شام میں کچھ دیر باقی تھی۔ مہادیونگر جانے والی کوچ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وینکٹ رامن نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ کوچ راستے میں خراب ہوگئی ہوگی۔ تھوڑی دور شمال میں ایک سڑک ہے۔ وہاں چلتے ہیں وہاں سے ہر آدھے گھنٹے میں مہادیونگر جانے والی بسیں گزرتی ہیں۔''

''چلیں..... شبھ کام میں دیر کس لئے.....'' میں نے کہا۔ ''وہ سڑک یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے۔'' اس نے سڑک کی سمت اشارہ کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ پندرہ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔''

ہم دونوں نے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ایک ایک کپ کافی پی اور سڑک کی طرف نکل پڑے۔ ہمیں کھیتوں کو پار کر کے پگڈنڈیوں سے جانا تھا۔ یہ شارٹ کٹ راستہ تھا۔ ہم کھیتوں سے گزرنے لگے' ہم دونوں خاموشی سے گزرتے رہے۔ وہ میرے سے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کی چال میں تیز رفتاری تھی۔ شام کے دھندلکے اندھیرے میں مدغم ہونے لگے۔ ابھی تک وہ سڑک نہیں آئی تھی۔

''ابھی وہ سڑک کتنی دور ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''دور دور تک اس کا نام ونشان نظر نہیں آرہا ہے۔''

''وہ جو درختوں کے جھنڈ کے اس پار جو آبادی دکھائی دے رہی ہے اس کے وسط میں ہے۔'' اس نے سامنے اشارہ کر کے بتایا۔

اس نے غلط کہا تھا کہ پندرہ منٹ کی مسافت ہے جبکہ آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت ہوگیا تھا۔ اس آبادی کے پاس پہنچتے ہی اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔ راستے میں آبادی کے قریب ایک مرگھٹ آ گیا۔ وہاں بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ جلی ہوئی ہڈیوں اور گوشت سے سڑاند اٹھ رہی تھی۔ راکھ کے ایک ڈھیر کے پاس پہنچ کے وہ رک گیا۔ ''ایک منٹ ٹھہرو..... میں پیشاب کرلوں۔''

وہ ایک اونچے ٹیلے کی آڑ میں چلا گیا۔ میں اس کے انتظار میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑا ہوگیا۔ خاصی دیر گزر گئی۔ وہ واپس نہ آیا تو مجھے تشویش سی ہوئی۔ میں پریشان ہو گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے کسی سانپ نے ڈس لیا ہو۔ پھر میں نے وینکٹ رامن کا نام لے کر تین چار بار پکارا۔ تب اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں کیونکہ اس کے انتظار میں کوئی بیس گھنٹے گزر گئے تھے۔ پھر ایک خیال اور آیا کہ وہ وہاں سے نکل کر درختوں کی آڑ لیتا یا تو واپس ہوگیا ہے یا اکیلا چلا گیا لیکن کسی سبب کے بغیر وہ ایسی حرکت نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ خاصا معقول اور سنجیدہ آدمی تھا۔ غیر ذمہ دار ہرگز دکھائی نہ دیتا

اندھیرے کے باعث مرگھٹ کا ماحول بے حد پراسرار اور دہشت ناک لگ رہا تھا

جس سے مجھ پر ایک نامعلوم خوف سوار ہو گیا تھا۔ یوں بھی لوگ راتوں کو مرگھٹ کے قر
سے گزرتے بھی نہیں تھے۔ میں نے سوچا کہ اب میں کھڑے ہو کر اپنا وقت کیوں برباد کر
ہوں۔ وہ کسی وجہ سے مجھے دھوکہ دے کر چلا گیا۔ اب مجھے یہاں سے فوراً ہی چل
چاہیے۔

میں نے ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ فضا میں ایک زہر آلود ہنسی گونجی تو میں
طرح اچھل پڑا۔ میں نے سرعت سے گھوم کر آواز کی سمت دیکھا۔ مجھ سے چند قدم پر
راکھ کا ڈھیر ٹیلے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس پر ایک جوان عورت بیٹھی نظر آئی۔ اس
مجھے اپنی طرف دیکھتا پایا تو فضا میں ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے اپنی طرف بلانے لگی تو میرے رو
کھڑے ہو گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس شدید سردی میں ایک عورت یہاں کیا کر ر
ہے اور مجھے کیوں بلا رہی ہے......؟

☆......☆......☆

میں نے اسے جو دیکھا تو دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا۔ گہری تاریکی کے باوجود اس کا
ود ایک روشن ستارے کی طرح تھا۔ وہ بہت نمایاں، واضح اور صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے
وخال بھی مدھم سے نہ تھے۔ اس کے حسن کی کرشمہ سازیوں نے میرے سارے جسم پر سنسنی
ادی اور میری نس نس میں جیسے چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ اس کے پرشباب گداز بدن میں
ا جاذبیت اور ہیجان خیزی تھی کہ میرے دل پر کوئی بجلی سی آ گری۔ جسمانی نشیب و فراز
، قیامت ڈھا دی تھی۔ وہ عورت نہ صرف بے حد حسین و جمیل بلکہ دراز قد بھی تھی۔ جس
، اس کے بھڑکیلے بدن کو اور اجاگر کر دیا تھا۔ وہ شعلہ مجسم تھی۔ میری نگاہیں تھیں کہ اس
سراپا سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں اور پھر مجھے اپنے آپ اور اپنی نگاہوں پر اختیار
ا رہا تھا۔ اس نے مجھے مسحور جو کر دیا تھا اور میں اس کے سحر سے کیسے نکل جاتا۔ میں
لت و جامد سا کھڑا ہوا تھا اور میرے پیر فرش کا حصہ بن گئے تھے۔ مجھ میں اتنی سکت ہی
ا تھی کہ جنبش کر سکوں۔ حیرت کی بات تھی کہ شدید سردی میں وہ جس حالت میں کھڑی تھی
ہ اپنی اس حالت کا احساس نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ میں ایک مرد تھا اور وہ مجھے بہکانا اور
انا چاہتی تھی۔ اس نے عورت کی فطری شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ میں سوچ
ہیں سکتا تھا کہ ایک حسین و جمیل اور جوان عورت اتنے نیچے بھی گر سکتی ہے۔

''آؤ...... میری جان! میرے پاس آؤ۔'' اس کی آواز بہت دل کش اور اتنی مدھر
ی تھی کہ اس نے میرے دل کو چھو لیا تھا۔ میں نے کبھی بھی کسی عورت کی آواز میں اتنا
سوس نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی عریاں مرمریں اور گوری گوری بانہیں فضا میں لہرا دیں۔
میرے پاس کیوں نہیں آتے ہو؟''

میں اس کی طرف بڑھا نہیں کیوں کہ مجھے اپنا ہوش کہاں تھا۔ میں اس کے حسن و

شباب اور جسم کی رعنائیوں کا اسیر بن کر رہ گیا تھا۔ بت بنا اس طرح اسے دیکھ رہا تھا جیسے ایسا نظارہ کبھی نہ دیکھا ہو۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کی طرف پیش قدمی نہیں کر رہا ہوں تب وہ میری ہی طرف خراماں اور مستانہ انداز سے اپنے دامن میں بجلیاں لیے بڑھی۔ اس کا حسن اور شباب مجھے کسی زہریلے سانپ کی طرح ڈسنے کیلئے پھن اٹھائے ہوئے تھا۔

''کمار جی!'' اس نے بڑی رسیلی آواز میں محبت بھرے انداز سے کہا۔ ''میں دل میں ششدر سا ہو گیا کہ اسے میرا نام کیسے معلوم جب کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہیں۔''

''تم کون ہو.....؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔ ''تم مجھے کیسے اور کیوں کر جانتی ہو۔ میرا نام کیسے معلوم ہوا؟''

''میں تمہاری داس ہوں۔'' اس نے میرے قریب آ کر جواب دیا۔ ''یہ ایک راز ہے جو میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔''

اس نے اپنی بات ختم کر کے میرے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں تو ایسا لگا جیسے کوئی آتش فشاں دہک رہا ہو۔ اس کا قرب اور اس کا جسم آنچ دینے لگا۔ ''تم کتنے خوب صورت ہو میرے راج کمار!''

دوسرے لمحے وہ میرے چہرے پر جھک گئی۔ اس نے میرے ہونٹوں کو بولنے نہیں دیا۔ پھر ہم بہت دور نکل گئے۔ واپسی کا خیال اور ہوش کسے تھا۔ مجھ پر ایک نشہ سا طاری تھا اس کی جوانی اور مہربانی نے مجھے اسیر بنایا ہوا تھا۔

اس سفر سے واپسی ہوئی تو میں جیسے سحر سے نکل آیا۔ مجھ پر پرانی شراب کا سا خمار چھایا ہوا تھا۔ وہ پیر میں ٹھوکر لگنے اور خون نکلنے سے ٹوٹ گیا۔ دفعتاً اس بات کا احساس ہوا کہ میں کسی سرسبز اور شاداب جگہ پر نہیں بلکہ شمشان گھاٹ میں کھڑا ہوا ہوں جہاں جلائے جانے والے مردوں کی آتماؤں کا بسیرا ہوتا ہے۔ یقیناً یہ عورت بھی چڑیل یا کسی ایسی حسین عورت کی بدروح تھی جو ظلم و ستم کا نشانہ بن کر مرگئی تھی۔ بدروح کا خیال آتے ہی میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے اس کی بانہیں جھٹک دیں۔ پھر میں نے پوری طاقت جمع کر کے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکا دیا۔ وہ ایک دو قدم پیچھے ہٹی۔ پھر وہ بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسی۔ جب میں جانے لگا تو اس نے میرا راستہ روک لیا۔

''نہیں..... میری جان نہیں جاؤ۔ اس حسین رات کو برباد نہ کرو۔'' اس نے میرے قریب آنا چاہا تو میں اور پیچھے ہٹ گیا۔

''تم..... تم.....'' میں نے حواس جمع کر کے کہا۔ ''میرے قریب نہ آنا تم بدروح ہو، چڑیل ہو۔''

''نہ تو میں بدروح ہوں اور نہ ہی چڑیل ہوں۔ میں ایک محبت کی ماری عورت ہوں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو میں کیسی حسین ہوں۔ مجھے ایک بچے کی ضرورت ہے۔ میں ماں بننا چاہتی ہوں۔ میں جبھی ہی ماں بن سکتی ہوں کوئی مرد میرے ساتھ سات دن اور سات راتیں گزارے..... ہم نے ایک رات گزار لی۔ تم میرے ساتھ چلو..... قریب ہی میری کٹیا ہے۔ ہم وہاں میاں بیوی کی طرح رہیں گے۔ ایک سادھو مہاراج نے مجھے آشیرباد دی ہے اور کہا ہے کہ میں کسی رات کے مسافر کو سات دنوں تک پتی بنا لوں.....'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''اب تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا کیوں کہ تم نے مجھے آلودہ کر دیا۔ تم میرے پتی ہو۔''

''ہشت.....'' میں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ واقعی یہ بدروح یا چڑیل نہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اتنی حسین اور قیامت خیز نہ ہوتی۔ وہ تو بہت بدصورت اور خوفناک شکل کی ہوتی۔ یہ تو کوئی جادوگرنی یا پھر کوئی عیاش عورت تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس پر سردی کا اثر نہ تھا۔ اس نے شراب یا ایسی کوئی چیز کھا رکھی تھی جس سے اسے سردی بالکل ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے بدن میں بڑی گرماہٹ تھی۔ بہرحال وہ جو کوئی بھی تھی اتنی حسین ہونے کے باوجود میں اس کی بات نہیں مان سکتا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں اس کی بات مان لیتا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ انکار نہ کرتا کیوں کہ ایسی حسین اور ہیجان سراپا کی عورتیں کہاں نظر آتی ہیں۔ شاید میں تیار بھی ہو جاتا لیکن نہ جانے کیوں میں اس ایک انجانا سا خوف محسوس کر رہا تھا۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا..... مجھے ایک ضروری کام ہے۔ ہاں..... واپسی میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ تم مجھے اپنی کٹیا بتا دو۔''

''نہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' اس نے مجھے خود سپردگی کی نگاہوں سے دیکھا۔ ''تم نے میری پیاس بڑھا دی۔ تم کتنے سندر اور جوان اور وجیہہ آدمی ہو۔ تم جیسا مرد نہیں ملا۔ تم چلو..... سات دن تمہاری ایسی سیوا کروں گی تم تصور بھی نہیں

کر سکتے۔ کسی عورت نے تم پر آج تک ایسی مہربانی اور فیاضی نہیں کی ہو گی۔''

''میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تمہیں بہت سارے مرد مل جائیں گے۔ مردوں کی کوئی کمی نہیں ہے جب کہ میں ایک معذور شخص ہوں۔ میں جا رہا ہوں۔ میں تمہاری کوئی بات مان نہیں سکتا۔''

''کیا تم اس غلط فہمی میں ہو کہ میرے ہاتھوں سے بچ کر نکل جاؤ گے؟'' وہ قہقہہ مار کر ہنسی۔ ''آج تک میرے ہاتھوں سے کوئی مرد نہیں بچ سکا۔ سچ پوچھو تو میری زندگی میں تم جیسا سندر مرد نہیں آیا۔ تم معذور ہوئے تو کیا ہوا میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا خون بھی کتنا گرم ہے' ذائقہ دار اور مزے دار ہے۔''

''کیا......؟'' میں اچھل سا پڑا۔ ''تم نے میرا خون پیا ہے؟''

''پیا کہاں ہے......صرف ذرا سا چکھ کر دیکھا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تمہیں لے جا رہی ہوں تو تمہیں خوش بھی کروں گی اور تمہارا تازہ اور گرم گرم خون بھی پیتی رہوں گی۔ چلو...... یہاں سے چل پڑو۔''

پھر اس نے اپنا بہت ہی خوب صورت اور گورا گورا ہاتھ میرے ہاتھ تھامنے کیلئے بڑھایا۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا کہ یہ عورت نہیں چڑیل ہے جو ایک انتہائی حسین اور پرکشش عورت کے روپ میں آ کر مجھے ورغلا رہی ہے۔ میں نے اسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ مجھ سے چند گز زمین پر جا گری۔

پھر میں تیزی سے دوڑا۔ کچھ دور جا کر پلٹ کے دیکھا وہ بھی میرے پیچھے پیچھے بھاگی آ رہی تھی اور مجھے رکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے تعاقب میں دیکھا تو بدحواس سا ہو گیا۔ بدحواسی اور سراسیمگی میں' تاریکی کی وجہ سے بھی سمت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ میں ایک ٹیلے کے گرد گھوم کر چتا کی طرف دوڑنے لگا۔ اچانک ہی کوئی چیز میرے پیروں میں آئی تو ایک ٹھوکر سی لگی۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ خوف و دہشت سے میری چیخ نکل گئی۔ زمین پر ایک جوان مرد بے لباس پڑا تھا۔ وہ ایک لاش کی مانند پڑا ہوا تھا۔ شاید زندہ بھی تھا۔ میں نے اس کے سینے میں سانس چلتی سی محسوس کی تھی۔

میں چوں کہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا تھا اس لیے اٹھ کر گردن گھما کر عقب میں دیکھا میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اب ایک کے بجائے دو چڑیلیں تھیں۔ وہ بھی بلا کی حسین

اور کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ اس دوسری چڑیل نے شاید اس جوان کو آلودہ کرنے کے بعد اس کا خون پی کر اسے بے جان کر دیا تھا۔ دوسرے لمحے ان دونوں نے مجھے اپنے نرغے میں لے لیا۔ دوسری نے آگے بڑھ کر مجھے دبوچ لیا۔ پہلے والی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اب تم بچ کر جا نہیں سکتے......'' دوسری ہذیانی لہجے میں بولی۔ ''لہٰذا تم شرافت سے سیدھی طرح چلو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔''

اس کا بدن شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ میں نے بدن کے لمس میں ایسا لمس' گداز اور لطیف پن محسوس کیا کہ مجھ پر نشہ سا چھانے لگا۔ دوسرے لمحے مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ یہ دونوں چڑیلیں ہیں۔ میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ میں نے اس کی گرفت سے نکلنے کیلئے پورا زور لگا دیا لیکن بے سود وہ دونوں مجھے اس طرح کھینچ کر لے جانے لگیں جیسے میں کوئی قربانی کا جانور ہوں۔

میں نے اپنی پوری طاقت جمع کی اور چلتے چلتے رک گیا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں۔ ن مانیاں کرنے لگیں کہ شاید مجھ پر نشہ طاری ہو جائے۔ ایک نے میری گردن پر ہونٹ رکھ یئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دانت گاڑ کے میرا خون پیتی میں نے ایک ہاتھ سے اس ے بال پکڑ کے کھینچے۔ دوسرا ہاتھ ہوتا تو اس سے دوسری کی خبر لیتا۔ وہ درد کی شدت سے ائی۔ دوسرے لمحے وہ دونوں بیک وقت اپنے اصل روپ میں آ گئیں۔ ان کی شکلیں اتنی روہ اور خوفناک تھیں کہ میرے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی پھر میں ایک دم سے چیخ پڑا۔ کالی چرن داس......کالی چرن داس...... مجھے ان چڑیلوں سے بچاؤ۔''

اگلے لمحے کوئی گز کے فاصلے پر ایک دم سے آگ بھڑک اٹھی۔ جو بلند ہوتی گئی۔ آگ میں سے ایک شعلہ نکل کر ان کی طرف لپکا تو ان کی دل خراش چیخوں سے شمشان اٹ گونجنے لگا۔ پھر وہ دونوں مخالف سمت دوڑیں تو شعلہ ان کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر وہ وں سے ایک دم غائب ہو گئیں۔ ان کا کوئی وجود نہیں رہا اور وہ آگ بھی بجھ گئی۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ میں نے زور سے کہا۔ ''کالی چرن داس آپ ات بہت شکریہ۔''

میں نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ ایک ٹیلے کے عقب سے وینکٹ رامن رہوا۔ میں اسے دیکھ کر رک گیا۔

اس نے میرے پاس آ کر کہا۔ ''آؤ چلو دوست! کہیں تم گھبرا تو نہیں گئے تھے؟''

''آپ کہاں چلے گئے تھے جو آنے میں اتنی دیر لگا دی۔'' میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ ''یہ کیا حرکت تھی؟''

''میں بتا کر گیا تھا کہ پیشاب کرنے جا رہا ہوں۔'' اس نے مجھے متعجب نظروں سے دیکھا۔ ''آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟''

''آپ کو پتا ہے کہ آپ نے کتنی دیر لگا دی.....؟'' میں نے کہا۔ ''پورا ایک گھنٹہ لگا دیا آپ نے.....؟''

''کیا.....؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ پھر وہ ہنس پڑا۔ ''آپ کو ایسا محسوس ہوا ہو گا۔ میں تو پانچ منٹ میں واپس آیا ہوں۔''

''نہیں.....'' میں نے تکرار کے انداز میں کہا۔ ''آپ نے پورا ایک گھنٹہ لگایا ہے۔ آپ کو پتا ہے اس ایک گھنٹے میں میرے ساتھ کیسا خوفناک واقعہ پیش آیا ہے؟ ابھی تک میرے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں۔''

''کیا واقعہ پیش آیا.....؟'' اس نے ششدر ہو کر میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''پانچ منٹ میں کیا واقعہ پیش آ گیا؟''

''آپ اسے پانچ منٹ کہیں لیکن میں ایک گھنٹہ ہی کہوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میرا واسطہ دو روحوں سے پڑ گیا تھا۔ وہ مجھے زبردستی لے جا رہی تھیں تا کہ مجھ سے سات دنوں تک دل بہلاتی رہیں اور خون بھی پیتی رہیں۔''

''بدروحیں.....؟'' اس نے تحیر زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ''آپ کو وہم ہوا ہو گا۔ ان کا یہاں کیا کام.....؟''

میں نے اسے مختصر الفاظ میں سارا واقعہ سنایا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اصل بات یہ ہے دوست کہ تمہیں کھڑے کھڑے نیند آ گئی تھی۔ تم نے ایک سندر اور ہیجان خیز سپنا دیکھا۔ ایک لمحے کے سپنے میں آدمی بہت کچھ دیکھ لیتا ہے۔ سپنے میں تمہارے مزے آ گئے لیکن میں نے یہ سنا ہے کہ چڑیلوں کو خون پینا ہوتا ہے تو وہ فوراً ہی پی لیتی ہیں۔ اتنی دیر نہیں لگاتی ہیں۔ چلو اب ہم چلتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بدروح آ جائے۔''

''یہ سپنا نہیں ایک حقیقت ہے۔ اس کا ثبوت یہ جگہ ہے۔'' میں نے اس کو وہ

دکھائی جہاں آگ لگی۔ وہاں راکھ پڑی ہوئی تھی۔ اب بھی اس بجھی ہوئی راکھ میں چنگاریاں موجود تھیں۔

''میں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ بجھی ہوئی تھی۔ یہ کسی نے دوبارہ جلائی ہے۔ اب چلو۔'' اس نے کہا۔

میں نے خاموشی بہتر سمجھی۔ میں اسے اپنے بازو اور جو واقعات میرے ساتھ پیش آ چکے تھے اس کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے خاموش کھڑے دیکھ کر کہا۔ ''چلو دوست! ویسے بھی سردی بڑھتی جا رہی ہے۔ دیر نہ ہو جائے۔ چل پڑو۔''

میں وینکٹ رامن کے ساتھ پڑا۔ جس کی دوسری جانب ایک پختہ سڑک تھی جس کے بارے میں جیسا کہ وہ بتا چکا تھا۔ ہم سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دور سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی اور اس کے ہیڈ لائٹس نے تاریکی کا سینہ چیر دیا۔ جب اس کے اور ہمارے درمیان فاصلہ کم ہو گیا تب وینکٹ رامن نے اس کے اشارے سے کوچ رکوائی اور ہم دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ ہم دونوں کو ایک سیٹ مل گئی تھی کیوں کہ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس لیے اسے نیند آ گئی لیکن میری تو آنکھوں سے دور تھی۔ شمشان گھاٹ پر جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے میں اب تک خوف زدہ تھا جب کہ وینکٹ رامن کا کہنا تھا کہ وہ ایک سپنا تھا۔ وہ سپنا ہرگز نہیں تھا۔ میں اس لڑکی کو جو حسین وجمیل عورت کے روپ میں میرے سامنے جس نامناسب حالت میں آئی تھی میں اسے بھول نہیں سکتا تھا۔ ہم دونوں جذبات کی رو میں بہہ جو گئے تھے میں اسے بھول سکتا تھا اور پھر ان کی اصل شکلیں..... کالی چرن داس مجھے نہ بچاتے تو وہ دونوں مجھے کسی جنگل میں لے جا کر خون پی لیتیں۔ اب مجھے ایک نئی زندگی ملی تھی۔

بنگلور پہنچنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ یہ بات مجھے بس کنڈکٹر اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جوڑے کی گفتگو سے پتا چلی تھی۔ میں چوں کہ تھکن اور نڈھال پن محسوس کر رہا تھا اس لیے مجھے نیند آنے لگی۔ نیند نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں نہیں لیا تھا کہ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور بس بے قابو ہو کر کسی بدمست ہاتھی کی طرح سڑک کے کنارے درخت سے جا ٹکرائی اور ایک دم سے رک گئی۔ جھٹکا لگنے سے مسافروں کی چیخیں نکل گئیں اور میرا سر اس بری طرح چکرایا کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور میں

تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

معلوم نہیں کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک کمرے کے بیڈ پر پایا۔ یہ کسی ہسپتال کا کمرہ تھا اور میرے برابر ایک بیڈ تھا جس پر وینکٹ رامن پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے اور سونے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس کی خیر خیریت ہی معلوم کرلوں۔ اس خیال سے میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میرے اندر درد کی ایسی شدید لہر اٹھی کہ اس نے مجھے ہلا دیا۔ درد کی یہ لہر میرے پاؤں میں اٹھ رہی تھی۔ میں نے اپنے اس پیر کی طرف دیکھا تو اس پر ایک سفید پٹی لپٹی ہوئی تھی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ کہیں میرے پیر کی ہڈی تو ٹوٹ نہیں گئی اور میں شاید معذور ہو گیا ہوں۔ میں نے ذرا سا پیر ہلایا تو درد ایسا اٹھا کہ میں تڑپ کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا تو ہسپتال کے دو ملازم اسٹریچر لئے اندر داخل ہوئے۔ میں یہ سمجھا کہ وہ شاید وینکٹ رامن کو لے جانے آئے ہیں کیوں کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا ہے لیکن وہ میرے بیڈ کے پاس آ گئے۔ انہوں نے مجھے بستر سے اٹھا کر سٹریچر پر لٹا دیا۔

''آپ لوگ مجھے کہاں اور کیوں لے جا رہے ہیں؟'' میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''میرے پیر کو کیا ہوا؟''

''تمہارے اس پاؤں میں فریکچر ہو گیا ہے۔'' ان میں سے ایک نے قدرے تند لہجے میں کہا۔ ''ہم تمہیں آپریشن تھیٹر لے جا رہے ہیں۔ زیادہ بات چیت اور سوالات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اسی طرح سے اس نے مجھے ڈانٹ دیا تھا۔

جانے کیوں یہ دونوں ملازم مجھے بڑے پراسرار اور خطرناک سے لگے تو میں دل میں خوف زدہ سا ہو گیا۔ یہ کمرہ چھ بستروں کا وارڈ تھا جس میں صرف میں اور وینکٹ رامن تھے۔ وارڈ سے نکلتے ہی انہوں نے ایک میز پر سٹریچر رکھا جو راہ داری میں رکھی تھی۔ [illegible] ایک کمرے سے بڑی سی چادر لے آیا اور اس چادر کو اس طرح مجھ پر ڈال کر ڈھک دیا کہ میرا جسم اور چہرہ بھی چھپ گیا اور پھر اس نے کہا کہ چہرے پر سے چادر اٹھانے کی کوشش نہ کرنا۔ پھر مجھے اٹھا کر دوبارہ چل پڑے۔ میں نے ایک بار سوچا کہ چہرے سے چادر ہٹانے میں حرج بھی کیا ہے لیکن مجھے حوصلہ نہ ہوا۔ وہ کوئی دس بارہ منٹ تک چلتے رہے۔

میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپریشن تھیٹر آخر کتنی دور ہے جو آنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ سارا راستہ ایک ہولناک سناٹا سا محسوس ہوتا رہا۔ کسی کے چلنے پھرنے اور بولنے کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ویرانے اور سنسان جگہ سے گزر رہے ہوں۔ یہ ہسپتال اور اس کی راہ داری نہ ہو۔ ایسی خاموشی ہسپتال میں نہیں بلکہ مرگھٹ میں ہوتی تھی۔

میرے دل کے کسی کونے میں شک وشبہے کی لہر اٹھی تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے خود ہی اپنے چہرے سے چادر ہٹا دی اور خوف و دہشت سے میری آواز ہی نہ نکل سکی۔ سٹریچر ہسپتال کے آپریشن تھیٹر میں نہیں بلکہ ایک غار نما کمرے میں لایا گیا تھا۔ پھر ان دونوں نے سٹریچر فرش پر رکھ دیا۔ اس کمرے کی چوڑائی سات فٹ اور لمبائی تقریباً آٹھ فٹ ہو گی۔ چھت سے ایک کھوپڑی لٹکی ہوئی تھی۔ یہ کسی انسان کی کھوپڑی نہیں تھی۔ نہ جانے کس مخلوق کی ہو گی۔ میں نے ایسی مخلوق کو کبھی دیکھا اور نہ سنا تھا۔ یہ کھوپڑی میرے سینے سے تین فٹ اوپر تھی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ سرہانے کی جانب سے روشنی آ رہی ہے۔ میں نے چند لمحوں کے بعد سر گھما کے سرہانے کی طرف دیکھا۔ اس جانب جو دیوار تھی سات آٹھ فٹ کے فاصلے پر ہو گی۔ وہاں ایک چراغ جل رہا تھا جس کی لو اونچی تھی۔ پھر میں نے اپنی زخمی ٹانگ میں درد محسوس کیا تو میرے منہ سے دہشت سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اور شدید سردی میں میرے پسینے آ گئے۔

اس طرف سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ غار کی لمبائی کیا ہے۔ جہاں تک چراغ کی روشنی پھیل رہی تھی اس روشنی میں جو منظر دکھائی دے رہا تھا وہ انتہائی بھیانک تھا۔ ہر طرف روشنی میں انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا کہ بلی کی جسامت کے موٹے موٹے کالے رنگ کے چوہے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے بڑے، موٹے چوہے نہیں دیکھے تھے۔ جو بہت خوفناک تھے۔ چڑیلوں سے بھی کہیں بدصورت، مکروہ تھے۔ ان کی آنکھیں بڑی بڑی، لال اور وحشی درندوں کی سی تھیں اور اپنی زبان بار بار نکال کر ہونٹوں پر پھیر رہے تھے۔ وہ [illegible] لگ رہے تھے اور بھوکے بھی معلوم ہوتے تھے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھ پر کسی بھی لمحے ٹوٹ پڑ سکتے ہیں اور میں ان سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔

مجھ میں سکت اور طاقت بالکل بھی نہ رہی تھی کیوں کہ ان خون خوار اور آدم خور

چوہوں کو دیکھ کر میری جان ہی نکل گئی تھی۔ جس سے میری ساری طاقت جیسے سلب ہو کے رہ گئی تھی۔ اب چوں کہ مجھے اپنی جان بچانا تھی اس لیے کسی نہ کسی طرح لرزتا اور کانپتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ پھر میں غیر محسوس انداز سے پیچھے کی طرف سرکنے لگا۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ مجھے ہسپتال سے اس خونی غار میں کیوں اور کس لیے لایا گیا اور پھر مجھے جو لائے تھے وہ کہاں اور کیوں چلے گئے۔

ابھی میں سٹریچر سے چند قدم دور ہی پہنچا تھا کہ اچانک غار میں تاریکی پھیل گئی۔ اندھیرا ہوتے ہی چوہوں کی آنکھیں بلور کی طرح چمکنے لگی تھیں اور ان کے منہ سے ہلکی ہلکی غراہٹیں نکل کر غار کی فضا کو اور وحشت ناک بنا رہی تھیں۔ وہ جیسے مجھ پر حملہ آور ہونے کیلئے پر تول رہے تھے۔ میں سہم کر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور میری سانس نیچے کی نیچے اور اوپر کی اوپر ہو گئی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں کس طرح سے اپنے آپ کو بچاؤں۔ اگر وہ مجھ پر جھپٹ پڑے تو کیا میں ان سے مقابلہ کرسکوں گا۔ یہاں ایسی کوئی چیز بھی نظر نہیں آ رہی تھی جو ہتھیار کا کام دے سکے۔

میں ابھی اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ رہا تھا کہ غار کی ہولناک فضا میں ایک غضبناک آواز گونجی۔ ایسی خوفناک آواز کہ دل دہل کر رہ گیا۔ ''اس پلید کو میرے پاس لے آؤ......''

میں نے اس آواز کو پہچان لیا اور اچھل پڑا اور میرے جسم پر سنسنی سرد لہر کی طرح دوڑ گئی۔ یہ ہربنس لال کی آواز تھی۔ اب میں ایک بار پھر اس شیطان جادوگر کی قید میں آ گیا تھا۔ اب میری خیر نہیں تھی۔ دوسرے لمحے میں نے آہٹیں سنیں اور وہ لمحہ بہ لمحہ میرے قریب ہوتی گئیں۔ چند لمحوں کے بعد کچھ ہاتھوں نے میرے ہاتھ اور پیروں سمیت مجھے پکڑ کر اٹھایا۔ ان کی گرفت بہت سخت تھی۔ جب میں نے بے اختیار ایک کلائی پر ہاتھ پھیرا تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ گوشت پوست سے محروم کلائی کسی ڈھانچے کی معلوم ہوتی تھی۔ گویا مجھے اٹھانے والے زندہ انسان نہیں ڈھانچے تھے۔

وہ مجھے اٹھائے ہوئے چند منٹوں تک چلتے رہے پھر ایک جگہ رک گئے۔ مجھے فرش پر اس طرح ڈال دیا جیسے میں آٹے کی بوری ہوں۔ پھر دوسرے لمحے ایک روشنی پھیل گئی اس روشنی میں میں نے جو کچھ دیکھا وہ روح فرسا سا منظر تھا۔ ہربنس لال ایک بڑے صوفے پر بیٹھا ہوا غضبناک نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا

کمرے میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

''او سور کے بچے......'' اس نے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میری قید سے رہا ہو کر جو بھی فرار ہونا ہے اس کی سزا ایسی ہی ہوتی ہے اور وہ میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا۔ ب میں نے تیرے لیے جو سزا سوچ رکھی ہے تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''مگر میرا قصور کیا ہے جو تم مجھے سزا دینے پر تلے ہوئے ہو۔'' میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''تمہارا جرم یہ ہے کہ تم نے حکم عدولی کی اور میری قید سے نکل بھاگے۔'' اس نے لہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہاری تلاش میں بڑی پریشانی اٹھانا پڑی۔ ہیں پکڑنے کیلئے میں نے چڑیلوں سے رابطہ کیا لیکن تم ان کے جال سے بھی بچ نکلے۔ ـ چڑیل نے بہت ہی حسین عورت کے روپ میں تمہیں ورغلایا' آلودہ کیا اور پھر بھی تم اس حسن و شباب اور کشش کے جادو میں نہیں پھنسے اور تم وہاں سے بھاگ نکلے۔ پھر مجھے بس حادثے کا شکار کرنا پڑا۔ میری یہ تدبیر کامیاب رہی۔ میرے آدمی تمہیں ہسپتال سے لے ئے۔ تم نے مجھے دق کیا۔ میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''اچھا تو تم نے میرے پیچھے چڑیلوں کو لگا دیا تھا؟'' میں نے کہا۔ ''وہ میرا خون چاہتی تھیں۔ مجھے بھگوان نے بچا لیا۔''

''یہ سارا کھیل میں نے اس لیے کھیلا کہ مجھے تمہاری ضرورت تھی ورنہ میں تمہیں کا موت کی نیند سلا چکا ہوتا۔''

''گھما پھیرا کے بات کرنے کی ضرورت نہیں......'' مجھ میں نہ جانے اس وقت ے اتنا حوصلہ پیدا ہو گیا کہ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ شاید یہ لیے تھا کہ اب میں اس کے جادو کے زیر اثر نہیں رہا تھا کیوں کہ جب میں اٹھ کھڑا ہوا تو ے زخم میں درد محسوس نہیں ہوا اور نہ ہی اس پر پٹی بندھی ہوئی تھی جو کہ میں نے ہسپتال یکھی تھی۔ ''تم کیا چاہتے ہو صاف صاف بتاؤ۔ میں تمہاری وجہ سے بہت مصیبت اٹھا ں۔''

''تمہاری کسی ایک مسلمان بزرگ اور کالی چرن داس نے مدد کی اس لیے تم شیر ہو و۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم میری یہ بات کان کھول کر سن لو کہ اب تمہیں

میری قید سے ان میں سے کوئی بھی آزاد نہیں کرا سکتا۔"

اتنا کہہ کر وہ خبیث مکروہ انداز سے ہنسا۔ میں اس کی بات سن کر چونکا۔ یہ بات وہ اتنے تکبر اور مغرور انداز سے کیوں کہہ رہا ہے۔ اسے اپنے اوپر اتنا اعتماد ہے۔ کیا وہ ان دونوں بڑی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کی سکت رکھتا ہے۔

"سنو ہربنس لال؟" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ مت سمجھو کہ میں تمہاری ان باتوں سے ڈر جاؤں گا۔ خوف زدہ ہو جاؤں گا۔ میرے جو محسن مسلمان بزرگ ہیں تم ان کی کرامات سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔ ویسے تم نے یہ دیکھ لیا کہ انہوں نے مجھے کس طرح تمہاری قید سے رہائی دلائی۔ کالی چرن داس نے بھی مدد کی۔ مجھے معلوم نہیں کہ کالی چرن داس نے میری مدد کیوں کی؟ میں نے اسے مدد کیلئے اس لیے پکارا اور اس سے مصیبت سے نجات دلانے کی التجا کی کہ یہ ساری مصیبت اسی کے کارن ہے۔ اس نے ایک ذرا سی بات پر مجھے ایک بازو سے محروم کر دیا۔ اگر میں بازو سے محروم نہ ہوتا تو میں اندرون ہندوستان کا سفر نہ کرتا اور نہ تم سے ملاقات ہوتی۔ نہ جانے یہ کون سی گھڑی تھی جو تم مجھے مل گئے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ بھگوان میری کسی نہ کسی بہانے سے مدد کرتا رہے گا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم میرے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑے ہو؟ جبکہ میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

میں اپنی بات ختم کر کے اس کی طرف بڑھا۔ اس کے سامنے جو کرسی تھی اس پر بے خوفی کی سی حالت میں بیٹھ گیا۔ وہ میرا یہ اعتماد اور حوصلہ دیکھ کر مجھے خشمگیں نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر اس نے استہزائی لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی بملا کماری سے ہو جائے۔" اس نے کہا۔ "میں نے یہ سارا کھیل اس لیے کھیلا ہے۔ کیا تم اس لڑکی سے شادی کرنے کیلئے تیار ہو۔ وہ بہت حسین اور پیاری لڑکی ہے۔ ایسی پتنی تمہیں نہیں مل سکتی۔"

"کیا.....؟" میں نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"اگر تم بملا سے شادی کر لو تو میں تمہیں اس خوشی میں آزاد کر دوں گا۔" وہ معنی خیز انداز سے مسکرایا۔

"مگر کس لیے.....؟" میں نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "میرے شادی کرنے سے تمہاری ذات کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ اگر میں تمہاری بات نہ مانوں اور اس سے

شادی نہ کروں تو کیا تمہیں کوئی نقصان ہوگا؟"

"فائدہ اور نقصان والی بات تو میں تمہیں اس وقت بتاؤں گا جب تم میرے لیے قابل بھروسا ہو جاؤ گے۔ مجھے ابھی تک تم پر بھروسا نہیں ہے۔" ہربنس لال بولا۔ "پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم بملا سے شادی کرنے کیلئے تیار ہو؟"

"میری ایک لڑکی سے شادی کی بات چیت طے ہو چکی ہے۔ گو ابھی تک منگنی نہیں ہوئی لیکن ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت پریم کرتے ہیں۔ اس پریم میں بہت ہی آگے جا چکے ہیں۔ اگر میں اس سے شادی نہ کروں تو اسے کتنا دکھ اور صدمہ ہوگا کہ تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ تم اس کی محبت کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہو کہ اس نے اپنا سب کچھ مجھے سونپ دیا۔"

"تم وہ شادی بھی کر لینا۔" ہربنس لال کہنے لگا۔ "تم عجیب آدمی ہی نہیں بلکہ احمق ہو۔ جوانی میں ایسے مواقع بار بار کہاں ملتے ہیں۔ لڑکیاں تو بہت مل جاتی ہیں لیکن ایسی حسین اور نوجوان لڑکیاں تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی ہیں لیکن یہ شادی بہت ضروری اور اہم ہے۔ اس کا تمہارے گھر کے کسی فرد اور اس لڑکی کو بھی پتا نہیں چلے گا جو تمہاری محبوبہ ہے۔ یہ شادی تمہارے اور میرے درمیان راز رہے گی۔ لیکن اسے تم شادی کہہ سکتے ہو لیکن یہ شادی نہیں کہلائے گی۔ ایک طرح..... بس تمہیں اس طور پر بیاہ کرنا ہے تمہیں چند راتیں اس کے ساتھ گزارنی ہیں۔ بس۔"

"ایسا کیوں.....؟" میں نے سوال کیا۔ "اسے کس لیے چھوڑ دوں؟ طلاق دے دوں؟"

"اس کے بعد تمہاری مرضی کہ تم جو چاہے کرو۔ تمہارا دل کرے تو یہاں رہو یا واپس بنگال چلے جاؤ۔ جہاں تمہاری محبوبہ تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ شادی کے بعد جب تم چلے جاؤ گے تو بملا میرے پاس رہے گی۔"

"میرا دل نہیں کرتا کہ اس معصوم سی لڑکی کو دھوکہ دوں۔ اس کے ساتھ چند راتیں میں گزاروں۔ یہ میرا دل گوارہ نہیں کرے گا۔ کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے کہ تم بملا کی شادی مجھ سے کرنے پر مصر ہو۔ کیا کسی اور سے تم بملا کی شادی نہیں کر سکتے؟"

"نہیں....." اس نے سر ہلایا۔ "میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔"

''وہ کس لیے؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میری حیرت دو چند ہو گئی۔

''اس لیے کہ میرے جو مقاصد ہیں اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ تمہاری شادی صرف اس سے ہو۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''اب میں سمجھا کہ تم کیا چاہتے ہو......؟'' تم شادی کے بعد بملا کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو؟ کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اسے تمہارے بچے کی پیدائش تک اپنے پاس رکھوں گا......تم اس کے ساتھ اس وقت تک رہو گے جب تک وہ امید سے نہیں ہو جاتی...... بچے کی پیدائش کے بعد اسے میں آزاد کر دوں گا۔'' ہربنس لال نے کہا۔

''کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ ایک بچے کی ماں بن جائے گی؟'' میں نے کہا۔ ''بہت ساری مثالیں ایسی ہیں کہ شادی کو دس دس برس گزر جاتے ہیں لیکن وہ ماں نہیں بن پاتی ہیں۔ بانجھ رہتی ہیں۔''

''ہاں...... وہ شادی کے کچھ دنوں بعد ہی امید سے ہو جائے گی۔'' اس نے بڑے یقینی لہجے میں کہا۔

''لیکن تم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کیوں کہ دینا یا نہ دینا بھگوان کی مرضی ہے۔''

''ستارے یہی بتاتے ہیں کہ شادی کے کچھ دنوں بعد ہی وہ امید سے ہو جائے گی۔'' ہربنس لال بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔''وہ ہے کہاں...... مجھے اس سے شادی سے پہلے ملا دو۔''

''وہ کس لیے؟'' اس نے حیرت اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔''کیا تم نے اسے دیکھا ہوا نہیں ہے کیا؟''

''اس لیے کہ میں اس سے مل کر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کیلئے تیار ہے یا نہیں؟'' میں نے جواب دیا۔

''وہ تمہیں بہت پسند کرتی ہے بلکہ تم سے محبت کرنے لگی ہے۔'' ہربنس لال کہنے

لگا۔''میں نے پوچھا تو وہ شادی کیلئے رضامند ہے۔ وہ تمہارے سوا کسی اور سے شادی کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اگر وہ کسی اور سے شادی کرنے کیلئے تیار ہو جاتی تو پھر میں تمہیں اس سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔''

پھر اس نے توقف کر کے دروازے کی طرف دیکھا اور تحکمانہ لہجے میں قدرے بلند آواز میں کہا۔

''بملا کماری کو یہاں لے آؤ......''

دروازہ بند تھا۔ ایک لمحے کے بعد دروازہ کھلا۔ میں نے مڑ کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بملا ہی تھی جسے ہربنس لال نے سفر کے دوران ریل گاڑی سے بڑے پراسرار انداز سے اغوا کیا تھا لیکن اس کا بگڑا ہوا حلیہ دیکھ کر میرے دل پر چوٹ لگی۔ اس کا لباس میلا اور شکن آلود ہو رہا تھا اور اس کے خوبصورت لمبے لمبے سیاہ ریشمی بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ زرد سا ہو رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ خوبصورت آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جیسے گھنٹوں وہ روتی رہی ہو۔ میرے دل میں تو آیا کہ ہربنس لال پر جھپٹ پڑوں اور اسے گلا دبا کر مار دوں لیکن یہ اتنا آسان نہ تھا کیوں کہ وہ ایک جادوگر تھا۔ اپنے کسی بھی منتر سے مجھے بے بس کر سکتا تھا بلکہ میری جان بھی لے سکتا تھا۔ میری رگوں میں خون کھولنے لگا تھا۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف برقی سرعت سے لپکا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس کا پھول کی طرح مرجھایا ہوا چہرہ حیرت اور خوشی سے کھل اٹھا اور اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ بھی میری طرف دیوانہ وار بڑھی اور مجھ سے لپٹ گئی اور میں نے اسے اپنے بازو کی گرفت میں لے لیا۔

مجھے اس بات کی توقع نہ تھی کہ بملا اس طرح سے اپنائیت اور محبت کا اظہار کرے گی۔ مجھے بے پناہ خوشی ہوئی۔ سفر کے دوران چند گھنٹوں کی رفاقت میں وہ مجھ سے اس قدر متاثر اور بے تکلف نہیں ہوئی تھی۔ ماحول اور تنہائی نہیں تھی۔ اس نے ہربنس لال کی قید میں جو دکھ اور اذیت اٹھائی تھی اور ایسا کوئی نہیں تھا جو اس کا ہمدرد اور غمگسار بنتا۔ اس نے مجھے دیکھا تو اس نے شاید مجھے اپنا سمجھا اور خوشی سے بے قابو ہو کر لپٹ گئی۔ وہ میرے سینے پر سر رکھے ہی زار و قطار رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس کے

آنسو میرا گریبان بھگونے لگے۔

''بملا...... صبر کرو...... دھیرج رکھو بملا!'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے اس کے چہرے سے بالوں کو ہٹایا۔ ''اب تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں جو یہاں ہوں بھگوان کیلئے رونا بند کرو۔''

''مگر جی!'' ہربنس لال نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں آرام سے بیٹھو اور باتیں کرو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا تو دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی بند ہوگیا۔ کمرے میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ بملا نے جب اپنا چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔

''اس مردود اور کمینے نے تمہارے ساتھ کوئی جبر و زیادتی تو نہیں کی۔'' میں نے رومال سے اس کے چہرے سے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے پوچھا۔ تمہاری عزت پر کوئی آنچ تو نہیں آئی نا......؟ ڈرو نہیں...... مجھے صاف صاف بتا دو۔''

''نہیں...... اس نے میرے ساتھ کوئی جبر و زیادتی تو کیا من مانی تک نہیں کی۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''وہ اگر چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا کیوں کہ میں ایک پنچھی کی طرح بے بس اور اس کے رحم و کرم پر تھی لیکن کیا......''

''لیکن کیا......؟'' وہ سانس لینے رکی تو میں نے اس کی بات کاٹی۔

''اس نے مجھے خوفناک بلاؤں کے پہرے میں رکھا کہیں میں فرار نہ ہو جاؤں۔'' بملا بتانے لگی۔ ''ان بلاؤں کو دیکھ کر خوف و دہشت سے کیا حالت ہوتی رہی کیا بتاؤں؟ میرے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔ اب اس وقت اور تمہیں سامنے پا کر بھی میری ذہنی حالت پوری طرح قابو میں نہیں آئی۔'' وہ پھر سے مجھ سے لپٹ گئی۔

''تم اب کسی بات کی فکر نہ کرو۔'' میں نے اس کے بالوں کو سہلاتے اور اس کے سر کو چومتے ہوئے کہا۔ ''میرے ہوتے ہوئے وہ تمہیں ہراساں اور پریشان نہیں کر سکتا۔ اپنے دل سے ہر قسم کا ڈر اور خوف نکال دو۔''

''کیا اس نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور اس نے کس لیے اغوا کیا؟ تمہیں یہاں کس لیے لایا گیا ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے بتایا۔ بملا بولی۔ ''اس نے صرف یہ بتایا کہ وہ ہم دونوں کی شادی کروانا چاہتا ہے اور بس...... اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا۔'' وہ ایک دم سے سرخ ہوگئی اور اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔ وہ اس سے اتنی موہنی لگی کہ مجھے اپنے آپ پر اختیار نہیں رہا۔ میں نے بے اختیار جھک کر اس کے چہرے کی سرخی چرا لی۔

''پھر تم نے کیا جواب دیا؟ کیا کہا بملا!'' میں نے چند لمحوں کے بعد پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں دیوالی کے دیپ جل اٹھے تھے۔

''کیا تمہیں اب بھی اندازہ نہیں ہو رہا ہے کہ میں نے اسے کیا جواب دیا ہوگا؟'' اس نے اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی۔

''اچھا تو تم مجھ سے شادی کرنے کیلئے تیار ہو......؟'' میں نے کہا۔ ''لیکن بملا......؟'' میں نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''تم اپنی خوشی اور مرضی سے شادی کرنا چاہتی ہو تو میں بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں۔'' میں نے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔ پھر اس کے چہرے پر مہر محبت ثبت کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''جانتی ہو وہ ملیچھ کیا چاہتا ہے؟''

''نہیں تو......؟'' بملا نے سر ہلا دیا اور اس کے چہرے پر سرخی اور معصومیت بکھری ہوئی تھی۔ ''میں کیا جانوں؟''

''وہ یہ چاہتا ہے کہ میں تم سے شادی کر کے تمہارے ساتھ کچھ دن گزاروں اور یہاں سے چلا جاؤں۔ وہ تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔''

''اچھا......'' اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''ایسی شادی کا کیا فائدہ جس سے ہم اپنی زندگی گزار نہ سکیں۔ وہ ایسا کس لیے چاہتا ہے؟ کیا اس میں اس کی کوئی غرض پوشیدہ ہے؟''

''ہاں بملا!'' میں نے اس کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ''اصل بات یہ ہے کہ اسے ہماری شادی سے نہیں بلکہ ہمارے بچے سے دلچسپی ہے۔'' بچے کی پیدائش تک تم اس کے پاس رہو گی۔ اس کے بعد وہ تمہیں آزاد کر دے گا...... اور۔''

''اور کیا......؟'' بملا کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

''بچہ وہ اپنے پاس رکھ لے گا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

''کیا......؟'' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا ایک ماں بچے کے بغیر...... بچہ ماں کے بغیر رہ سکتا ہے؟ نہیں...... ہرگز نہیں...... میں کیا دنیا کی کوئی بھی عورت اپنا بچہ دے نہیں سکتی۔ یہ ظلم ہے۔'' وہ سسک پڑی۔

''آہستہ بولو...... آہستہ!'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ دروازے کے باہر کھڑا ہوا ہماری گفتگو سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ تم ایسی دل شکنی کی باتیں نہ کرو۔ کیا یہ ضروری ہے کہ بچہ پیدا ہو۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ چونک کر بولی۔ ''آج کل ادھر شادی ہوئی ادھر بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر آج کل لاوارث بچوں کی کیا کمی ہے کسی بھی یتیم خانے سے وہ بچوں کو لا سکتا ہے۔''

''معلوم نہیں کیوں...... وہ ہم دونوں کا مشترکہ بچہ چاہتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق ستاروں کی چال سے اسے پتا چل گیا ہے کہ ہم دونوں کی شادی سے بچہ پیدا ہوگا۔ اسے ایسے بچے کی ضرورت ہے جو میرا ہو۔ اس میں میرا خون دوڑ رہا ہو۔ ورنہ وہ اب تک میرا پیچھا کرنے کے بجائے تمہاری کسی اور سے شادی کرا سکتا تھا۔ بہرحال اس شیطان سے نجات حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس کی خواہش کے مطابق شادی کر لیں۔ پھر ہم کوشش کریں گے کہ بچہ نہ ہو سکے۔ بالفرض تمہارا پیر بھاری ہو گیا تو ہم کسی طرح اس مردود سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''یہ تو تم نے بہت اچھی تدبیر سوچی ہے۔'' ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا تاکہ اسے شبہ نہ ہو۔''

پھر میں نے اسے اپنی پوری رام کہانی سنائی جسے وہ بڑی حیرت، تجسس، خاموشی اور غور سے سنتی رہی۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ہربنس لال کمرے میں داخل ہوا تو میں اس کی طرف چونک کر دیکھنے لگا۔

''ہاں...... تم دونوں نے کیا فیصلہ کیا؟'' اس نے میرے پاس آ کر پوچھا۔ ''کیا تم دونوں شادی کیلئے تیار ہو؟''

''وہی فیصلہ کیا ہے جو تم چاہتے ہو؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''لیکن شادی سے پہلے رنگا سوامی سے مل کر کالی چرن داس کو بھینٹ دینا چاہتا ہوں تاکہ میرا بازو

مجھے واپس مل جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اس بھینٹ میں تم مدد کرو۔ مجھے رنگا سوامی کے پاس لے چلو۔ تمہاری بڑی کرپا ہوگی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن اس دوران بملا یہیں رہے گی۔'' وہ مسکرا دیا۔

''نہیں...... نہیں......'' ہربنس لال کی طرف دیکھتے ہوئے بملا نے کہا۔ ''میں مکر جی کے ساتھ جاؤں گی۔''

''میں نے کہا نا کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گی۔'' اس نے بگڑ کر کہا۔ ''مہادیو نگر ہت خطرناک جگہ ہے۔ وہاں پر قدم قدم پر بدروحیں، جنات اور بلائیں ہوتی ہیں۔ وہاں سین لڑکی چلی جائے تو پھر اس کی خیر نہیں ہوتی ہے۔ چڑیلیں خون پی لیتی ہیں حسین اور رجوان لڑکیوں کا...... مجھے تمہاری زندگی بہت عزیز ہے۔''

''یہاں جو تم نے مجھ پر بلاؤں کا پہرہ بٹھا رکھا ہے ان کے خوف سے میں یہاں لی مر جاؤں گی۔'' وہ سسک کر بولی۔

''نہیں...... اب تمہیں یہاں کوئی خوف محسوس نہیں ہوگا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ل اور وعدہ بھی کرتا ہوں۔'' ہربنس لال نے کہا۔ ''ہر آسائش اور سہولت میسر آئے گی۔ راج کماری کی طرح رہو گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھو کہ میری واپسی تک تم یہاں سے نے کی کوشش نہیں کرو گی۔ اگر تم نے کوئی فرار ہونے کا احمقانہ قدم اٹھایا تو میری غلام ہیں تمہارا خون پی جائیں گی۔''

''بملا!'' میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔ ''تم اس کی بات مان لو۔ میرا خیال کہ تم یہاں محفوظ اور آرام سے رہو گی۔ مہادیو نگر کے بارے میں میں نے بھی سنا ہے کہ ہت خطرناک جگہ ہے۔ جانے وہاں کیا حالات پیش آئیں۔''

''اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو تو میں مان لیتی ہوں لیکن جانے سے پہلے میری ایک سنتے جاؤ۔ اب مجھ میں اتنی تاب نہیں ہے کہ تمہاری جدائی زیادہ دنوں تک برداشت کر ا۔ اگر تم تین دن کے اندر نہیں لوٹے تو پھر میں ایک دن کیا ایک گھنٹہ بھی یہاں نہیں اگی۔ خودکشی کر لوں گی۔ میری اس بات کو مذاق مت سمجھنا۔'' وہ بے حد جذباتی ہو گئی

"تمہاری خودکشی کرنے اور جان دے دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔" ہربنس لال ہنسا۔ "کیوں کہ تمہاری روح میری قید میں رہے گی۔"

پھر اس نے اپنی بات ختم کر کے بڑے زور سے تالی بجائی۔ چند لمحوں کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا تو ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ ایسا لگا جیسے چودھویں کا چاند اتر آیا ہو۔ وہ بملا کی ہم عمر ہوگی لیکن اس کا حسن بملا سے کئی گنا بڑھ کر تھا۔ ایسی حسین لڑکیاں تو خواب میں بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ میں تو اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ اس نے ایسا نامناسب لباس پہن رکھا تھا جس میں اس کا بھڑکیلا بدن اور بھڑک اٹھا اور شوخ ہوگیا تھا اور میرے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا۔

"کیا حکم ہے مہاراج......؟" اس نے قدرے جھک کر مودبانہ لہجے میں ہربنس لال سے پوچھا۔

"آشا...... میں ایک بے حد ضروری کام سے سفر پر جا رہا ہوں۔" ہربنس لال نے جواب دیا۔ "تم میری غیر موجودگی میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھوں گی اور اسے کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دو گی۔ اس کی ہر فرمائش اور خواہش پوری کرنا۔ یہ سمجھو کہ یہ اس گھر کی مہارانی ہے اور تم اس کی باندی ہو۔ کسی وجہ سے ہمیں دیر ہو جائے تو یہ خودکشی کی کوشش کرے گی لیکن تم اسے اس حرکت سے باز رکھو گی۔ تم یہ سمجھنا کہ یہ میری بیٹی سے بھی بڑھ کر ہے۔"

"جو آگیا مہاراج۔" آشا نامی اس لڑکی نے سر ہلایا اور بملا کی طرف دیکھا "آپ بے فکر ہو کر جائیں میں اسے یہاں بیزار اور اکتانے نہیں دوں گی۔ اس کی ایسی [illegible] کروں گی کہ وہ ہر لمحہ خوش و خرم رہے گی۔"

"یہ لڑکی کون ہے......؟" میں نے بہ مشکل اس لڑکی پر سے نظریں ہٹا کر ہربنس لال کی طرف دیکھا۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کے چہرے، سراپا اور نشیب و فراز [illegible] نظریں ہٹالوں۔

"یہ نہ صرف میری باندی، داس بلکہ فرماں بردار ہے۔" ہربنس لال نے کہا۔ "میں نے تمہیں سفر کے دوران بتایا تھا کہ میں گاؤں کے ایک پنڈت کی لڑکی کو بھگا کر لے گیا تھا۔ یہ وہی لڑکی ہے۔ لیکن میں نے کچھ سوچ کر اس کا نام بدل کر آشا رکھ دیا۔ اس لیے کہ ایک طرح سے یہ میری آشا ہے۔"

"لیکن......؟" میں نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ "تم نے مجھے اپنی کہانی جو سنائی تھی اس میں شاید بتایا تھا کہ آشا کو بیس برس پہلے اغوا کیا تھا اور اس وقت یہ نوجوان تھی...... کیا ان بیس برسوں میں اس کی عمر میں اضافہ نہیں ہوا؟ تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" وہ کہنے لگا۔ "اس لحاظ اور وقت کے حساب سے اس کی عمر چالیس برس کی ہونی چاہیے بلکہ ہے بھی...... میں نے اس کے حسن و شباب، نازک جوانی اور اس کے بدن کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کیلئے اپنے منتر سے کام لیا ہے۔ جس کے سبب اس کی جسمانی حالت وصحت میں کوئی فرق نہیں آیا اور اسی سال کی عمر تک نہ آئے گا۔"

"کیا یہ تمہاری پتنی ہے؟" میں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"یہی سمجھ لو۔" وہ مسکرایا۔ "لیکن یہ خود کو میری پتنی نہیں بلکہ داسی سمجھتی ہے۔ وہ اس لیے بہت خوش اور میری احسان مند ہے کہ میں نے اسے بڑھاپے سے محفوظ رکھا ہے اور سایہ تک پڑنے نہیں دیا ہے۔ عورت کو سب سے زیادہ پیار اپنی جوانی اور خوبصورتی پر ہوتا ہے۔ وہ اس کیلئے بڑے سے بڑا دان دینے سے پیچھے نہیں ہٹتی ہے۔"

"کیا اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی......؟ تمہارے کتنے بچے ہیں؟" بملا نے سوال کیا۔

"نہیں......" ہربنس لال نے نفی میں سر ہلایا۔ "اسے بچے پسند نہیں ہیں۔ یہ چاہتی تو اب تک چار بچوں کی ماں ہوتی۔ چوں کہ اسے اپنے حسن اور جسم کی دلکشی اور رعنائیوں سے پیار ہے اس لیے بچے پیدا کر کے اس سے محروم ہونا نہیں چاہتی تھی۔ بچے پیدا ہونے سے جسم ڈھل جاتا ہے اور حسن و شباب بھی متاثر ہوتا ہے اس لیے یہ بات اسے پسند نہیں تھی کہ وہ ماں بن جائے۔ اس لیے اب وہ ایک بانجھ عورت ہے۔"

"بڑی عجیب اور حیرت کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ماں بن جائے۔ اس کے نزدیک ماں بننے کے مقابلے میں دنیا کی دولت بھی ہیچ ہے۔ عورت بچے کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ ماں بننے میں اس کی عزت اور اہمیت اور مقام ہے۔ اس میں وہ شانتی محسوس کرتی ہے۔"

"آؤ چلو...... اس موضوع پر بات کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اس کی جو خواہش

ہے وہ پوری ہو رہی ہے۔“

آشا آگے بڑھی اور بملا کے پاس جا بیٹھی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ میں ہربنس لال کے پیچھے چل پڑا۔

کمرے سے باہر آیا تو مجھے فضا میں سرگوشیوں کی گونج سنائی دی۔ لیکن یہاں کوئی موجود نہ تھا۔ صرف ہم دونوں ہی تھے۔ یہ سرگوشیاں شاید ان بدروحوں کی تھیں جو اس کی تابع تھیں اور ہر وقت پہرے پر موجود رہتی تھیں۔ ہم دونوں راہ داری کے آخری سرے کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کے اختتام پر ایک بند دروازہ تھا۔ ہربنس لال نے ایک انگلی سے اشارہ کیا تو وہ دروازہ کھل گیا۔ اس کا اشارہ بدروح جو وہاں تھی اس نے دیکھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ ہم جیسے باہر آئے دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ باہر اندھیرا اور سردی تھی۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں کھیت اور درخت صاف دکھائی دے رہے تھے جو دونوں جانب تھے۔ جب میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اس عمارت کے سوا کوئی اور عمارت دکھائی نہیں دی۔ اس ویرانے میں بس ایک عمارت کھڑی تھی۔ مخالف سمت شاید کوئی گاؤں تھا۔ آبادی تھی۔ اس لیے روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں لیکن وہ یہاں سے بہت دور تھیں۔ ہربنس لال نے مجھے ایک سمت بڑھنے کیلئے کہا تو میں چل پڑا۔

چند قدم چلنے کے بعد میں نے ہربنس لال سے دریافت کیا۔ ”یہ کون سی جگہ ہے؟“

”یہ بنگلور کا نواحی علاقہ رام نگر ہے...... بنگلور شہر یہاں سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔“ اس نے بتایا۔

”بنگلور جانے کیلئے ہمیں یہاں سے کون سی سواری ملے گی؟“ میں نے پوچھا۔ ”کیا ہم پیدل جائیں گے؟“

”یہاں سے کچھ فاصلے پر ندی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”ہم ندی کے اس پار جائیں گے۔ اس پار سے کچھ فاصلے پر مہادیونگر ہے اور اس کا جنگل جو ہے وہ بہت خطرناک ہے لیکن تمہیں اس جنگل میں تنہا جانا ہوگا۔“

”میں اکیلا کیوں جاؤں گا؟ تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلو گے؟“ میں نے اس کی طرف متوجہ نظروں سے دیکھا۔

”اس لیے کہ رنگا سوامی میرا دیرینہ اور بدترین دشمن ہے۔“ ہربنس لال کہنے لگا۔ ”اس دشمنی کی وجہ آشا ہے۔ جب میں نے آشا کو اغوا کیا تھا تو گاؤں کے پنڈت نے رنگا وامی سے میری شکایت کی اور میرے خلاف فریاد کی تھی کہ میں اس کی بیٹی کو بازیاب کر کے اں۔ رنگا سوامی نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کی بیٹی آشا کو واپس کر دوں۔ لیکن میں نے ں کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ کیوں کہ ایسی حسین لڑکی سے مجھے ہاتھ دھونا پسند ہں تھا۔ میں اس کا غلام بن چکا تھا۔ اس لیے اگر میں نے مہادیونگر کے جنگل میں قدم رکھا وہ مجھے بخشے گا نہیں۔“

”رنگا سوامی کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ کیا اس لے اپنے جادو کے زور سے تمہیں بے بس نہیں کیا؟“

”میری حدود میں اس کا جادو چل نہیں سکتا تھا۔“ ہربنس لال نے کہا۔ ”میرا جادو اں چل نہیں سکتا کیوں اور کس لیے تم ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا ں۔ میں بملا کے بچے کو جنم دینے تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“

”میں تو تم سے پوچھنا اور تم بتانا ہی بھول گیا۔ اب تو بتا دو کہ بچے کا کیا کرو گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس وقت بتانا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔ میں تمہیں واپسی میں بتاؤں تم بے فکر رہو۔“ اس نے کہا۔

پھر ہم ندی کی جانب روانہ ہو گئے۔ جو زیادہ دور نہیں تھی۔ پانچ سات منٹ میں گئے۔ ندی کا پاٹ کافی چوڑا تھا لیکن وہاں دور دور تک کسی کشتی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شدید سردی میں ندی میں تیر کے دوسرے کنارے جانا بہت ہی مشکل تھا۔ کچھ سمجھ میں ں آیا کہ ندی کس طرح عبور کریں گے۔ ہربنس لال نے جھک کر مٹھی میں مٹی اٹھائی۔ اس کی منتر پڑھ کر پھونکا۔ پھر وہ مٹی اس نے ندی میں پھینک دی۔ اس مٹی نے فوراً ہی اس ٹی سی کشتی کی شکل اختیار کر لی اور پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی کنارے پر آ کر رک گئی۔ اس اس جادو کے کمال نے مجھے ششدر کر دیا۔

”اب تم اس کشتی میں جا کر بیٹھ جاؤ۔“ ہربنس لال نے مجھے کشتی کی طرف اشارہ تے ہوئے کہا۔ ”یہ کشتی تمہیں مہادیونگر پہنچا دے گی۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر جنگل ہے جو

تمہیں کنارے سے ہی نظر آ جائے گا۔"

"اس کشتی میں تو صرف ایک ہی آدمی بیٹھ کر جا سکتا ہے۔ تم کیسے چلو گے؟" میں نے کہا۔ "کیا تم دوسری کشتی سے آؤ گے؟"

"میں نے تم سے کہا نا کہ میں مہادیونگر کی زمین اور جنگل پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ تم اکیلے ہی جاؤ گے۔" اس نے کہا۔

"مگر اس کا ملاح کہاں ہے اور چپو بھی نہیں ہے...... ؟ چپو ہو تو میں ایک ہاتھ سے چپو کیسے چلا سکتا ہوں۔"

"ملاح کی ضرورت ہے اور نہ ہی چپو کی۔" ہربنس لال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جیسے ہی اس میں سوار ہو گے ویسے ہی یہ چل پڑے گی۔ خود بخود چلتی ہوئی تمہیں کنارے تک پہنچا دے گی۔ میں اس سے زیادہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ندی کے اس پار تمہیں میرا ایک آدمی ملے گا۔ جب بھی تمہیں اس کی ضرورت محسوس ہو تو اس کا نام لے کر پکارنا وہ فوراً ہی حاضر ہو جائے گا۔ اس کا نام رامو ہے۔ وہ ایک بدروح ہے۔ میرا ماتحت ہے۔ تم اس پر بھروسا کر سکتے ہو۔"

ہربنس لال نے مجھے کچھ اہم باتیں اور ہدایات دیں۔ میں جیسے ہی کشتی میں سوار ہوا کشتی فوراً ہی چل پڑی تھی۔ میں اس کے خود بخود چلنے سے سمجھ گیا کہ اس کشتی کو کسی بدروح یا پھر کسی جادو کے زور پر چل رہی ہے۔ اس کشتی میں میں صرف اکیلا نہیں ہوں۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی میری حیرت اور خوف کی انتہا نہ رہی تھی۔ بہرحال میں ہمت کر کے خاموش بیٹھا رہا۔

کشتی پانی کی سطح کو چیرتی ہوئی ندی کے دوسرے کنارے کی طرف بڑی تیز رفتاری سے سفر طے کر رہی تھی۔ یہ ندی بہت بڑی تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر دریا کا دھوکا ہوتا تھا۔ اس کی تیز رفتاری سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں برقی انجن نصب ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں کشتی ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ جس کی مجھے امید نہیں تھی۔ کیوں کہ میرے دل میں ایک نامعلوم سا خوف پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ہربنس لال کی کوئی چال نہ ہو مجھے مارنے کی۔ وہ شاید بیچ ندی میں کشتی الٹ دے اور اس کی تابع بدروح میرا گلا گھونٹ کر مجھے موت کی نیند نہ سلا دے لیکن جب میں کنارے خیریت سے پہنچ گیا تو میرا شک اور خوف مٹ

گیا۔ جب میں نے کشتی سے اتر کے چند قدم چلنے کے بعد مڑ کے دیکھا تو وہاں کشتی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ غائب ہو چکی تھی۔ میں نے ندی کے کنارے کھڑے ہو کر مخالف سمت دیکھا۔ گھنے گھنے درختوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جنگل یہاں سے شروع ہو رہا ہے۔ میں دل میں بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوا جنگل کی طرف چل پڑا۔ پانچ سات فٹ کی مسافت کے بعد میں جنگل کے قریب جا پہنچا۔ جنگل بہت بڑا، گھنا اور دور دور تک پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور ایک خوف سا آ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں جنگل میں داخل ہونا مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ رات جنگل میں گزار کے موت کو دعوت دینے سے بہتر ہے کہ باہر ہی کیوں نہ رات کاٹ لوں اور صبح ہونے کا انتظار کروں۔ دن کی روشنی میں جانا جنگل میں زیادہ مناسب ہے۔ یہ سوچ کر قریب ہی ایک چٹان پر اونی شال جسم کے گرد اچھی طرح سے لپیٹ کے لیٹ گیا۔ یہ شال ہربنس لال کی تھی جو اس نے کشتی میں سوار ہونے سے پہلے دی تھی۔ جنگل میں بہت دور سے درندوں کی آوازیں سنائی دیں تو ڈر اور خوف سے میری حالت بری ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ ندی کے کنارے جا کر کیوں نہ رات گزار لوں۔ میں چند قدم چلا تھا کہ چاند کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ چودھویں کا چاند تھا۔ تھوڑی دیر میں چودھویں رات کے چاند کی دودھیا کرنیں چاروں طرف پھیلنے لگیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا رہا تھا چاندنی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد چاندنی کے منجمد دریا میں ہر چیز نہائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ درندوں کی آوازیں بہت دور سے آ رہی ہیں لہٰذا مجھے ڈر اور خوف کی ضرورت نہیں تھی اور پھر ہربنس لال نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کا ایک آدمی کسی وقت اس کا نام لینے سے حاضر ہو جائے گا۔ میں وقت ضائع کیوں کروں۔ دن کے اجالے کی کیا ضرورت ہے۔ چاند کی یہ روشنی دن کے اجالے سے کم نہیں ہے۔ میں یہ سب سوچتا ہوا جنگل میں داخل ہونے کے لیے بڑھا۔

بائیں جانب مہادیونگر تھا جس کی آبادی دودھیا چاندنی میں نظر آ رہی تھی۔ یہ آبادی زیادہ دور بھی نہیں تھی۔ باہر سے جنگل بہت گھنا معلوم ہوتا تھا لیکن دودھیا چاندنی درختوں کی شاخوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی جس سے راستہ صاف نظر آ رہا تھا لیکن پھر بھی میں احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔

میں نے نصف فرلانگ کا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک درخت سے کوئی چیز دھپ

سے زمین پر اور مجھ سے دو تین قدم پر آ گری۔ میں اس طرح سے اچھلا جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ وہ ایک بہت ہی خوبصورت مگر زہریلی ناگن تھی۔ وہ کوئی بیس فٹ لمبی ہوگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بہت ہی حسین اور قیامت اور خطرناک سی دکھائی دینے لگی۔ اس کی سرخ رنگت میں بھی بڑی جاذبیت تھی۔ وہ ایک دم سے پھن اٹھائے کھڑی اس طرح سے جھومنے لگی جیسے کوئی سپیرا بین بجا رہا ہو۔ میں نے کبھی ایسی خوبصورت ناگن نہیں دیکھی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اصل ناگن نہیں ہے بلکہ کسی بدروح یا پھر چڑیل نے یہ روپ دھارا ہوا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میرے جسم پر سنسنی دوڑ گئی۔

ناگن کی سرخ سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ میری راہ میں کھڑی مجھے ایسی تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے مجھے ڈس لینا چاہتی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں۔ اس سے کیسے بچوں اور بھاگوں۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ دائیں جانب کی جھاڑیوں سے ایک سانپ جس کی لمبائی تیس فٹ سے کم نہیں ہوگی رینگتا ہوا آیا۔ اس ناگن کے مقابل پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی رنگت کالی تھی مگر یہ بھی بہت خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو چپکارنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا کسی بھی لمحے وہ دونوں آپس میں لڑیں گے۔

''او کالی ناگن۔'' سرخ رنگ کی ناگن نے اسے انسانی آواز اور استہزائی لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم یہاں کیوں اور کس لیے آئی ہے؟ یہ میرا شکار ہے اور اسے میں نے تلاش کیا ہے تو یہاں سے چلی جا۔''

''سن شکنتلا کی بچی۔'' وہ کالا سانپ بھی ناگن تھی۔ اس نے تڑ سے کہا۔ ''جنگل میں جو بھی شکار ہوتا ہے اس پر میرا بھی حق ہوتا ہے۔ یہ تیری اکیلی کی ملکیت نہیں ہے۔ میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔''

''سن...... میں اس کا سارا خون پی جاؤں گی تو کیا کرے گی؟'' سرخ ناگن بولی۔ ''میں تو تجھے اس کے لہو کی ایک بوند بھی پینے نہیں دوں گی۔ تو جا اپنا راستہ لے...... ادھر کا بھول کر بھی رخ نہ کرنا۔''

''تو کون ہوتی ہے مجھے حکم دینے والی۔ میں کالی ناگن ہوں۔ کیا تو نہیں جانتی ہے کہ مجھ سے کوئی جیت نہ سکا۔'' کالی ناگن غرائی۔

''ہاں...... ہاں...... میں جانتی ہوں۔'' سرخ ناگن بولی۔ ''تو اس لیے اکڑ رہی ہے کہ تو اب تک بیس بندروں کا خون پی چکی ہے۔ جب کہ میں دس بندروں اور بیس نسانوں کا خون پی چکی ہوں۔ مجھ میں تجھ سے زیادہ شکتی ہے۔''

''سن...... ایسا کر......'' کالی ناگن نرم پڑ کے بولی۔ ''اس لڑائی جھگڑے سے کچھ اصل نہیں کیوں کہ ہم دونوں کے جھگڑے سے یہ فائدہ اٹھا کر بھاگ نہ جائے۔ ہم دونوں کو ب یہیں رہنا ہے۔ مل جل کر رہنا ہوگا۔ اس لیے ہم دونوں اسے آپس میں بانٹ لیتے ں۔ تم اس کا آدھا خون، میں آدھا خون...... تم اس کا دل اور میں اس کا کلیجہ...... اس طرح ے اس کا حصہ بانٹ لیتے ہیں...... کتنے دن ہو گئے انسان کا خون پینے کو اور کلیجہ دل کھانے و نہیں ملا۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' سرخ ناگن بولی۔ ''اس میں ہم دونوں کا ہی فائدہ ہے لیکن ب کبھی کوئی انسان تیرے ہاتھ لگے تو تو مجھے نہیں بھولے گی۔ میرا خیال اور میرا حصہ رکھے ا اور مجھے بتا دے گی۔ میں بھی تیرے ساتھ ایسا ہی کروں گی۔ جب ہمیں یہاں رہنا ہی ے تو پھر محبت اور پیار سے مل جل کر رہنا ہوگا......''

ان دونوں کی گفتگو سن کر مجھے ہشام پور کی جادوگرنیوں کا خیال آیا۔ ماروتی اور پا...... یہ دونوں بھی چڑیلیں تھیں جو حسین عورتوں کے بہروپ میں تھیں اور میں ان سے ا جان بمشکل بچا کے اور فرار ہو کر وہاں سے جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اب یہ دونوں ر آ گئی تھیں۔ وہ تھیں یا کوئی اور تھیں۔ جو بھی تھیں میرے لیے موت تھیں۔ اب میں ان ہ کسی قیمت پر بچ نہیں سکتا تھا۔ میرے لیے واپسی بھاگنا بھی مشکل تھا۔ وہ دونوں مجھے آ ں اور پھر ان کی باتیں سن کر مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ اپنی جگہ سے حرکت کر ں۔ ساری طاقت جیسے سلب ہو گئی تھی اور میں بے جان سا تھا۔ جنگل میں شدید سردی ا۔ اس کے باوجود میرے جسم پر پسینہ پھوٹ رہا تھا۔

دفعتاً مجھے رامو کا خیال آیا۔ ہربنس لال نے کہا تھا کہ میں جب بھی اسے آواز ا گا۔ اس کا نام لے کر پکاروں گا وہ حاضر ہو جائے گا۔ اس مصیبت میں مجھے وہ بچا سکتا میں ہذیانی لہجے میں پوری قوت سے چلایا۔ ''رامو بچاؤ...... بچاؤ......''

ایک پل بھی نہیں لگا۔ ایک دم سے روشنی ایک ہیولے کی شکل میں نمودار ہوئی۔

پھر اس نے ایک انسانی شکل اختیار کر لی۔ لیکن اسے انسانوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ا کسی اور ہی دنیا کی مخلوق معلوم ہوتی تھی۔ اس کا چہرہ چار آدمیوں جتنا بڑا تھا۔ اس کی آنکھیں مرغی اور بطخ کے انڈوں سے بھی بڑی تھیں۔ ناک اتنی موٹی اور اتنی بڑی تھی کہ اس کے نتھنوں میں ایک چڑیا گھس کر بیٹھ سکتی تھی۔ منہ اتنا بڑا تھا کہ وہ ایک سالم مرغی نگل سکتا تھا۔ جس کا قد بارہ فٹ سے کچھ زیادہ ہی ہو گا۔ کان بھی بہت بڑے بڑے تھے۔ وہ صرف لنگوٹ کسا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر لمبے لمبے بال گھاس کی طرح اگے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ ا خوفناک اور سیاہ تھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ دیو یا کوئی جن تھا۔ جو کوئی بھی تھ جیسا بھی تھا اسے دیکھ کر میری ڈھارس بندھی اور جان میں جان آئی۔ کیوں کہ یہ میری جا بچانے آیا تھا۔ اس نے اپنی بڑی بڑی لال لال خوں خوار آنکھوں سے ان دونوں ناگنوں دیکھا تو وہ ناگنیں رک گئیں۔ رامو ایک دم سے زمین پر لیٹ گیا اور لوٹنے لگا۔ دوسرے لمحے وہ ایک اژدھا بن گیا۔ اسے اژدھے کے روپ میں دیکھتے ہی وہ دونوں چیخنے اور چلا لگیں۔ ''کالا دیو...... کالا دیو......'' پھر وہ نظروں سے غائب ہو گئیں۔

میں نے اپنی زندگی میں دو ایک اژدھے دیکھے تھے لیکن ایسا خوفناک اور اتنا اژدھا نہیں دیکھا تھا۔ وہ چالیس فٹ لمبا ہو گا۔ ایک دم سیاہ تھا۔ اس کے جسامت ایک شی کی جتنی تھی۔ اس کے منہ سے آگ نکل رہی تھی۔ اس آگ سے وہ ناگنیں بھی خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ اس لیے وہ فرار ہو گئی تھیں۔ پھر وہ اژدھا زمین پر لوٹنے لگا اور ایسا غائب ہو جیسے وہ زمین میں چلا گیا ہو۔ وہاں اس کا نام ونشان تک نہ تھا البتہ اس کا نشان پڑا ہوا تھا۔

میں چند لمحوں تک کھڑا خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب میرے اعصاب بحال ہو گئے تو میں مخالف سمت چل پڑا۔ کوئی دس فٹ کے بعد زمین اس طرح سے ہلنے لگ جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ یہ بھونچال نہیں تھا بلکہ کوئی جانور چلا آ رہا تھا۔ اس دھمک سے ا لگ رہا تھا جیسے کئی ہاتھی چلے آ رہے ہوں۔ چند لمحوں کے بعد ایک ہاتھی نما گھوڑا نمودار ہوا اس کا قد وقامت اور جسامت ہاتھی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ایسا گھوڑا میں نے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی پیٹھ پر وہ دونوں ناگنیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ گھوڑا بھی شاید رامو کی طرح کوئی بدروح ہی تھا۔ یہ ناگنیں نجانے کس لیے اس ہاتھی نما گھوڑے کو لے کر آئی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میں رامو کو دوبارہ بلانے سے پہلے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ا

میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہیں۔ وہ پھن اٹھائے اور لہراتی ہوئی مجھے دیکھے جا رہی تھیں۔

وہ گھوڑا مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ دونوں ناگنیں اس کی پیٹھ سے اتر کے زمین پر اتر آئیں۔ کالی ناگن نے کہا۔

''ستیش بابو آپ کالے دیو کو نہ بلائیں۔ ہم وچن دیتی ہیں کہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔''

''تم دونوں کون ہو اور مجھے اور میرا نام کیسے جانتی ہو؟'' میں نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ہم تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''تم شاید ہمیں بھول گئے لیکن ہم تمہیں نہیں بھولے۔''

''تم دونوں شاید باروتی اور پارو ہو......'' میں نے کہا۔ ''میں تم دونوں کو نہیں بھولا اور نہ بھول سکتا ہوں۔''

''تم نے ہمیں پہچان لیا......؟'' سرخ ناگن بولی۔ ''تم اس لیے بہت یاد آتے ہو کہ تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔''

''لیکن اس کے باوجود تم دونوں نے میرا خون پینے اور دل اور کلیجہ کھانے کا ارادہ کر لیا تھا؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا کریں...... ہم سانپ کی نسل ہیں۔ انسانی خون سے ہمیں من شکتی اور روپ دلنے کا اختیار ملتا ہے۔''

''کیا اب تم دونوں اس لیے اس گھوڑے کے ساتھ آئی ہو کہ میرا خون پی جاؤ۔'' ل نے کہا۔ ''میں جو وہاں سے تمہاری قید سے فرار ہو کر چلا گیا اس کا غم تم دونوں کو بہت ہوا گا۔ اب تم دونوں شاید اس کا بدلہ لینا چاہتی ہو۔''

''مہاراج نے ہمیں ابھی ابھی تمہارے بارے میں بتایا کہ تم کالی چرن داس کے اب کا شکار ہو۔'' کالی ناگن نے کہا۔

''کون مہاراج......؟'' میں نے پوچھا۔ ''ناگ دیوتا مہاراج......؟ انہوں نے ے بارے میں یہ سب کچھ کیسے بتا دیا؟''

''نہیں وہ مہاراج نہیں......'' کالی ناگن بولی۔ ''یہ وہ مہاراج ہیں جن سے تم ملنا

چاہتے ہو۔'' اب ہم ان کے راج میں ان کی آشیرباد اور اجازت سے رہ رہی ہیں۔ وہ بہت بڑی شکتی کے مالک ہیں۔''

''ان مہاراج کا کیا نام ہے؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''ان کا نام رنگا سوامی ہے۔ وہ آج کل سخت بیمار ہیں۔'' سرخ ناگن نے جواب دیا۔ ''لیکن آج طبیعت کچھ بہتر ہے۔''

''رنگا سوامی......'' میں دل میں خوش ہو گیا۔'' انہیں پتا چل گیا کہ میں ان سے ملنے کے لیے آ رہا ہوں۔''

''ہاں......'' سرخ ناگن بولی۔ ''وہ تو تم سے ملنے کے لیے بے چین اور بہت بے تاب ہیں۔ بیمار نہ ہوتے تو وہ تمہارے سواگت کے لیے آنے والے تھے۔ اچھا ہوا انہوں نے ہمیں تمہارے بارے میں بتا دیا۔ ورنہ ہم تمہیں ڈس لیتیں۔''

''سانپ کا کیا بھروسا...... وہ کسی بھی وقت موقع پا کر ڈس لیتا ہے۔ میں جانتا ہوں تم دونوں ایسا ہی کرو گی۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو...... اگر مہاراج نے تمہارا خون ہم پر حرام نہ کر دیا ہوتا تو ہم تمہیں موقع پا کر ڈس لیتیں۔'' کالی ناگن بولی۔

''یہ گھوڑا کس لیے لائی ہو......؟'' میں نے کہا۔ ''میں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسا گھوڑا نہیں دیکھا۔ یہ گھوڑا نہیں ہاتھی ہے۔''

''اس لیے کہ مہاراج نے کہا ہے کہ ہم تمہیں اس میں بٹھا کر لے آئیں۔'' سرخ ناگن بولی۔ ''یہ مہا دیونگر کا جنگل دوسرے جنگلوں کی طرح نہیں ہے۔ یہ جادو سے بھرا جنگل ہے۔ تم اس جنگل میں ایسی ایسی عجیب و غریب' حیرت انگیز چیزیں دیکھو گے کہ عقل کام نہیں کرے گی۔ دراصل جادو کی وجہ سے بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو ناقابل یقین لگتی ہیں۔''

کالی ناگن نے گھوڑے سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''بیٹھ جاؤ......'' اس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ بیٹھ گیا۔

''اب تم اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔'' سرخ ناگن نے کہا۔

میں جیسے ہی اس گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا دونوں ناگنیں انسان کے روپ میں آ گئیں۔ ان میں ایک ماروتی اور دوسری پارو تھی۔ ماروتی میرے پیچھے اور پارو مجھ سے آگے

بیٹھ گئی۔ ان کے سوار ہوتے ہی دیوہیکل گھوڑا کھڑا ہو گیا اور چل پڑا۔

وہ دونوں سابقہ حالت میں آ گئی تھیں۔ میں انہیں شیام پور میں دیکھ چکا تھا۔ ان کی نازک جوانی' حسن و شباب اور گداز بدن کی خوشبو جو سوندھی سوندھی سی تھی جسموں کے لمس اور حرارت سے میرے جذبات میں ہل چل سی مچ گئی تھی لیکن میں ان کے بارے میں نہیں بلکہ اپنے بازو کے بارے میں سوچ رہا تھا گو کہ وہ اتنی حسین تھیں کہ جذبات کی رو میں بہے بغیر رہا نہیں جا سکتا تھا۔ چوں کہ میں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور میں ان دونوں میں سے کسی کو دیکھ نہیں رہا تھا اس لیے ان کے بدن کے جادو سے بچا ہوا تھا۔ گھوڑا چوں کہ ناہموار راستوں سے گزر رہا تھا اس لیے ان کے جسموں سے میرا جسم ٹکرا جاتا اور میری نس نس میں خون کی گردش تیز ہو جاتی۔ جذبات تند ہو جاتے۔ میں چاہ رہا تھا کہ یہ سفر جلد سے جلد ختم ہو جائے۔

''ستیش جی۔'' ماروتی کی رسیلی آواز میرے کانوں میں امرت بن کر ٹپکی۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم کچھ دیر کے لیے ہماری کٹیا میں چل کر ٹھہرو تا کہ ہم دونوں تمہاری سیوا کریں۔ یہ لمحات امر بن جائیں۔ کیا خیال ہے؟''

''نہیں......'' میں نے کہا۔ ''میں یہاں رنگا سوامی مہاراج سے ملنے آیا ہوں۔ دل بہلانے نہیں۔ میں اپنے بازو کے حصول کے لیے آیا ہوں۔ لہٰذا مجھے معاف ہی رکھو۔ اور کیا تم دونوں کے ساتھ جو وقت گزار چکا ہوں وہ کیا کم نہیں تھا؟''

''آج تمہیں پا کر وہ دن بہت یاد آ رہے ہیں۔ تم نے ہمارے زخموں کو پھر سے تازہ کر دیا ہے۔'' پارو جذباتی لہجے میں بولی۔

''اب ان باتوں سے کوئی فائدہ اور کچھ حاصل نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایسا آدمی نہیں ہوں جس کی کمزوری عورت ہوتی ہے پہلے مجھے اپنی پتنی کے قاتل کی تلاش تھی اور اب بھی ہے۔ میرا بازو غائب ہو گیا تو اتفاقات مجھے یہاں لے آئے۔''

وہ میرا جواب سن کر خاموش ہو گئیں لیکن میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں ان کا مہمان بن جاؤں کیوں کہ ان کے جسم مجھے بہکا اور ورغلا رہے تھے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ پہل کرنے والی بات ہے۔ یہ ایسی دلدل ہے جس میں ایک بار گرنے کے بعد اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ جو جتنا نکلنے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی اندر دھنستا چلا جاتا ہے۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یہ دیوزاد گھوڑا ایک بلند اور بہت بڑے ٹیلے کے پاس جا کر رکا۔ ٹیلے پر ایک بہت بڑا مٹی کا دیا جل رہا تھا جب کہ اس کی ڈھلان سطح پر کرشنا پورا کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ جن درختوں سے یہ ٹیلہ گھرا ہوا تھا وہ دس بارہ فٹ دور تھے گھوڑا فوراً ہی بیٹھ گیا۔ میں، ماروتی اور روپا کے اترنے کے بعد گھوڑا گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔ وہ دونوں پھر سے ناگنیں بن گئیں اور تیزی سے رینگتی ہوئیں جھاڑیوں میں جا کر غائب ہو گئیں۔

اب میں یہاں اکیلا اور حیران پریشان کھڑا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں اور رنگا سوامی کو کہاں تلاش کروں۔ ان ناگنوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہوں گے۔ وہ ایک دم سے غائب ہو گئی تھیں۔ انہیں بتانا چاہیے تھا کیوں کہ رنگا سوامی نے مجھے لینے کیلئے انہیں بھیجا تھا۔ میں نے ذہن دوڑایا تو مجھے یہ خیال آیا کہ شاید اس ٹیلے میں کوئی غار ہو گا اور اس میں رنگا سوامی موجود ہوں۔ یہ سوچ کر میں اس کے عقبی حصے میں کیا تو میرا خیال درست نکلا۔ مجھے غار کا دہانہ دکھائی دیا جس میں سے روشنی جھانک رہی تھی۔ اس کے اندر تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ معاً میری نظر غار کے دہانے پر کھڑے انسانی ڈھانچے پر پڑی جو ہاتھ میں تلوار لیے کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ اس ڈھانچے کی آنکھیں نہیں تھیں لیکن آنکھوں کے گڑھوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ جیسے اس میں چراغ جل رہے ہوں۔ اس ڈھانچے کے قریب میں نے شیر ببر کو دیکھا جو دیوہیکر جسامت کا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی دہاڑا تو اس کی دہاڑ سے ساری فضا گونج اٹھی اور میں لرز کر رہ گیا اور اس کی خوں خوار آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ جب وہ اٹھ کھڑا ہوا میں تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔ خوف سے میری حالت بگڑنے لگی۔ کسی بھی لمحے میں اس کا نوالہ بن سکتا تھا۔

"تم بچ کر نہیں جا سکتے۔" شیر دفعتاً انسانی آواز میں بولا۔ "میں بہت دنوں سے انسان کے گوشت کے لیے تڑپ رہا تھا۔ آج میرے نصیب جاگ اٹھے ہیں..... تمہارا گوشت بڑا لذیذ ہو گا۔ تم جوان جو ہو۔"

یہ شیر بھی بدروح ہی تھا جبھی وہ انسانی آواز میں بات کر رہا تھا۔ مجھے اس لمحے ماروتی کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ یہ مہادیونگر کا جنگل جادو کا جنگل ہے۔ مجھے اپنی نظروں کے سامنے موت ناچتی دکھائی دینے لگی۔ مشکل یہ تھی کہ میں بھاگ کر اپنی جان بچا

سکتا تھا۔ شیر مجھے برق سرعت سے لپک کر دبوچ لیتا۔

"مکرجی..... تم ابھی تک باہر گھوم رہے ہو۔" دفعتاً ماروتی کی آواز سنائی دی۔ میں نے فوراً ہی مڑ کے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ عورت کی شکل میں چلی آ رہی تھی۔

وہ میرے قریب آ کر شیر ببر سے مخاطب ہوئی۔ "رام دیال یہ تم کیا کر رہے ہو؟ تمہاری مت ماری گئی ہے؟"

"میں اس انسان کو کھانے والا ہوں۔" وہ اپنے منہ پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "برسوں کے بعد مجھے مرغوب گوشت مل رہا ہے۔"

"تم مرنے کے بعد شیر کے روپ میں آ کر جانور کے جانور ہی رہے۔" ماروتی بولی۔ "تم اسے کھا نہیں سکتے۔ یہ تم پر حرام ہے۔"

"میں اسے کیوں نہیں کھا سکتا..... مجھے کون روک سکتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ غرایا۔ "میں جنگل کا بادشاہ ہوں۔ یہاں پر میری مرضی اور میرا حکم چلے گا۔ سنا تم نے..... ماروتی تو چلی جا یہاں سے اپنا حکم نہ چلا مجھ پر....."

"تو تو کیا تیرا باپ بھی اسے کھا نہیں سکتا۔ کیوں کہ یہ رنگا سوامی کا مہمان ہے۔ سمجھا کر تو بتا؟" ماروتی ہنسی تو اس کی ہنسی زہریلی تھی۔ "کھا لے نا..... تو میری اور اس کی طرف کیا دیکھ رہا ہے۔ آگے بڑھ..... بڑھتا کیوں نہیں۔" وہ اسے چیلنج کرنے لگی۔

"یہ مہاراج کا مہمان ہے..... مجھے بتایا کیوں نہیں گیا۔ شاید اس لیے کہ میں یہاں تھا نہیں۔ ابھی ابھی آیا تھا۔" شیر ببر بولا۔

"یہ مہاراج کا مہمان ہے۔" ماروتی مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ شیر ببر کی طرف منہ کر کے بولی۔ "اسے اندر جانے دو..... اور ایک طرف ہو جاؤ گستاخ....."

ماروتی کی بات سن کر شیر ببر جیسے بھیگی بلی بن گیا۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ماروتی مجھ سے بولی۔

"ستیش اب تم اندر جاؤ..... اس غار کے اندر مہاراج تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ جلدی سے جاؤ۔"

میں غار کے دہانے کی طرف تیزی سے بڑھا۔ دو قدم بڑھ کر ٹھٹک کے رک گیا کیوں کہ انسانی ڈھانچہ دہانے کے پاس کھڑا تھا۔ ڈھانچے کی آنکھوں کے گڑھوں

سے جو روشنی خارج ہو رہی تھی وہ میرے چہرے پر پڑی۔ مجھے ساکت و جامد کھڑے دیکھ کر وہ چند قدم ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''تم اندر جا سکتے ہو۔''

پھر میں دہانے کی طرف بڑھا اور بڑی بے خوفی سے غار میں گھس گیا۔ غار بہت زیادہ کشادہ تھا اور اس میں کئی چراغ جل رہے تھے۔ جن کی روشنی سے غار میں بڑا اجالا ہو گیا تھا۔ میں چند قدم چلا تھا کہ دہشت سے میرا بدن لرزنے لگا۔ یہ ایک ایسا دلخراش منظر تھا کہ میں کیا سنگ دل سے سنگ دل شخص بھی تاب نہیں لا سکتا تھا۔

غار کے فرش پر ایک برہنہ تن سر کے بل کھڑا تھا۔ اس کے دونوں پیر چھت سے ٹک سے رسی سے باندھے ہوئے تھے۔ دو سیاہ رنگت کے بڑے بڑے کتے جو وحشی درندوں سے مشابہ تھے اس شخص کا گوشت مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔ وہ زندہ تھا۔ کرب ناک اذیت اور درد کی شدت سے اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے منہ سے چیخ یا آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک انتہائی دبلا پتلا کمزور اور لاغر سا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت پر ایک بڑا سا گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا جس پر وہ ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ ایک آسامی بلی اس کے قدموں کے پاس ایک طرف بیٹھی انسانوں کی طرح اس کے پیر اپنے پنجوں سے دبا رہی تھی۔

جب کہ دوسری طرف قریب ہی ایک انسانی کھوپڑی پڑی ہوئی تھی جس کی آنکھیں متحرک تھیں۔

اس روح فرسا منظر نے میری روح فنا کر دی تھی۔ میرے جسم پر پسینہ بہنے لگا۔ یہ کتے یقیناً آدم خور تھے جو اس لٹکے ہوئے آدمی کا گوشت اس طرح سے کھا رہے تھے جیسے کوئی ڈش کھا رہے ہوں۔ اس کے علاوہ دو کتے اور بھی تھے۔ میں نے خوف و دہشت سے اس بوڑھے کی طرف دیکھا جو ہڈیوں کا پنجر تھا۔ اس کی پسلیاں تک آسانی سے گنی جا سکتی تھیں۔ اس کے عقب میں سیاہ رنگ کا ایک شیش ناگ جو سو رہا تھا میری بو اور آہٹ پا کر اپنا پھن اٹھائے کھڑا ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی رنگا سوامی ہے۔ میں نے بڑے مودبانہ انداز سے نمسکار کیا۔

''آؤ ستیش مکرجی......'' اس نے بڑی ملائمت سے کہا۔ ''میں دو دن سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' اس کی آنکھیں گول' ویران سی تھیں لیکن ان میں ایک وحشیانہ چمک بھی

تھی۔

''مہاراج آپ کو اس بات کا کیوں کر پتا چلا کہ میں آپ کی تلاش میں آ رہا وں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو پل پل کی اور ہر بات کی خبر رہتی ہے۔'' رنگا سوامی کہنے لگے۔ ''میں نے ں جنگل میں چالیس برس تک کالی ماتا کی پوجا کی ہے تاکہ شکتی' کالا جادو اور ہر قسم کے منتر اصل کروں۔ میں جتنا جانتا ہوں اتنا شاید دو ایک لوگ ہی جانتے ہوں گے۔ کالی چرن اس کا مجھے آشیرباد حاصل ہے۔ یہ میری خوش قسمتی اور میرے لیے عزت کی بات ہے کہ وہ ری ہر بات مانتے ہیں۔ جبکہ وہ کسی اور کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں۔''

میں ان کے قریب گیا تو انہوں نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے سامنے ش پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور کہا۔

''سفر کے دوران میری ملاقات ایک خبیث شخص سے ہو گئی۔ اس نے مجھے اپنے دو میں جکڑ رکھا ہے۔''

''اس کا مجھے بھی علم ہے۔'' رنگا سوامی مسکرائے۔ ''کالی چرن داس کو چوں کہ تم پر آیا تھا اس لیے وہ تمہیں بچاتے رہے۔ ایک مسلمان بزرگ نے بھی تمہاری مدد کی تھی۔''

''کالی چرن داس اس نے مجھے کس لیے بچایا۔ جبکہ وہ مجھے معاف کرنے کے ہ بالکل ہی تیار نہیں ہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''اس لیے کہ وہ اپنے مجرم کو کسی دوسرے کی گرفت میں پسند نہیں کرتے ہیں۔'' اسوامی نے کہا۔ ''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کمینہ خصلت اس وقت ندی کے اس پار موجود ہ۔ اس میں اتنی جرات نہیں ہے کہ وہ مہادیو نگر کی زمین پر قدم رکھے۔ وہ قدم رکھنے کی ہت میں بھرشٹ ہو جائے گا۔ وہ مجھ سے بہت ڈرتا ہے۔ کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو جس وشت کتے کھا رہے ہیں؟'' انہوں نے لٹکے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

''جی نہیں مہاراج۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اس شخص کو پہلی بار دیکھ رہا ہا۔''

''یہ ہربنس لال کا بہت ہی خاص' خطرناک اور انتہائی ذلیل قسم کا شخص ہے۔'' سوامی نے حقارت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے بھید لینے

آیا تھا۔ لیکن اسے کالی ناگن نے دیکھ لیا اور اسے بھگا کر یہاں لے آئی۔''

''یہ بات ہے۔'' مجھے اس بات پر سخت حیرت ہوئی کہ رنگا سوامی نے اس بھیدی کو اتنی لرزہ خیز اور بربریت ناک سزا دی۔ مجھے اپنے جسم پر سنسنی سی محسوس ہوئی۔ ''میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ میں جو ایک ہاتھ سے محروم......''

''سنو لڑکے......'' رنگا سوامی میری بات کاٹتے ہوئے بولے۔ ''میں جان چکا ہوں کہ تم میرے پاس اتنی مصیبتیں اٹھا کے کیوں اور کس لیے آئے؟ کالی چرن داس بھینٹ چاہتے ہیں۔ بھینٹ یہ ہے کہ تم اس کے منکر دشمن ہربنس لال کو قتل کر ڈالو۔ اس کے مرتے ہی تمہارا بازو آپ ہی آپ تمہیں مل جائے گا۔ بالکل اس طرح جس طرح کبھی الگ نہیں ہوا تھا۔''

''کیا......؟'' میں بھونچکا ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگا۔

''سمجھ گیا کہ تمہیں اسے قتل کرنے میں اس لیے تذبذب ہے کہ کہیں تم بملا سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو۔'' رنگا سوامی بولے۔ ''وہ حسین اور معصوم لڑکی اس کی قید میں ہے۔''

''وہ اس کی شادی مجھ سے کرنا چاہتا ہے جبکہ میں ابھی شادی کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا۔ چوں کہ اس کی رہائی عزیز ہے اس لیے میں اس سے شادی کرنے پر تیار ہو گیا ہوں۔ وہ نابکار میری شادی اس سے کرنا چاہتا ہے۔''

''دراصل تم دونوں کی شادی کرانے میں اس کی ایک غرض اور مفاد شامل ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے جو اولاد ہوگی فائدہ اٹھائے...... جانتے ہو اس کو کیا فائدہ ہوگا؟''

''اس نے یہ تو نہیں بتایا...... میں نے پوچھا تھا۔ وہ یہ کہہ کر ٹال گیا کہ واپسی کے بعد بتائے گا۔''

''وہ تمہارے بچے کو چھ ماہ تک رکھے گا۔ اس کی پرورش کرے گا۔ اسے شکتی اور امر کر دینے والی ادویات پلائے گا۔ جب وہ سات ماہ میں قدم رکھے گا تب وہ اسے بنارس لے جائے گا۔ وہاں لال دیوی ہوتی ہے اس کے چرنوں میں اسے رکھ دے گا۔ کالی دیوی اس سے کہے گی کہ بچے کو ذبح کر دو۔ پھر اس معصوم بچے کے خون کو پیئے گا اور آنکھوں کو اس سے دھوئے گا۔ پھر لال دیوی اسے اپنی دیا کرے گی۔''

''لیکن اس سے اسے اور لال دیوی کو کیا فائدہ پہنچے گا؟''

''لال دیوی اس بچے کا تھوڑا خون پی لے گی لیکن اصل فائدہ تو ہربنس لال کی
ت کو پہنچے گا۔ اسے دوہرے فائدے ہوں گے۔ ایک تو وہ سدا کے لیے امر ہو جائے گا
، دوسرا ہر رکاوٹ کو پار کر سکے گا۔ زمین کے اندر ہی نہیں بلکہ موٹی سے موٹی اور آہنی دیوار
بھی پار دیکھ اور جا سکے گا اور پھر تیسرا فائدہ بھی ہے وہ یہ کہ اس پر سوائے کالی ماتا کے کسی
کا زور چل نہیں سکے گا۔'' رنگا سوامی نے بتایا۔

میں ہربنس لال کے بارے میں جان کر ششدر رہ گیا۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ
نے کس لیے مجھے اور بملا کو اپنے جال میں پھانسا اور بملا کو اغوا کیا۔'' کیا وہ بملا کا پیر
ری ہونے کے بعد مجھے جانے دے گا؟''

''تم اس خوش فہمی میں بھولے سے بھی نہیں رہنا۔'' رنگا سوامی کہنے لگا۔ ''اس
کی باتوں میں نہ آؤ...... جانتے ہو بملا کا پیر جس روز بھاری ہوگا وہ تمہیں اس روز قتل
ہوے گا۔ بچے کی پیدائش کے ٹھیک چالیس روز کے بعد وہ بملا کو بھی موت کے گھاٹ اتار
ے گا۔ وہ کس قدر ظالم اور شقی القلب ہے تمہیں اس کا اندازہ اس کے گھناؤنے مقاصد سن
ہو گیا ہوگا۔ وہ اس وقت اپنے مقاصد حاصل کر سکتا ہے کہ اس بچے کے ماں باپ کا
و اس دنیا میں نہ ہو۔ وہ زندہ رہیں تو انہیں قتل نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ لال دیوی کی یہی شرط
کہ وہ والدین کو ختم کر دے۔'' کیوں کہ ان کی موت سے ہی لال دیوی تاثیر پیدا کرے
ے۔''

رنگا سوامی نے اس کے فریب کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا
کہ بملا سے شادی کرنے اور اس کا پیر بھاری ہونے کے بعد وہ مجھے جانے دے گا اور بملا
ھ ماہ کے بعد...... نفرت اور غصے سے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ میری رگوں میں لہو ابلنے لگا۔
نے تپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کاش میرا ایک بازو الگ نہ ہو گیا ہوتا۔ میرے دونوں بازو ہوتے تو میں اس
ھ کی جان لے لیتا۔ اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ مگر میں ایک بازو کی وجہ سے اس سے ہاتھا
بھی نہیں کر سکتا۔''

''تم زیادہ پریشان اور خوف زدہ نہ ہو۔'' رنگا سوامی نے مجھے دلاسا دیا۔'' وہ
ے ہاتھوں ہی موت کا مزا چکھے گا۔ اس کا جو حشر ہوگا وہ اس کے بارے میں خواب د

خیال میں بھی نہیں سوچے گا۔"

رنگا سوامی نے اتنا کہہ کر ہربنس لال کے بھیدی کی طرف دیکھا۔ اس نے تالی بجائی تو آدم خور کتے اس کے جسم سے ہٹ گئے اور انہوں نے گوشت کھانا بند کر دیا۔ رنگا سوامی نے دوبارہ تالی بجائی تو وہ غار سے نکل گئے۔

رنگا سوامی نے آسامی بلی سے کہا۔ "سرخ اور کالی ناگن کو بلا کر کہو کہ اس کی لاش ہربنس لال کو تحفے کے طور پر پہنچا دیں تاکہ آئندہ کسی بھیدی کو بھیجنے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

آسامی بلی نے غار کے دہانے کی طرف منہ کر کے پکارا...... "سرخ ناگن کالی ناگن...... اندر آؤ۔"

دوسرے لمحے وہ دونوں رینگتی ہوئیں اندر داخل ہوئیں تو آسامی بلی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"مہاراج کا حکم ہے کہ تم دونوں اس کی لاش کو ہربنس لال کے مکان کے پاس چھوڑ آؤ......" پھر اس نے چھت کی طرف اشارہ کیا وہ لاش دھپ سے فرش پر آ گری۔ دونوں ناگنیں اس کے جسم سے اس طرح لپٹ گئیں جیسے وہ رسی ہوں۔ دوسرے لمحے وہ اس لاش سمیت نظروں سے غائب ہو گئیں۔

آسامی بلی کو انسانی آواز میں بات کرتے دیکھ کر مجھے اب کوئی حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ میں جان چکا تھا کہ یہاں جو کوئی بھی جانور کے بہروپ میں ہے وہ سب کی سب بدروحیں ہیں۔ مہاراج کے پیچھے جو شیش ناگ موجود ہے وہ بھی بدروح ہی ہے۔ ان کا انسانی زبان میں بولنا تعجب کی بات نہیں ہے۔

میں نے پوچھا۔ "یہ دونوں ناگنیں شیام پور سے آپ کے پاس آ کر کس لیے رہ رہی ہیں؟" "اس لیے کہ انہیں یہاں بہت شانتی اور آزادی ہے۔" رنگا سوامی نے ان کے بارے میں مختصر سا جواب دیا اور پوچھا۔

"اب تم اچھی طرح سوچ کر جواب دو کہ...... کیا تم ہربنس لال کو قتل کر سکتے ہو؟"

"میرا بس چلے تو اسے ابھی جا کر قتل کر دوں۔" میں نے کہا۔ "اب اسے ایک دن کیا ایک لمحہ میں زندہ رہنا نہیں چاہیے۔ مگر آپ میری مجبوری سے واقف ہیں۔ بھلا اس

کا قید میں ہے۔ میں ایک بازو سے محروم ہوں۔"

"تم کسی بات کی چتا نہ کرو۔ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا۔ میری بہت ساری غلام روحیں ہیں وہ تمہاری حفاظت کریں گی۔ وہ تمہاری تابع اور تمہارے ہر حکم کو بجا لائیں گی۔"

"یہ تو آپ نے میری بہت بڑی مشکل حل کر دی لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"وہ کیا......؟" رنگا سوامی نے حیرت سے میری شکل دیکھی۔

"کیا وہ کمینہ نابکار اور حرام زادہ آپ سے بہت زیادہ طاقتور ہے جو اسے آپ یا آپ کی غلام روحیں ختم نہیں کر سکتیں؟"

"کر سکتا ہوں...... لیکن اس کے لیے مجھے اس کے سامنے جانا پڑے گا۔ اسے غلام روحیں قتل نہیں کر سکتیں لیکن میں بھی اب اسے قتل نہیں کر سکتا کیوں کہ میرے اندر اب طاقت نہیں رہی کہ میں چل پھر سکوں۔ یہاں ایک ایسی مہلک بیماری ہے جو آدمی کو اندر اندر دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ اتنا کمزور اور لاغر کر دیتی ہے کہ اس میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں رہتی ہے۔ اسے پیلا بخار کہتے ہیں۔ میں دو برس تک اس مرض میں مبتلا رہا ہوں۔ افاقہ تو ہو گیا لیکن میری حالت ایک مردے سے بھی بدتر ہو گئی ہے۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں ہڈیوں کا پنجر ہوں۔ اب تمہی بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اس لمحے آسامی بلی نے کہا۔ "مہاراج میں نے آنکھیں بند کر کے دیکھا کہ سرخ اور کالی ناگن نے جیسے ہربنس لال کی ساتھی کی لاش اس کے سامنے ڈالی اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ ندی کنارے بیٹھا تھا۔ دونوں ناگنیں چلی آئی ہیں۔ ہربنس لال اپنے مکان کی طرف لوٹ گیا ہے۔"

"وہ بے وقوف یہ سمجھتا ہے کہ اسے موت نہیں آئے گی۔ اب وہ کچھ دنوں کا مہمان ہے۔" پھر اس نے توقف کر کے شیش ناگ سے کہا۔ "دونوں ناگنوں کو بلاؤ۔ انہیں آواز دو...... انہیں پکارو۔"

شیش ناگ کی آواز فضا میں گرج چمک کی طرح گونجی۔" دونوں ناگنیں یہاں

ابھی اور اسی وقت حاضر ہو جائیں۔"

ایک لحظہ بھی نہیں لگا دونوں ناگنیں تیزی سے رینگتی ہوئی اندر آئیں اور رنگا سوامی کے سامنے پھن اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔ رنگا سوامی نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تم دونوں کو میں نے ستیش مکرجی کی حفاظت پر مامور کر دیا ہے۔ تم دونوں اس کا ہر حکم مانو گی...... یہ تم دونوں کا فرض ہو گا لیکن ایک بات یاد رکھو...... تم دونوں حسین اور جوان عورتوں کے روپ میں نمودار ہو کر اس کے ساتھ وقت گزاری نہیں کرنا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ میں تم دونوں کو صرف ایک لمحے میں نیست و نابود کر دوں گا۔"

"اگر ستیش مکرجی کی خواہش ہوئی اور انہیں ضرورت محسوس ہوئی تو ہم کیا کریں؟" سرخ ناگن نے پوچھا۔

"پھر میں تم دونوں کو کوئی دوش نہیں دوں گا اور نہ ہی کوئی اور کسی قسم کی باز پرس ہو گی۔" رنگا سوامی نے کہا۔

"مہاراج اب آپ کسی بات کی چنتا نہ کریں۔" کالی ناگن نے جواب دیا۔ "ہر کام آپ کے حکم کے مطابق ہو گا۔"

"مکرجی......" رنگا سوامی میری طرف سر گھما کے کہنے لگا۔ "میں تمہیں ایک بات بتاؤں کہ کالی چرن داس چاہتا ہے کہ اس مردود کو بھینٹ کیا جائے۔ جب تک تم اسے موت کے گھاٹ نہیں اتارو گے اس وقت تک کالی چرن داس کے عتاب کا شکار رہو گے...... باقی رہی بملا...... ہربنس لال کے مرتے ہی وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ ہربنس لال کی تمام قوتیں فنا ہو جائیں گی۔ وہ تم دونوں میں سے کسی ایک کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گی۔ البتہ تمہیں بڑی احتیاط اور ہشیاری اور فریب دہی سے کام لینا ہو گا۔ وہ کوئی معمولی جادوگر یا آدمی نہیں ہے کیوں کہ وہ کالی دیوی کا منظور نظر ہے اس نے اب تک تین سو جاپ کر لیے ہیں اور پانچ سو جاپ کرنے والا دیوتاؤں کا اوتار بن جاتا ہے۔ اس لیے تمہیں اسے قتل کرنے کے لیے نہ صرف منصوبہ بندی بلکہ اسے مکاری اور چاپلوسی کا نشانہ بنانا ہو گا۔ اور کسی طرح اور کسی بات سے تمہارے منصوبے کا اسے علم ہو گیا تو پھر تمہاری اور بملا کی خیر نہ ہو گی۔ وہ پھر کسی نہ کسی طرح اپنا مقصد حاصل کر کے تم دونوں کو موت سے ہم کنار کر دے

گا۔"

"آپ مجھ پر بھروسا رکھیں۔ میں اسے کسی بات اور حرکت سے شک کرنے کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔ میں تو اپنا منصوبہ بملا کو بھی نہیں بتاؤں گا کیوں کہ وہ عورت ہے اور عورت کے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی ہے۔" میں نے کہا اور سرخ ناگن کی طرف اشارہ کیا جو کالی ناگن کے ساتھ ایک طرف موجود تھی۔ "کیا انہیں دیکھ کر اسے شک نہیں ہو جائے گا؟"

"میں نے ان پر ایسا منتر پڑھ کر پھونکا ہوا ہے کہ یہ صرف تمہیں دکھائی دیں گی۔ انہیں ناگ دیوتا کا بہت پہلے آشیرباد حاصل ہو چکا ہے اس لیے وقت ضرورت کسی بھی روپ میں ظاہر ہو سکتی ہیں۔ ہربنس لال اور اس کے چیلے بھی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے...... اب تم جاؤ ہربنس لال کی بھینٹ کالی چرن داس کو پیش کر کے اپنا بازو حاصل کر لو۔"

میں ان دونوں ناگنوں کے ساتھ غار سے باہر آیا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دودھیا چاندنی سورج کی سی تیز روشنی کی طرح برس رہی تھی جس سے دن نکلا ہوا لگ رہا تھا۔ میں نے کبھی ایسی چاندنی کہاں دیکھی تھی۔ یہ تیز روشنی صرف اس ٹیلے کے اطراف تھی۔ پھر میں نے ایک عجیب سی مست کر دینے والی خوشبو محسوس کی۔ جو عورت کے بدن کی سی بھینی بھینی تھی۔ معاً میری نگاہ ٹیلے کی بلندی پر پڑی۔ وہاں تازہ پھولوں کے ڈھیر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ خوشبو ان پھولوں سے آ رہی تھی۔

میں نے سرخ ناگن سے پوچھا۔ "یہ مست کر دینے والی خوشبو کیا ان پھولوں سے آ رہی ہے یا تم دونوں کے جسموں کی ہے؟"

"اس ٹیلے پر شکنتلا دیوی کی سمادھی ہے جو رام چندر جی کی پتنی تھیں...... یہاں پنے وقت کے مشہور سادھوؤں کی ہڈیاں دفن ہیں اور ان سادھوؤں کی روحوں نے اس جنگل ں بسیرا کیا ہوا ہے۔ وہ روزانہ دن رات اس سمادھی پر تازہ پھول لا کر ڈالتی رہتی ہیں...... ن پھولوں سے جو خوشبو پھوٹتی ہے وہ عورت کے بدن کی مست کر دینے والی سی ہوتی ہے۔ شکنتلا دیوی کے جسم کی خوشبو ہے۔ ان کے گداز بدن میں ایسی ہی خوشبو بسی ہوئی تھی۔"

"یہ خوشبو میرے جذبات میں ہل چل مچا رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ ں بہک جاؤں اور تم دونوں کی طلب محسوس کروں جلدی سے چل پڑو۔ اب سوال یہ ہے کہ

میں واپس ندی کے اس پار کیسے جاؤں گا؟ میں جس کشتی میں آیا تھا وہ مجھے پہنچانے کے بعد غائب ہوگئی اور پھر دوسرا پاٹ اتنی دور ہے کہ میں تیر کر جا بھی نہیں سکتا۔ اور پھر ندی کا پانی اس قدر سرد ہے کہ خون جم جائے گا۔''

''ندی تک چلو...... ہم وہاں چل کر تمہیں ندی کے اس پار پہنچانے کی صورت نکالتے ہیں۔'' کالی ناگن بولی۔

جب ہم ندی کے کنارے پہنچے تو دونوں ناگنیں لوٹ پوٹ کر عورتوں کی شکل میں آگئیں۔ پھر ان کے قد بیس فٹ کے ہو گئے۔ ماروتی پانی میں اتر کے کھڑی ہو گئی۔ پھر روپا...... ان دونوں کے کمر کمر تک پانی تھا۔

''اب تم میرے کندھے پر سوار ہو جاؤ۔'' ماروتی بولی۔ ''ڈرنا نہیں...... اطمینان اور آرام سے بیٹھے رہنا۔''

پھر میں ماروتی کے کندھے پر سوار ہو گیا۔ میں جیسے ہی سوار ہوا اس کا قد اور بڑھ گیا۔ ندی کے پانی کی سطح سے میرے پیر تین فٹ پر تھے۔ وہ میرا بوجھ اٹھائے بڑے آرام سے چلنے لگی۔ جس سے ایسا لگ رہا تھا میرا بوجھ اسے محسوس نہیں ہو رہا ہے اور میں پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکری ہوں۔ اس نے کشتی کی رفتار سے کہیں تیز رفتاری سے چل کر مجھے ندی کے اس پار پہنچا دیا تھا۔ دریا کا قد بھی اتنا ہی ہو گیا تھا۔ دونوں پانی میں اس طرح چل رہی تھیں جیسے سڑک پر چل رہی ہوں۔ کنارے پہنچ کر میں اس کے کندھے سے اتر گیا۔ دونوں سابقہ حالت میں آگئیں۔

ہم ندی کے کنارے کھڑے تھے کہ ایک دم سے ایک بہت ہی بڑی اور سیاہ رنگ کی مچھلی ندی میں سے نمودار ہوئی۔ اس کا منہ اتنا بڑا تھا کہ وہ بیک وقت دو آدمیوں کو نگل سکتی تھی۔ اس کے دانت مگرمچھ کی طرح بڑے بڑے اور نوکیلے تھے۔ اس نے فوراً ہی اپنے جبڑوں میں ماورتی کی کمر دبوچ لی اور اسے سالم نگلنے کی کوشش کرنے لگی۔ ماروتی بالکل بھی نہیں گھبرائی اور نہ چیخی چلائی۔ اس نے بڑے اطمینان سے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ اس کی انگلیوں کے ناخن بہت ہی لمبے اور خنجر کی طرح ہو گئے۔ اس نے اپنے ناخن اس مچھلی کی آنکھوں میں خنجر کی طرح بھونک دیئے۔ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ یہ مچھلی جو تین من وزنی اور بہت ہی خوفناک شکل کی تھی اس کی دل خراش چیخوں سے گونج اٹھی اور اس

ی آنکھوں سے خون بہنے لگا۔ پھر وہ خشکی پر تڑپتے تڑپتے سرد ہو گئی۔ ماروتی اس کے بڑوں سے نکل آئی تھی۔ روپا نے آگے بڑھ کر اس تین من اور بیس فٹ لمبی اور ہاتھی جیسی سامت کی مچھلی کو ہاتھ میں اس طرح اس آسانی سے اٹھا لیا جیسے وہ کوئی بانس ہو پھر اس نے ری طاقت سے فضا میں دور پھینک دیا۔ وہ مچھلی اس سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر گری۔ جس جگہ گری وہاں کی زمین پھٹ گئی اور وہ اس کے اندر سما گئی۔ اس کے سماتے ا زمین کی سطح برابر ہو گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جگہ کھودی نہ گئی ہو۔

ماروتی نے میرے پاس آ کر کہا۔ ''کمرجی جانتے ہو یہ مچھلی کیا بلا تھی؟ وہ کس لیے ئی تھی؟''

''میں کیا جانوں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ مچھلی نہیں ایک بلا تھی لیکن تم نے اس پر بڑی سانی سے قابو پا لیا۔''

''یہ ہربنس لال کا چیلا ہے جسے ندی پر پہرے کے لیے رکھا گیا تھا کہ کوئی بھی دیونگر کے جنگل سے آئے اسے زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اگر ہم ساتھ نہ ہوتے تو شاید وہ یں بخشتا نہیں۔ اس کا نام جگنو تھا۔ وہ رنگا سوامی کے دو آدمیوں کو مچھلی بن کر ان کا خون رانہیں ختم کر چکا ہے۔ آج میں نے اس کا قصہ ہی ختم کر دیا۔''

''ہربنس لال کو ہماری آمد اور اپنے آدمی کی موت کا علم ہو گیا ہو گا۔'' میں نے را کے کہا۔

''یقیناً......'' روپا نے سر ہلایا۔ ''آخر وہ بھی ایک بہت بڑا جادوگر ہے۔ اسے پل ل خبر ہو جاتی ہے۔''

ماروتی نے میرے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر کے خود سپردگی کی نظروں سے ا۔ چاندنی میں اس کا حسن و شباب اور سحر انگیز ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی عریاں بانہیں گلے سے نکال کر بڑی ملائمت سے کہا۔

جب سے میرا ہاتھ الگ ہو گیا ہے۔ میں اس سے محروم ہو گیا ہوں۔ دنیا کی کوئی کیا عورت بھی اچھی نہیں لگتی ہے۔ تمہیں اور روپا کو بھی جذبات کو قابو میں رکھنا چاہیے۔''
اچھا چلو...... ہربنس لال کے ٹھکانے کی طرف چلتے ہیں۔''
ندی سے مشرق کی سمت تھوڑے فاصلے پر ہربنس لال کا ٹھکانہ تھا۔ یہ سو برس پرانی

اور بڑی سی عمارت تھی۔ ہم وہاں تھوڑی ہی دیر میں پہنچ گئے تھے۔ یہ عمارت ویرانے اور سناٹے میں بنی ہوئی تھی۔ اس کا بیرونی دروازہ بند تھا۔ ماروتی نے سرگوشی میں کہا۔ ''جاؤ اپنا کام کرو۔''

کام......؟ میرے سارے بدن پر ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ کیوں کہ اس عمارت میں داخل ہو کر مجھے جو کام کرنا تھا وہ اتنا آسان نہ تھا۔ ماروتی اور روپا نے پھر ناگنوں کا روپ دھار لیا اور جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئیں۔

میں نے چند لمحوں کے بعد عمارت کے بیرونی دروازے پر دستک دی۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا تو ایک انتہائی بدصورت شخص کا چہرہ ابھرا۔ اس کی لال لال آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔ میں نے کہا۔

''میرا نام ستیش مکرجی ہے...... میں ہربنس لال سے ملنے آیا ہوں۔ انہیں میرا نام بتا دو۔''

''اچھا...... میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ اندر آ جاؤ۔'' اس نے ایک طرح ہٹ کر مجھے اندر آنے کا راستہ دیا۔

جب میں اندر داخل ہو گیا تو اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ راہ داری میں دائیں اور بائیں جانب کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ تا ان میں سے کسی ایک کا دروازہ بھی کھلا ہوا نہیں تھا۔ راہ داری کے اختتام پر بھی ایک دروازہ تھا اس دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔

''اندر آ جاؤ ستیش۔'' اندر سے ہربنس لال نے سرد سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''راج دروازہ کھول دو۔''

ہربنس لال کی آواز سنتے ہی اس شخص نے آگے بڑھ کر دروازہ کا لٹو گھما کر دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں داخل ہو کر میں ایک قدم بڑھا تھا کہ ٹھٹک کے رک گیا۔ میں نے جو منظر دیکھا تھا اس نے میرے پیروں میں جیسے بیڑیاں ڈال دیں۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر خنجر کی نوک کی طرح کاٹتی ہوئی اتر گئی۔ صوفوں کے درمیان ایک اونچی اور منقش گدے والی کرسی پر ہربنس لال بڑے غرور و تکبر کے انداز سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے رعونت جھلک رہی تھی۔ اس کے چرنوں کے قریب ایک لڑکی پابہ زنجیر بیٹھی تھی

لن یہ لڑکی نہیں بلکہ ایک چڑیل سے مشابہ عورت تھی۔ ایسی مکروہ لڑکی میں نے پہلے کبھی ہیں دیکھی تھی۔ اس کی آنکھیں اتنی بڑی اور خوف ناک تھیں کہ اس شدید سردی میں بھی رے بدن پر پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس کی طرف دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسے اس رح پابہ زنجیر کر دیا تھا کہ اس کا کھڑا ہونا تو درکنار وہ جنبش تک نہیں کر سکتی تھی۔ معلوم نہیں یہ کی کون تھی اور ہربنس لال نے اسے کس لیے زنجیروں سے باندھ کر رکھا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے تم اتنی جلدی واپس آ گئے......؟'' ہربنس لال نے معنی خیز لہجے ا کہا۔

''اس لیے کہ رنگا سوامی سے جلد ملاقات ہو گئی اور انہوں نے بتا دیا کہ کالی چرن ل کو کیسے بھینٹ دینا ہے۔''

''تم کالی چرن داس کے پاس بھینٹ دینے کے لیے گئے کیوں نہیں......؟ یہاں وں آ گئے؟'' اس کا لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔

''اس لیے کہ میں نے بھینٹ دینے سے پہلے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' نے جواب دیا۔ ''رنگا سوامی کا بھی یہی کہنا ہے کہ میں جتنا جلد ہو سکے شادی کر لوں۔ ان بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''تم نے شادی کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ بڑا دانش مندانہ ہے۔'' ہربنس لال مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے۔ تمہاری شادی اب بملا سے نہیں اس لڑکی سے ہو گی۔ کیا تم اس حسین لڑکی سے شادی کرو گے؟''

''اس بدصورت لڑکی سے......'' میرے بدن پر جھرجھری سی آ گئی۔ ''میں بملا کے کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔''

''یہ تمہاری محبوبہ بملا ہی ہے۔'' ہربنس لال استہائی لہجے میں بولا۔ ''میں نے ہی ے ایک چڑیل جیسی لڑکی بنا دیا ہے۔''

''یہ میری بملا ہے۔'' مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ ''آپ نے اسے کس لیے اس کا حلیہ ا دیا؟ اس غریب نے کیا کیا؟''

''اس غریب نے کچھ نہیں کیا بلکہ تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا میں نے اسے دی ۔'' ہربنس لال نے تیز و تند لہجے میں کہا۔

''میں نے کیا کیا......؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''میرا جرم تو بتاؤ

ہربنس لال......؟''

''تم نے غداری کی ہے...... جانتے ہو غداری کی کیا سزا ہوتی ہے؟'' وہ بگڑ کے برہمی سے بولا۔

''میں نے کیا غداری کی......؟'' میں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ خبر نہیں......؟'' ہربنس لال طیش میں آ گیا۔ ''مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے اور نہ ہی میں کوئی احمق ہوں۔ مجھے پل پل کی خبر ہے۔ تم نے مار ناگن کے کندھے پر بیٹھ کر ندی پار کی۔ تمہارے ساتھ کالی ناگن روپا بھی تھی...... اس وقت میرے چیلوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا کہ تم کس ارادے سے واپس آ رہے ہو۔ پھر مجھے یہ بھی پتا چل گیا کہ رنگا سوامی نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔ کالی چرن داس کو تمہیں میرے ہاتھوں مروانا ہوتا تو وہ تمہیں براہ راست حکم دیتا۔ اس حرام زادے نے تمہارے ساتھ فریب کیا ہے۔''

''تم سے جو کچھ کسی نے بھی کہا ہے وہ غلط ہے۔'' میں نے بڑے مضبوط لہجے میں اس سے تکرار کی۔ ''اس نے سراسر غلط بیانی کی ہے کیا تم رنگا سوامی کی طاقت اور اس کے جادو کے بارے میں نہیں جانتے......؟ تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ وہ چاہتے تو تمہیں کب کا مروا چکے ہوتے...... جب کہ تم یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیسا مجبور اور بے بس اور کمزور شخص ہوں۔ نہ تم مجھے کوئی جادو آتا ہے اور نہ ہی منتر...... میرے بارے میں تم غلط سوچ رہے ہو۔ میں تم جیسے جادوگر کو موت کی نیند سلانا تو درکنار تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔'' میں ایک ہی سانس میں تیزی سے بول گیا۔

میری بات سن کر اس نے میری آنکھوں میں جھانکا جیسے وہ آنکھوں سے میری سچائی کا اندازہ کر رہا ہو۔ پھر اس نے اپنا سر ہلایا۔ ''تم نے رنگا سوامی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے۔ وہ مجھ سے کئی گنا طاقت کا مالک اور بڑا جادوگر ہے۔ اس کی ایک معمولی سی باندی جو ناگن ہے اس نے میرے بہت ہی طاقت ور ساتھی کو قتل کر کے زمین میں دفن کر دیا ندی کنارے...... جب کہ وہ بہت طاقتور اور جادوگر بھی تھا۔''

''رنگا سوامی نے مجھے ندی پار کروانے کے لیے بھیجا تھا۔ اسے کیا ضرورت تھی اس ناگن سے الجھنے کی۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''اب وہ دونوں ناگنیں ہیں کہاں......؟'' ہربنس لال نے دریافت کیا۔ ''کیا وہ

واپس چلی گئیں؟''

''مجھے کچھ نہیں معلوم...... شاید واپس چلی گئی ہوں کیوں کہ وہ مجھے یہاں پہنچانے کے لیے آئی تھیں۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم میری بملا کو سابقہ حالت میں لے آؤ۔ کیا تم نے اسے گونگی کر دیا ہے جو یہ بول نہیں رہی ہے؟''

''میں نے اسے نہ صرف گونگی بلکہ بہری بھی بنا دیا ہے۔'' وہ کہنے لگا۔ ''جب تک میں اپنی تسلی اور شبہ دور نہ کر لوں اس وقت تک یہ اسی حالت میں رہے گی۔ اس لیے تم بھی اپنی زبان بند رکھنا۔''

''اس کی زبان بندی مجھے منظور ہے لیکن اس کی پہلی جیسی حالت کر دو اور زنجیروں سے آزاد کر دو۔ یہ ایک بے ضرر اور سیدھی سادی لڑکی ہے۔ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے سے رہی۔'' میں نے اس سے التجا کی۔

''مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔'' ہربنس لال نے موضوع بدل دیا۔ ''وہ کام صرف تمہیں انجام دے سکتے ہو۔''

''کیا کام......؟'' میں نے پوچھا۔

''اس نے تالی بجائی...... چھت سے ایک سفید رنگ کا کبوتر جو چمگادڑ کی طرح چپکا ہوا تھا وہ زمین پر گرا اور اس نے ایک پودے کی شکل اختیار کر لی۔ وہ پودا فرش سے نکلا تھا اور لمحے بھر میں چار فٹ کا ہو گیا۔ اس کی ایک شاخ میں سرخ و سفید براق سا پھول جو کنول کے برابر بڑا ہو گا لگا ہوا تھا۔ اس قدر سرخ و سفید پھول میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ ہربنس لال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس پھول کو توڑ لیا۔ ''یہ پھول صرف شیش ناگوں کے دیوتا کے مندر میں ہوتا ہے۔ وہاں کوئی جا نہیں سکتا لیکن میں نے آن کی آن میں اس پھول کو یہاں پودے سمیت منگوا لیا۔ یہ میرے جادو کا کمال ہے۔ یہ پھول لے کر تم آج ہی اور اسی وقت صلح و امن اور شانتی اور دوستی کی علامت بنا کر رنگا سوامی کے پاس جاؤ اور اسے میری طرف سے پیش کرو اور کہو کہ ہربنس اپنے کیے پر سخت نادم اور شرمسار ہے۔ اسے گزشتہ کوتاہیوں پر بڑا پچھتاوا ہے۔ اسے معاف کر دیں او وہ صلح کر کے تابع اور غلام بننا چاہتا ہے اور معافی نامہ لکھ کر دینے کیلئے تیار ہے۔ وہ میرا پیغام مان لیتا ہے تو پھر میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے چرن چھو لوں گا......''

''مگر اب میں وہاں کیسے اور کس طرح سے جاؤں؟'' میں نے ٹالنے کے خیال

سے کہا۔ اب اس کا صلح کا پیغام لے جانا میرے مفاد میں نہیں تھا۔ اس طرح سارا منصوبہ دھرا رہ جانے کا خدشہ تھا۔

''تمہارے وہاں پہنچانے کا بندوبست میں کر دوں گا۔ میری کشتی تمہیں پہنچا دے گی۔'' اس نے کہا۔ ''واپسی میں تمہیں کالی اور سرخ ناگنیں پہنچا دیں گیں۔ مجھے تمہاری وجہ سے معافی بھی مل جائے گی۔''

''رنگا سوامی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں بملا سے شادی کر کے اور بملا کو ساتھ لے کر آشیر باد کے لیے آؤں...... اب تم آئندہ اکیلے نہ آنا۔''

''مجھے بے وقوف مت بناؤ۔'' ایک دم سے ہربنس لال کا پارہ چڑھ گیا۔ ''اگر تم نہیں گئے تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم میرے وفادار نہیں ہو...... تم غداری کرو گے تو میں تمہیں اور بملا کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔''

☆......☆......☆

''میں اس شرط پر رنگا سوامی کے پاس تمہاری دوستی اور صلح صفائی کا پیغام لے کر جاؤں گا کہ تم بملا کو میرے ساتھ روانہ کردو۔'' میں نے کہا ''تم مجھ پر غداری کا الزام مت لگاؤ۔ تمہارے وہم کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔''

''میں جب ایک بار کوئی فیصلہ کرلیتا ہوں تو اس پر سختی سے قائم رہتا ہوں''۔ اس نے خشونت بھری سفاکی سے کہا ''میں بملا کو تمہارے ساتھ اس لیے بھیج نہیں سکتا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آجائے' جس سے میرا مقصد دھرا رہ جائے۔ میں ہاتھ ملتا رہ جاؤں۔ اب تم اکیلے جانے کے لیے تیار ہو کہ نہیں....؟ یہ جان لو کہ انکار کی صورت میں تمہیں قتل کر کے تمہارا گوشت کتوں کو کھلا دوں گا۔''

میں نے سوچا شرط' ضد اور ہٹ دھرمی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مجھے اس کی بات مان لینے میں فائدہ یہ ہے کہ بملا زندہ رہے گی۔ مجھے بملا جان سے بھی عزیز تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے اس سے اتنی محبت ہوگئی تھی۔ میرے مر جانے کی صورت میں بملا کو وہ زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مجھے ہر قیمت پر بملا کو بچانا تھا۔

''میں صرف ایک شرط پر جانے کے لیے تیار ہوں کہ تم بملا کو اپنے جادو سے نکال دو۔ کیونکہ مجھے تمہاری نیت میں فتور نظر آرہا ہے۔ اگر تم نے اس بیچاری کو اس مصیبت سے نجات نہیں دی تو پھر کان کھول کر سن لو' میں نہیں جاؤں گا' چاہے تم مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالو.... اور وچن دو کہ تم اسے پھر سے اپنے جادو کے زیر اثر نہیں کرو گے۔''

''اچھی بات ہے.... مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے اور میں وچن دیتا ہوں کہ اسے اپنے جادو کے زیر اثر نہیں رکھوں گا۔ لیکن یہ یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔'' اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

پھر اس نے اتنا کہہ کر کوئی منتر پڑھ کر بملا پر پھونکا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بملا اپنی سابقہ اور اصل حالت میں واپس آ گئی۔ وہ زنجیر بھی سانپ بن گئی۔ اس نے سانپوں کو زنجیریں بنا کر بملا کو پابہ زنجیر کر دیا تھا۔ یہ کوئی چھ عدد اور دس دس فٹ لمبے سانپ تھے جو رینگتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

اب بملا چڑیل نما نہیں تھی۔ اب وہ اپنی اصل حالت' حسن و شباب کا ایک نادر نمونہ بنی کھڑی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔

''مکر جی! بھگوان کے لیے مجھے اس ظالم درندے کی قید سے نکال کر لے چلو۔ اب میں ایک لمحہ بھی یہاں رہنا نہیں چاہتی۔''

''اب یہ تمہیں نہیں ستائے گا''۔ میں نے اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو ہٹایا' اس کے آنسو پونچھے اور اس کے گال پر بوسہ ثبت کر کے کہا ''اب اگر اس نے تمہارے ساتھ کوئی ظالمانہ حرکت کی۔ دق کیا تو میں اس کی گردن توڑ کر رکھ دوں گا۔'' پھر میں نے اسے دلاسا دیا ''صرف آج کا دن حوصلے سے کاٹ لو' میں رنگا سوامی سے مل کر آتا ہوں۔''

''اب تم دوبارہ کس لیے رنگا سوامی کے پاس جا رہے ہو؟ کیا تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوئی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''اس لیے کہ اس میں ہم دونوں کی سلامتی ہے''۔ میں نے اس کی بڑی بڑی سیاہ خوبصورت بھیگی بھیگی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''جانا اس لیے بھی بے حد ضروری ہے کہ اس کا شک دُور کیا جا سکے۔ اسے اس بات کا شک ہو گیا ہے کہ میں غداری کا مرتکب ہوا ہوں۔ اس لیے اس نے تمہیں یہ دردناک سزا دی۔ میں اپنی وفاداری کا ثبوت اور اس کے اور رنگا سوامی کے درمیان صلح صفائی کرانے اور دوستی کا پیغام دینے کے لیے سفید پھول لے کر جا رہا ہوں۔''

''اچھا اب تم جلدی سے جاؤ.... رومانس لڑانے میں وقت ضائع نہ کرو۔ واپس آتے ہی میں تم دونوں کی شادی کر دوں گا۔ پھر تم دونوں سہاگ رات اور دن اس وقت تک مناتے رہنا جب تک اس کا پیر بھاری نہ ہو جائے۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

بملا نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے دیکھا تو میں نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا ''بملا! تم کسی بات کی چنتا نہ کرو۔ اس میں ہماری بہتری ہے۔ اب تم جا کر سو جاؤ''

پھر میں ہربنس لال کی طرف بڑھا۔

ہربنس لال نے پھول میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''یہ لو اب تم جلدی سے روانہ ہو جاؤ۔ اس شبھ کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

میں عمارت کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر آیا۔ ندی کی طرف تیزی سے بڑھا۔ ہربنس لال نے کہا تھا کہ مجھے ندی کنارے کشتی کھڑی مل جائے گی۔ چند قدم طے کیے تھے کہ سرخ اور کالی ناگنیں جھاڑیوں میں سے نمودار ہوئیں۔ پھر وہ عورتیں بن گئیں۔ ماروتی نے سفید پھول کو دیکھتے ہوئے کہا ''کتنا سندر پھول ہے؟ یہ کس نے دیا اور اسے کہاں لے جا رہے ہو؟''

''یہ پھول مجھے ہربنس لال نے رنگا سوامی کو دینے کے لیے دیا ہے''۔ پھر میں نے ان دونوں کو سارا ماجرا سنایا۔

''میرے خیال میں وہ رنگا سوامی کو راستے سے ہٹانے کے لیے کوئی چال چل رہا ہے۔'' ماروتی نے خیال ظاہر کیا۔ ''میں اس کمینے اور مردود کو خوب جانتی ہوں۔ وہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ صلح صفائی کرے اور معافی مانگ لے۔''

''اس کی بات ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''ورنہ وہ بملا اور مجھے قتل کر کے پھینک دے گا۔''

''تم ایسا کرو کہ یہ پھول ہمیں دے دو'' روپا بولی ''ہم یہ پھول لے جا کر رنگا سوامی کی خدمت میں پہنچا دیں گی۔ انہیں ہربنس لال کا پیغام بھی پہنچا دیں گی۔ دیکھیں مہاراج کیا کہتے اور ہدایات دیتے ہیں۔''

''اگر ہربنس کو اس بات کی خبر ہو گئی کہ وہ پھول میں نے تمہارے ہاتھوں سے بھیجا ہے تو شاید اسے غصہ آ جائے۔''

''ہم دونوں تھوڑی ہی دیر میں آ جائیں گی۔ اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔'' ماروتی بولی۔

میں نے سفید پھول روپا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ندی کی طرف بڑھیں۔ جیسے ہی ندی کنارے پہنچیں' ان کے قد لمبے ہو گئے۔ وہ پانی میں اتر گئیں۔ ان دونوں نے پلک جھپکتے میں ندی پار کر لی اور نظروں سے غائب ہو گئیں۔ میں ایک درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ اس

کے موٹے تنے سے ٹیک لگا لی۔ میں اس وقت بملا کے لیے بہت پریشان تھا اور اس بارے میں جتنا سوچ رہا تھا' میری تشویش اتنی ہی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اس لیے بھی پریشان تھا کہ ہربنس لال میری غیر موجودگی میں اس کے ساتھ نازیبا سلوک نہ کرے۔ ابھی تھوڑا ہی دیر گزری تھی کہ میری نظروں کے سامنے ایک دھواں سا اٹھا۔ جب دھواں چھٹا تو میں ایک انسانی ڈھانچے کو دیکھا' جو بیس فٹ لمبا تھا۔ اس انسانی ڈھانچے کو دیکھتے ہی میر بدن میں لہو خشک ہو گیا۔ اتنے لمبے ڈھانچے کا تصور محال تھا۔ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو بونا سا محسوس کر رہا تھا۔ یہ ڈھانچہ کسی دیو یا بھوت کا ہو سکتا تھا۔ اس کے خدوخال سے کا ظاہر ہو رہا تھا۔

"مکر جی!" اس نے بڑی ملائمت سے مجھے مخاطب کیا "میرا نام ہریش کپور ہے میں ان کا خاص چیلا ہوں۔ ہربنس لال نے تمہیں جو سفید پھول انہیں پہنچانے کے لیے تھا' وہ کہاں ہے؟ تم نے اسے ابھی تک نہیں پہنچایا؟"

"وہ پھول تو میں نے ماروتی اور روپا کے ہاتھوں بھیج دیا ہے' تاکہ ان تک پہنچا اور ہربنس لال کا پیغام پہنچا دیں۔" میں نے جواب دیا "حیرت کی بات ہے' کیا وہ پھو لے کر ابھی تک نہیں پہنچیں؟"

میری بات سنتے ہی اس ڈھانچے کے قدموں سے ایک کالا دھواں اٹھا اور ل چالیس فٹ تک اوپر اٹھا۔ یہ دھواں اس قدر گہرا اور کثیف تھا کہ ڈھانچہ اس میں پوری طر چھپ گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ دھواں فضا میں تحلیل ہو گیا اور میری نظروں کے سامنے ای چالیس فٹ لمبا کالا دیو کھڑا مجھے غضبناک نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کی جسامت گینڈے کی طرح تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس نے میرے پاس آ کر جھک کر میرا گریبان پکڑ کر مجھے اس طرح سے اٹھا جیسے میں کوئی کھلونا ہوں۔ وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈا کر کہا "اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا کہ تم غدار ہو۔ تمہاری غداری ثابت ہو گئی تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"سنو.....!" میں نے حوصلہ کر کے تھوک نگلتے ہوئے کہا "میں نے کوئی غدار نہیں کی۔ مجھے اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں غداری اس لیے نہیں کر سکتا اور نہ کروں گا

مجھے اپنی اور بملا کی جان عزیز ہے۔ تم مہاراج کے پاس جا کر کہو اور انہیں بتا دو کہ میں نے سفید پھول ماروتی اور روپا کے ہاتھ بھیجا ہے۔"

"سوئر کی اولاد...." وہ کالا دیو غرایا "میں رنگا سوامی کا نہیں' بلکہ ہربنس لال کا غلام ہوں۔ اس کے کہنے پر میں تمہارا پیچھا کرتا آیا ہوں۔ محض یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہو کہ نہیں اور تمہارا یہاں کون مددگار ہے۔ تم نے میرے مہاراج کو فریب دیا اور مجھ سے بھی جھوٹ بول رہے ہو۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ رنگا سوامی یا وہ ناگنیں تمہاری کیسے مدد کرتی ہیں۔ تمہاری مدد کو کون آتا ہے۔ کوئی آیا بھی تو میں اسے کچا چبا ڈالوں گا۔"

"آخر تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر رہے ہو.....؟ تم نے میرا پیچھا کرتے وقت ان دونوں ناگنوں کو عورتوں کے روپ میں اور مجھے ان سے باتیں کرتے نہیں دیکھا؟ ان میں جس کا نام روپا تھا میں نے سفید پھول اس کے حوالے کیا تھا۔" میں نے کہا۔

"تم نے جو کچھ بتایا ہے' وہ میرے علم میں ہے اور میں نے سفید پھول کو ندی میں تیرتے دیکھا تھا۔ تم خود یہ پھول لے کر کیوں نہیں گئے؟ تمہاری سزا یہ ہے کہ میں تمہیں اور اوپر لے جا کر اتنے زور سے زمین پر پھینکوں گا کہ زمین پھٹ جائے گی اور تم اس میں زندہ دفن ہو جاؤ گے۔ زمین تمہاری قبر بن جائے گی۔ تم اندر ہی اندر تڑپ تڑپ کر اذیت ناک موت مر جاؤ گے۔"

میں ایک بازو سے محروم تھا۔ میرے دونوں بازو ہوتے تو اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش اور جدوجہد کرتا اور کسی طرح اپنے آپ کو شاید بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔ صرف ایک ہاتھ سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے فضا میں لے کر بلند ہوا۔ زمین سے کوئی دو سو فٹ بلندی پر لے کر چلا گیا اور ایک دم سے مجھے چھوڑ دیا۔ میں تیزی سے نیچے گرتا چلا گیا۔ خوف و دہشت سے میں بے ہوش ہونے لگا۔ مجھے صرف اتنا یاد تھا کہ مجھے کسی نے زمین پر گرنے سے پہلے تھام لیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ندی کی دوسری طرف زمین پر لیٹا ہوا پایا۔ میرے پاس ماروتی اور روپا بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ اس وقت میرے ذہن میں وہ لرزہ خیز واقعہ اور کالے دیو کی شکل تازہ ہو گئی۔ میں نے ماروتی سے پوچھا "کیا میں زندہ ہوں یا میری آتما ہے؟"

''ہاں تم زندہ ہو۔ میرے پیارے بکرجی!'' ماروتی نے مجھے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب تم اس کالے دیو اور ہربنس لال کی غلام روحوں سے بالکل محفوظ ہو۔ اب وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''کالا دیو...؟'' میں نے حیرت سے کہا ''مجھے زمین پر گرنے اور اس میں دفن ہونے سے کس نے بچایا؟''

''ہم دونوں نے...'' ماروتی کے بجائے روپا نے جواب دیا ''ہم دونوں پرندوں کی طرح پرواز کرتی ہوئی آئیں اور تمہیں اٹھا کر لے آئیں۔ ہم نے دیکھ لیا تھا کہ کالا دیو تمہیں زمین پر پھینکنے کے لیے فضا میں بلند ہو رہا ہے۔''

''کیا تم دونوں پرندوں کی طرح اڑ بھی سکتی ہو؟'' میں نے متعجب لہجے میں پوچھا ان کی بات کا یقین نہیں آیا۔

''کیوں نہیں...!'' ماروتی مسکرائی۔ ''رنگا سوامی مہاراج نے ہمیں جانے کیا کیا جادو سکھا رکھا ہے۔ ہم اس سے اس وقت فائدہ اٹھاتی ہیں اور استعمال کرتی ہیں' جب اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر ہماری نظر نہ پڑتی تو تم زمین میں زندہ دفن ہو گئے ہوتے۔ تمہیں بچا کر کتنی خوشی ہوئی' ہم بتا نہیں سکتیں۔ اس نے تمہیں مارنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔''

''تم دونوں کا احسان میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا ''تم دونوں نے مجھے نیا جنم دیا۔ کالا دیو کا کیا ہوا؟''

''وہ ہمیں دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ گیا۔'' روپا بولی ''تمہاری جان کو خطرہ لاحق نہ ہوتا تو ہم اسے موت کے گھاٹ اتار دیتیں۔''

''وہ تم جیسی حسین اور قیامت خیز عورتوں سے ڈر کر بھاگ گیا۔'' میں نے کہا ''جبکہ وہ تم دونوں کو دبوچ کر لے جاتا اور شاید اپنی قید میں رکھ کر تم دونوں سے دل بہلاتا' وقت گزاری کرتا۔''

''ہم دونوں بھی بھوت کے بہروپ میں تھیں۔'' ماروتی ہنس کر بولی ''اس لیے وہ ہمیں سچ مچ بھوت سمجھ کر ڈر کر بھاگ گیا۔ ہمیں پہچان نہ سکا تھا۔''

''تم دونوں نے وہ سفید گلاب مہاراج کو پیش کر دیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ سفید پھول بہت خطرناک اور زہریلا تھا۔ ہربنس لال نے اس سفید پھول سے مہاراج کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سفید پھول کے اندر ایک زہریلا کیڑا چھپا ہوا تھا۔ وہ اتنا باریک اور ننھا سا تھا کہ ہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ جوں ہی مہاراج اس پھول کو سونگھتے وہ کیڑا ان کے نتھنوں میں گھستے ہی ڈنک مار دیتا اور وہ ایک پل میں ہی ختم ہو جاتے۔''

''اوہ بھگوان...!!'' میں بھونچکا ہو گیا۔ ''ہربنس لال کیسا کمینہ اور رذیل قسم کا شخص ہے۔ اس نے مجھے آلہ کار بنایا۔''

''وہ بڑا مکار اور شاطر ذہن کا مالک ہے۔'' روپا بولی ''اس کی کسی بات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''مہاراج کیسے بچ گئے؟'' میں نے پوچھا ''وہ سفید پھول اتنا پیارا اور خوبصورت ہے کہ جی بے اختیار سونگھنے کو چاہتا ہے۔''

''مہاراج اس کے فریب میں اس لیے نہیں آئے کہ وہ ہربنس لال پر بالکل ہی بھروسہ نہیں کرتے۔'' روپا کہنے لگی۔ ''جب میں نے مہاراج کی خدمت میں پھول پیش کیا اور اس کا پیغام دیا تو وہ چونکے اور بولے کہ دال میں کالا ہے۔ وہ بہت حیران ہوئے تھے۔ یوں بھی وہ بہت ذہین اور محتاط آدمی ہیں۔ انہوں نے پھول شیش ناگ کے آگے ڈالا' تو شیش ناگ نے انہیں بتایا کہ ایسے پھول ناگ دیوتا کے مندر میں ہوتے ہیں۔ ان پھولوں میں جو زہریلا کیڑا ہوتا ہے' اس کا زہر نکال کر اژدھوں اور ناگوں کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے' تاکہ وہ اور طاقتور ہو جائیں۔ پھر مہاراج نے اس پھول پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا تو وہ کیڑا پھول سے باہر آ گیا' جسے جلا کر بھسم کر دیا گیا۔ جس جگہ اسے جلایا گیا تھا' وہ جگہ پھول کی طرح سفید ہو گئی۔''

''بھگوان نے بڑی کرپا کی جو مہاراج کی جان بچ گئی۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ مہاراج نے میرے بارے میں کیا ہدایات دیں؟''

ماروتی نے اپنی انگلی میں سے ایک چاندی کی عام قسم کی انگوٹھی نکال کر میری طرف بڑھائی۔ وہ چاندی کے باریک تاروں سے بنی ہوئی تھی۔ یہ تار دھاگے کی طرح باریک تھے۔ ''یہ مہاراج نے تمہیں دی ہے۔ اسے پہن لو۔ جب تک یہ انگوٹھی تمہاری انگلی میں رہے گی' اس وقت تک ہربنس لال کیا' کسی کا بھی جادو تم پر اثر نہیں کرے گا۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی۔ لیکن اسے کیسے پہنتا۔ ماروتی نے قریب آ کر انگوٹھی میری سب سے چھوٹی انگلی میں پہنا دی۔ تو میں نے شوخی سے کہا ''کیا تمہارا جادو بھی مجھ پر اثر نہیں کرے گا؟''

''ہمارا جادو...؟'' ماروتی کے حسین چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

''ہاں تم دونوں کا جادو...!'' میں نے اس کی حسین آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے کہا ''تم دونوں کے حسن و شباب اور پرشباب گداز بدن کا جادو سب سے خطرناک ہے۔ آدمی دنیا کے سارے جادوؤں سے بچ سکتا ہے، لیکن تمہارے اس جادو سے نہیں۔''

''لیکن تم تو ہمارے جادو سے ابھی تک بچے ہوئے ہو۔'' روپا ہنس کر بولی ''ہمارا جادو تمہارے سامنے بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔''

''لگتا ہے کہ میں اب بچ نہیں سکوں گا۔ اس چاندنی رات اور تمہارے احسان نے مجھے مسحور کر کے رکھ دیا ہے۔''

میں نے یہ بات مذاق میں کہی تھی، لیکن یہ حقیقت بھی تھی۔ چونکہ وہ جس حالت اور عالم میں تھیں وہ میرے دل پر بجلیاں گرا رہی تھیں۔ میں کوئی برف کا تودہ نہیں تھا۔ جب ماروتی نے پیش قدمی کی تو میرا پیر پھسل گیا۔ روپا کو بھی خوش کرنا تھا۔ وہ بہت خوش اور سرشار ہو گئی تھیں۔

ماروتی نے مٹی میں دبی ہوئی کوئی چیز نکالی۔ میں نے اسے دیکھا۔ وہ بہت ہی تیز دھار اور خوفناک قسم کی چھری تھی۔ پھر اس نے چھری میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اسے تم اپنے لباس میں اس طرح چھپاؤ کہ وہ کسی کو نظر نہ آ سکے۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے چھری لیتے ہوئے کہا ''اس چھری کا کیا کروں...؟ یہ کس لیے ہے؟''

''چھری سے بہت سارے کام لیے جاتے ہیں''۔ روپا بولی ''سبزی ترکاری اور پھل کاٹنے کے کام بھی آتی ہے۔ لیکن اس چھری سے تم نہ تو کوئی چیز کاٹو گے اور نہ ہی ہربنس لال کی گردن.... یہ چھری آپ ہی آپ ہربنس لال کو قتل کر ڈالے گی۔''

''ایں...!!'' میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ چھری کیسے کوئی چیز کاٹ سکتی ہے۔ جب تک....!!''

''اس جادو نگری میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔'' ماروتی بولی ''دراصل یہ طلسماتی چھری ہے۔ تم جسے قتل کرنا چاہو اس چھری کو اس کی طرف اچھال دینا اور اس کا تماشا دیکھنا۔ تم جب تک اسے رُک جانے کے لیے نہیں کہو گے، یہ اپنا کام کرتی رہے گی۔''

''یہ چھری مجھے بھی تو قتل کر سکتی ہے؟'' میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''نہیں..... یہ تمہیں قتل نہیں کرے گی، کیونکہ یہ تمہارے تابع ہو گی۔ دراصل اس چھری میں ایک روح ہے۔ رنگا سوامی نے تمہیں خاص طور پر اس لیے دی ہے کہ ہربنس لال کو قتل کر دو۔ اسے قتل کرنے کے بعد یہ چھری کسی تالاب، دریا یا ندی میں پھینک دینا۔ پھر وہ چھری آپ ہی آپ مہاراج کے پاس پہنچ جائے گی۔ تم ہربنس لال کے مرنے کے بعد اسے ایک دن کے لیے بھی اپنے پاس نہیں رکھنا۔''

''لیکن اس کالے دیو نے ہربنس لال کو سب کچھ بتا دیا ہوگا کہ میں نے اس سے غداری کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب تمہیں ڈرنے اور اس سے خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' روپا بولی ''کیونکہ اب تمہیں ہربنس لال اور اس کی روحیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ تمہیں جیسے ہی موقع ملے، چھری نکال کر اس کی طرف اچھال دینا..... اس نے تم سے اور مہاراج سے فریب کیا ہے۔ لہٰذا تم بھی اسے یہ کہہ کر فریب دینا کہ مہاراج نے تمہیں معاف کر دیا ہے اور بلایا ہے۔''

''ہربنس لال ایک نمبر کا کائیاں ہے۔'' میں بولا مجھے امید تو نہیں کہ وہ میرے ہوائی پیغام پر یقین کر لے گا۔

''وہ تمہاری بات کا یقین کرے یا نہ کرے، تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟'' ماروتی نے کہا ''اب تم اپنا سینہ تان کر جاؤ۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ چلو.... اب ہم تمہیں پہنچا دیں۔ تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے آج کی رات ہماری خوشیوں کو دوبالا کر دیا.... یہ رات ہم کبھی فراموش نہیں کر سکیں گی۔ تمہاری یاد بہت آئے گی۔''

☆.....☆.....☆

پھر ماروتی نے پہلے کی طرح مجھے ندی کے پار پہنچا دیا۔

ہربنس لال غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے قہر آلود نظروں سے کالے دیو کو

گھورتے ہوئے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا ''تو اس کمینے... سوئر کے بچے نے وہ پھول ماروتی
ناگن کے ہاتھ میں دے دیا تھا' لیکن کیوں؟ وہ خود کیوں نہیں لے کر گیا؟''

''ہاں مہاراج! اس نے مجھے یہی بتایا تھا۔ مجھے دیر ہوگئی۔ میں نے انہیں پھول
لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھا ہوتا تو میں انہیں کسی قیمت پر سفید پھول لے
جانے نہیں دیتا۔ ان سے چھین کر لے آتا'' کالے دیو نے کہا۔

''تمہیں یہ بات کہتے ہوئے شرم نہیں آرہی ہے؟'' ہربنس لال برافروختہ ہوگیا
''تمہیں ڈوب مرنا چاہیے۔ تم یہ جانتے ہو کہ اس نے مجھ سے غداری کی' اسے زندہ چھوڑ دیا۔
کیا تم نہیں جانتے کہ میں غداروں کو کیا سزا دیتا ہوں؟''

''میں اس کے سامنے بیس فٹ لمبا بن کر ظاہر ہوا اور اسے دو سو فٹ کی بلندی سے
زمین پر پھینکا تھا۔ اس زور سے اور اتنی طاقت سے کہ زمین پھٹ جائے اور وہ زندہ دفن
ہوجائے۔ مگر میں اپنی اس کوشش میں اس لیے ناکام....'

''تم اور ناکام ہوگئے.... وہ کس لیے....؟'' وہ بے چینی سے پہلو بدل کر غرایا ''کیا
وہ بچ گیا.... بچ گیا تو کیسے....؟''

''جب وہ زمین سے دس فٹ رہ گیا تب دو ناگنیں فضا میں پرندوں کی طرح اڑتی
ہوئی آئیں اور اسے عقاب کی طرح جھپٹ کر لے گئیں۔ یہ دونوں ماروتی اور روپا تھیں۔ وہ
اسے لے کر ایک دم سے غائب ہوگئیں۔ اس لیے میں ان کا تعاقب نہ کرسکا۔ وہ شاید
مہادیو نگر کے جنگل کی طرف اسے لے کر چلی گئی تھیں۔ میں جاتا تو زندہ نہ بچ پاتا۔''

''یہ اپنی منحوس صورت لے کر میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔'' ہربنس
لال دھاڑا۔

کالا دیو کالے دھوئیں میں بدل گیا اور پھر وہ دروازے کے نیچے سے نکل گیا۔ اس
کے جانے کے بعد ہربنس لال کسی زخمی شیر کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔ غصے سے اس کا چہرہ
سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ وہ مٹھیاں بھی بھینچ رہا تھا اور
دانت بھی پیستا جا رہا تھا۔ اگر اس وقت میں سامنے ہوتا تو جانے وہ کیا کر بیٹھتا۔

پھر اس نے کوئی منتر پڑھ کر روشن دان کی طرف پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے باہر سے
ایک مرغی کی جسامت کا کبوتر کمرے میں آیا۔ وہ ہربنس لال کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا

''تمہارے پاس کیا خبریں ہیں؟'' اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''خبریں اچھی نہیں ہیں!'' کبوتر نے کہا ''رنگا سوامی زندہ ہے۔ تم نے اس کی
موت کی جو تدبیر سفید پھول سے کی تھی وہ ناکام ہو چکی ہے۔ کیونکہ اسے سفید پھول دیکھ کر
شک ہوگیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور اسے تمہارے پیغام کا بھی یقین نہیں آیا تھا۔ اس
کے شیش ناگ کو اس سفید پھول کے کیڑے کے بارے میں معلوم تھا' اس لیے پھول اور اس
کیڑے کو تباہ کردیا گیا۔''

''رامو....!'' دوسرے لمحے ہربنس لال ہذیانی لہجے میں چیخا تو اس کی غلام روح
حاضر ہوگئی۔ ''تم بملا کو موت کے غار میں لے جا کر قید کردو..... میرا سارا کھیل بگڑ گیا ہے۔
اب میں اس مردود مکرجی کو مزا چکھانا چاہتا ہوں۔''

جب رامو چلا گیا تو ہربنس لال اس کھوپڑی کی طرف گیا' جو ایک بانس پر رکھی
ہوئی تھی۔ اس نے کھوپڑی سے پوچھا ''جگت رام! یہ بتاؤ کہ مکرجی کہاں ہے اور وہ کیا کررہا
ہے؟''

''مہاراج! اس کے تو مزے ہی مزے ہیں۔ وہ دونوں ناگنیں' جو حسین اور جوان
عورتوں کے روپ میں آگئی تھیں' اس چاندنی رات میں ان کے ساتھ رنگ رلیاں منائیں۔
کچھ دیر پہلے اسے ندی پار کروا چکی ہیں۔ ندی پار کروانے کے بعد بھی اس کے ساتھ کچھ دیر
من مانی کرتی رہیں' لیکن مکرجی نے انہیں حد سے تجاوز کرنے نہیں دیا۔ وہ تمہارے مکان کی
طرف آرہا ہے۔'' کھوپڑی سے یہ آواز خارج ہوئی ''اب تم اس سے ہوشیار رہو اور اپنی جان
بچاؤ۔''

''اس کے کیا ارادے ہیں....؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟'' ہربنس لال نے سپاٹ لہجے
میں پوچھا۔

''کیوں نہیں..... کیوں نہیں....!'' کھوپڑی بولی ''وہ تمہیں قتل کرنے کے ارادے
سے آرہا ہے۔''

''اس کی یہ ہمت....؟'' ہربنس لال غرایا ''اس نے یہ ارادہ کیسے کرلیا؟ کیا اسے
کسی کی پشت پناہی حاصل ہوگئی ہے؟''

''رنگا سوامی کے سوا کون ہوسکتا ہے.... لیکن میں یہ سب کچھ نہیں جانتا' نہ ہی اس

کے کسی مددگار کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ اسے ان دونوں ناگنوں نے ندی پار کرائی‘ لیکن وہ شاید واپس جا چکی ہیں۔"

"گویا اب وہ اپنی جان سے ہاتھ دھونے کے لیے آ رہا ہے۔" ہربنس لال نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "دراصل ابھی رنگا سوامی کو میری طاقت کا اندازہ نہیں ہوا ہے۔ اس نے مکرجی غدار کو اپنا مہرہ بنا لیا ہے۔ اب تم مکرجی پر نظر رکھو۔ وہ جیسے ہی دروازے پر پہنچے مجھے خبر کر دینا.... ایک پل کی بھی تاخیر نہ کرنا۔"

ہربنس لال کا حکم سنتے ہی وہ کھوپڑی فضا میں بلند ہوئی اور کسی پرندے کی طرح پرواز کرتی ہوئی روشندان کے راستے کمرے سے نکل گئی۔ ہربنس لال صوفے پر بیٹھ کر منتر پڑھنے لگا۔ پھر اس نے منتر پڑھ کر پھونکا تو کمرے میں بہت ہی بڑے بڑے مچھر بھر گئے‘ جن کی رنگت سیاہ تھی۔ وہ دیکھنے میں بڑے خوفناک اور خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ پھر اس نے کوئی منتر پڑھ کر ان پر پھونک ماری‘ وہ سارے مچھر غائب ہو گئے۔ لیکن ان کی بھنبھناہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کمرے میں موجود ہیں۔ اس نے انہیں نظروں سے اس لیے اوجھل کر دیا تھا کہ وہ مجھے نظر نہ آ سکیں۔ چند لمحوں کے بعد جگت رام کی کھوپڑی کمرے میں داخل ہو کر ہربنس لال سے بولی "وہ نابکار تمہارے دروازے پر آ گیا ہے۔"

ماروتی نے رخصت ہونے سے قبل مجھے ایک چھوٹا سا گول آئینہ بھی دیا تھا‘ جس میں ہربنس لال اور اس کی حرکات و سکنات اور کمرے کا منظر دکھائی دے رہا تھا اور اس کے علاوہ وہ تمام باتیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے دیکھا کہ روپا اور ماروتی مجھے رخصت کرنے کے بعد واپس نہیں گئی تھیں‘ بلکہ دوسرے راستے سے ہربنس لال کے مکان کے قریب جو جھاڑیاں تھیں‘ ان میں چھپ گئی تھیں‘ تا کہ کسی نازک موقع پر میری مدد کر سکیں۔ میں نے دروازے پر دستک دی تو دروازہ ہاتھ کے زور پڑنے پر کھل گیا۔ پھر میں اندر داخل ہو کر ہربنس لال کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ ہربنس لال بڑے کروفر اور اطمینان سے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے بڑے ادب سے نمسکار کیا۔

"کیا بات ہے تم بہت جلدی واپس آ گئے....؟" ہربنس لال نے غصہ کیا۔ "کیا

اکیلے واپس آئے ہو؟"

"اس لیے کہ وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل تھا؟" میں نے جواب دیا "میں اکیلا نہیں آیا ہوں۔ دونوں ناگنیں بھی ساتھ ہیں۔ انہیں رنگا سوامی نے میرے ساتھ بھیجا ہے۔ لیکن وہ کہاں ہیں یہ میں نہیں جانتا ہوں۔"

"ایک نہیں.....دو ناگنیں....." ہربنس لال نے انجان بن کر پوچھا "وہ کس لیے؟"

"اس لیے کہ تم نے کوئی گڑبڑ کی اور تمہاری نیت میں فتور آیا اور مجھے ختم کرنے کی کوشش کی تو وہ مجھے بہ حفاظت یہاں سے نکال کر لے جا سکیں۔" میں نے کہا "تم بے فکر رہو۔ میں نے مہاراج رنگا سوامی کو اعتماد میں لے کر کہہ دیا ہے اب تم میرے دشمن نہیں ہو اور میری شادی تم بملا سے کر رہے ہو۔ تم نے اسے جو سفید پھول بطور تحفہ بھیجا تھا‘ انہوں نے اس کی حقیقت معلوم کر لی۔ انہوں نے محض میری خاطر تمہیں سچے دل سے معاف کر دیا۔ اب ان کے دل میں تمہارے خلاف کوئی کدورت یا بغض نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں کل ہی بملا سے شادی کر کے ان کے پاس آشیرباد کے لیے لیتا آؤں۔"

"کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟" ہربنس لال نے حیرت سے کہا۔ "انہوں نے مجھے واقعی معاف کر دیا۔ واقعی وہ جتنے بڑے ہیں‘ ان کا دل بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ انہوں نے اپنی محبت کے جادو سے میرا دل جیت لیا۔"

"جی ہاں....!" میں نے کہا "تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے اپنے کسی آدمی کو بھیج کر معلوم کر لو۔ بملا کہاں ہے؟ وہ نظر نہیں آ رہی۔"

ہربنس لال نے تالی بجائی تو دوسرے ہی لمحے ایک انسانی ڈھانچہ کمرے میں آیا۔ ہربنس لال نے کہا "بملا کو لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد بملا کمرے میں آئی تو وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ میرے پاس آ کر بولی۔

"مکرجی! تم کب آئے....؟ مجھے امید نہیں تھی اتنی جلدی واپس آ جاؤ گے!"

"میں ابھی ابھی آیا ہوں.... ہربنس لال نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی۔ سچ سچ بتانا ڈرنا نہیں۔"

''نہیں.... بالکل نہیں.... میرے ساتھ یہاں راج کماریوں جیسا سلوک کیا جارہا ہے۔ ہرنبس لال مجھ پر بہت مہربان ہے۔''

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو....؟'' مجھے جانے کیوں اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' بملا بولی ''اس نے مجھ پر جتنی پابندیاں لگائی تھیں' وہ سب اٹھالی ہیں۔ اب تمہیں بھی چاہئے اس کی ہر بات مانو اس سے غداری نہ کرو۔ یہ دل کے بہت اچھے ہیں۔''

''میں تو ہر طرح سے تعاون کررہا ہوں' ورنہ مجھے اتنی مصیبتیں جھیلنے کی کیا پڑی تھی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے کب جائیں گے؟'' بملا نے مجھے مستی بھری نظروں سے دیکھا۔ ''تمہارے بغیر میرا من سونا سونا سا ہوجاتا ہے۔''

''جب تک شادی نہیں ہوجاتی ہم یہاں سے جانہیں سکتے.... آخر ہرنبس لال کی شرط بھی پوری کرنی ہے۔'' پھر میں نے ہرنبس لال کی طرف دیکھا ''اب تم اپنا وعدہ پورا کب کررہے ہو؟ تم نے کہا تھا کہ رنگا سوامی کے ہاں سے واپسی کے بعد ہماری شادی کردو گے۔''

''کل صبح....'' اس نے جواب دیا ''جب میں نے وعدہ کیا ہے تو اسے پورا کرکے رہوں گا۔''

پھر اس نے کوئی منتر پڑھ کر فضا میں پھونک ماری۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں سینکڑوں قسم کے سیاہ مچھر نمودار ہوکر مجھ پر حملہ آور ہوگئے اور میرے جسم کو کاٹنے لگے۔ میں ان مچھروں کو آئینے میں دیکھ چکا تھا۔ اس کا کوئی جادو یا کوئی بھی زہریلی اور مہلک چیز مجھ پر اثر نہیں کرسکتی تھی۔ لیکن میں نے بظاہر گھبرا کر اور ان مچھروں کو بھگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہرنبس لال! یہ تمہاری کیا حرکت ہے۔ یہ مچھر بڑے زہریلے اور خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہ میری جان نہ لے لیں۔''

''یہ مچھر بیچارے بہت عرصے سے انسانی خون کے پیاسے ہیں۔ یہ کاٹتے نہیں ہیں' بلکہ جونک کی طرح خون پیتے ہیں۔'' وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ ''جب تمارا سارا خون چوس لیں گے' پھر تمہارا گوشت بھی کھا جائیں گے اور تم ڈھانچہ بن جاؤ گے۔''

اس کی بات سن کر میں نے اپنے چہرے پر خوف کے آثار پیدا کرلیے تاکہ وہ یہ مجھے کہ میں خوفزدہ ہوگیا ہوں۔ اس نے ایک بات محسوس نہیں کی تھی کہ میرے جسم سے مچھر پک کر جونک بن کر خون پینے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ ایک ایک کرکے گررہے ہیں۔ میں لا کی طرف دیکھ کر چونک پڑا۔ کیونکہ اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میری بے بسی پر ہنستے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ بملا مجھے اس مصیبت میں دیکھ کر خوش کیوں ہورہی ہے۔ شاید ہرنبس لال نے اپنے جادو کے زور سے اسے اپنا طرفدار بنالیا ہے....؟ اب وہ پہلے جیسی بملا نہیں لگ رہی ہے۔''

''ہرنبس لال!'' میں نے زہرخند کہا ''تم نے مجھ سے فریب کیا ہے' لیکن یاد رکھو ں تمہیں بخشوں گا نہیں۔''

''میں نے نہیں' بلکہ تم نے میرے ساتھ فریب کیا اور غداری کی ہے۔'' ہرنبس ل تڑپتے ہوئے لہجے میں بولا ''تم رنگا سوامی سے ملنے نہیں گئے اور ندی کے اس پار کنارے ما پر رہے۔ تم نے مجھے اس کا جو پیغام سنایا وہ تمہارا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ رنگا سوامی نے میرا یجا ہوا سفید پھول جلا کر بھسم کردیا۔ تم نے ندی کنارے بیک وقت دونوں ناگنوں سے دل بلایا اور چاندنی رات کا لطف لیتے رہے۔ اب میں تمہارا ڈھانچہ اسے بطور تحفہ بھیجوں گا' کہ اسے اندازہ ہوسکے کہ میں بھی کیا چیز ہوں۔''

''تم جو خواب دیکھ رہے ہو اور سوچ رہے ہو' وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔'' میں نے لڑتے ہوئے برہمی سے کہا کہ اوّل تو تم مجھے مار نہیں سکتے.... اگر میں مرگیا تو بملا کی شادی س سے کرو گے.... میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرا اور بملا کا بچہ چاہئے' کیونکہ تم اسے اپنے یطانی اور گھناؤنے مقاصد کے لیے ذبح کرسکو۔ بملا! یہ مردود ہے' اسے تمہارے بچے کے ان کی ضرورت ہے۔''

''ذرا اسے غور سے دیکھو کرجی!'' وہ استہزائی لہجے میں بولا ''یہ تمہاری بملا نہیں' ری آشا ہے۔''

''کیا....؟'' میں اچھل پڑا ''مگر ان دونوں کی شکل میں تو....!''

''اسے میں نے بملا کا ہم شکل بنایا ہے اور تم اسے دیکھ کر دھوکا کھاگئے۔'' ہرنبس ل قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔

''میری بملا کہاں ہے مردود! جلدی سے بتا۔'' میں نے ہیجانی لہجے میں کہا ''ا...
جلدی سے بلاؤ ورنہ تیری خیر نہ ہوگی۔''

''تمہاری بملا...؟' اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا ''تمہاری بملا کو میں نے موت
کے غار میں قید کردیا ہے' جو میسور کے جنگل کے پاس ہے۔ تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔ مچھر...
صرف تمہارا خون چوس رہے ہیں' بلکہ گوشت بھی کھا رہے ہیں۔ اب تم زیادہ سے زیاد...
تھوڑی دیر کے مہمان ہو...''

''تم نے شاید غور نہیں کیا.... میرا خون ان کے لیے زہر بن گیا ہے۔ یہ دیکھو...
کس طرح مر مر کر فرش پر گر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

ہربنس لال نے مچھروں کو گر کر مرتے دیکھا تو وہ ششدر رہ گیا۔ اسے اور آشا ...
جیسے یقین نہیں آیا۔ آشا بھی حیران اور ہراساں سی ہورہی تھی۔ پھر ہربنس لال نے کہا تو اس
کی آواز بے جان سی ہوگئی۔ ''اب میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے زندہ بچتے ہو۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا رُخ میری جانب کر کے کوئی منتر پڑھا
اس کی انگلیوں سے شعلوں کی بارش ہونے لگی۔ دہکتے ہوئے انگارے تھے' جو میرے جسم ...
ٹکرا رہے تھے۔ لیکن وہ انگارے جیسے ہی میرے بدن سے ٹکراتے' پھول بن کر فرش پر بکھ...
جاتے۔ پھولوں کا ڈھیر لگ گیا۔ یہ دیکھ کر ہربنس لال اور آشا کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ حیران
تھا کہ اس کے جادو کا اثر الٹا ہورہا ہے۔ وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اس کے ہاتھوں
سے بھسم ہونے سے بچ جاؤں گا۔

اس نے اپنی جیب سے گیند نما ایک سیاہ رنگ کا گولہ نکالا اور بڑے زور سے فرش
پر دے مارا۔ پورے کمرے میں گاڑھا اور کثیف دھواں بھر گیا۔ جس سے گھپ اندھیرا ہو گیا
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ جب دھواں چھٹا تو میں نے دیکھا ہربنس لال اور آشا
غائب ہیں۔ کوئی دس عدد چڑیلوں نے مجھے اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ ان کی مکروہ او...
خوفناک شکلیں' لمبے لمبے دانت' موٹے بھدے ہونٹ' بارہ بارہ انچ لمبے ہاتھ پیروں کے ناخن'
خونخوار درندوں جیسی بڑی بڑی لال لال آنکھیں۔ میرے بدن پر سنسنی دوڑ گئی۔ میں مضبوط
اعصاب کا مالک نہ ہوتا' میرے ہاتھ میں انگوٹھی اور چھری نہ ہوتی تو شاید میں خوف او...
دہشت سے بیہوش ہوجاتا۔ ان چڑیلوں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ میں نے فوراً ...

...ماتی چھری نکال کر اسے فضا میں اچھال دیا۔ اس چھری نے اپنا کمال دکھانا شروع کیا۔
...نے بجلی کی سی سرعت سے ایک ایک چڑیل کا تن سے سر جدا کرنا شروع کردیا۔ ایک سر
...ٹ کر فرش پر گرتا' دھڑ سے خون کا فوارہ اُبل پڑتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں اس طلسماتی چھری
...تمام چڑیلوں کے سر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے۔ فرش خون کی ندی بن گیا۔
...وہ چھری میرے پاس آئی تو میں نے اسے تھام کر کپڑوں میں چھپا لیا اور کمرے سے
...آیا۔ پھر میں نے تمام کمروں میں جھانک کر دیکھ لیا۔ ہربنس لال اور آشا کا نام و نشان
...نہ تھا۔ میں نے جیب سے آئینہ نکالا' تاکہ دیکھوں تو سہی وہ کہاں ہیں۔ آئینہ میرے
...سے چھوٹ کر فرش پر گرا۔ اس کی کرچیاں فرش پر بکھر گئیں۔ آئینے کے ٹوٹنے کا مجھے
...ہی صدمہ ہوا۔ یہ بڑے کام کی چیز تھا۔ پھر مجھے ماروتی اور رُوپا کا خیال آیا تو میں ان
...کے نام لے کر انہیں آوازیں دینے لگا۔

صرف ماروتی عورت کے روپ میں آئی۔ روپا ساتھ نہیں تھی۔ میں نے اس سے
...ہا ''روپا کہاں ہے؟ کیا وہ جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہے؟''

''وہ ایک ناگ کے ساتھ مہادیو نگر چلی گئی ہے' تاکہ اس کے سنگ چاندنی راتیں
...ار سکے۔'' وہ مجھے دزدیدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی ''یہ اس کا پرانا محبوب ہے۔ وہ کسی
...ناگن کے ساتھ چلا گیا تھا' لیکن اب اسے روپا کی محبت کھینچ لائی۔''

''تم نے ہربنس لال اور آشا کو گھر سے باہر نکل کر کہیں جاتے دیکھا ہوگا'' میں
...کہا ''وہ دونوں نظر آئے؟''

''نہیں تو...'' ماروتی نے سر ہلایا۔ ''کیا وہ دونوں اندر نہیں ہیں؟''

''میں نے اندر کا ایک ایک کونا دیکھ ڈالا۔ وہ کسی اور راستے سے فرار ہوگئے
...'' میں نے اسے مختصر طور پر اندر پیش آنے والا واقعہ بتایا۔ ''وہ اپنا جادو بے اثر دیکھ کر
...خوف سے آشا کو لے کر بھاگ گیا کہ کہیں میں اسے مار نہ ڈالوں۔''

''وہ میسور کے جنگل کی طرف چلا گیا ہوگا۔'' ماروتی بولی۔ ''موت کا غار اس
...قے میں ہے۔ کسی کو مارنا ہو اور دشمن سے بدلہ لینا ہو تو جادوگر اسے وہاں لا کر قید کردیتے
...وہ دونوں جادو کے زور سے وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔''

''میسور کا جنگل یہاں سے کتنی دُور ہے...؟ کیا مہادیو نگر کا سیاہ جنگل میسور کا جنگل

نہیں کہلاتا ہے؟''

''زیادہ دُور نہیں ہے۔ میسور کا جنگل بنگال کے سندر بن جنگل سے بھی بڑا ہے۔ اس کی سرحدیں سندر بن کے جنگل سے بھی ملتی ہیں۔ دراصل سیاہ جنگل اس کا ایک حصہ ہے۔ آج سے ہزار برس قبل جادوگروں نے اسے اپنا مسکن بنا کر اسے بہت ہی خوفناک' خطرناک اور جادو کا جنگل بنا دیا ہے۔''

''کیا تم مجھے میسور کے جنگل پہنچا سکتی ہو...؟'' میں نے کہا۔ ''میں راستہ نہیں جانتا ہوں۔ وہ کس سمت واقع ہے۔ یہ بھی تو نہیں معلوم۔''

''کیوں نہیں پہنچا سکتی۔ کہو تو میں تمہیں کوہ قاف بھی پہنچا دوں' جہاں پریاں رہتی ہیں۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''لیکن کیا تم کسی پری سے کم ہو۔'' میں نے جواباً شوخی سے کہا ''تمہیں کوہ قاف میں ہونا چاہئے تھا۔''

''لیکن وہاں صرف پریاں ہوتی ہیں اور وہاں کسی پری زاد کو رہنے کی اجازت نہیں ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی ''میرا کسی پری کی طرح حسین ہونا فضول ہی ہے۔ کاش' میں حسین نہ ہوتی' چڑیل کی طرح ہوتی۔''

''یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' میں نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ ''اتنی بددل کیوں ہو رہی ہو؟''

''اس لیے کہ تم میرے پاس رہ کر بھی دُور ہو۔ کٹھور دل ہو۔ تمہیں میرے جذبات اور امنگوں کا کوئی احساس نہیں ہے۔''

''یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ اب تم جلدی سے مجھے لے چلو.... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ذلیل' کمینہ بملا کو موت کی نیند سلا دے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اب تم میرے کندھے پر سوار ہو جاؤ۔'' وہ زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ ''اپنی آنکھیں بند رکھنا۔ جب تک میں نے کہوں اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولنا۔ اگر تم نے آنکھیں کھول دیں تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔''

''میں نے آنکھیں بند کر لیں اس پر سوار ہونے کے بعد.... پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہو رہی ہے۔ میں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر مضبوطی

سے اسے تھام رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایسا لگا میں بہت بلندی پر پہنچ گیا ہوں۔ وہ ہوائی جہاز کی طرح تیزی سے پرواز کرتی جا رہی ہے۔ پھر وہ کچھ دیر بعد تیزی سے نیچے آتی گئی۔ پھر جیسے زمین پر بیٹھ گئی اور بولی ''اب آنکھیں کھول دو۔''

میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے اپنے آپ کو پہاڑی جنگل میں پایا۔ پہاڑوں اور پہاڑیوں کا سلسلہ اطراف میں دور دور تک چلا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ جنگل کا اندرونی حصہ ہے۔ ہم جس پہاڑ کے پاس کھڑے تھے' وہ پہاڑ کا دامن تھا۔ رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور جنگلی درندوں کی فضا میں گونجتی آوازیں وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اس کے کندھے سے اتر کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا ''موت کا غار کہاں ہے....؟''

''اس پہاڑی کے عقب میں ایک آبشار ہے... آبشار سے تھوڑے فاصلے پر وہ غار ہے۔'' اس نے کہا ''آؤ چلیں...''

جب ہم آبشار کے پاس پہنچے تو ماروتی بولی ''ہم دونوں کو اشنان کر لینا چاہئے۔ اس کے پانی سے نہ صرف ساری تھکن' بلکہ کسل مندی بھی دور ہو جائے گی۔ اس آبشار کے پانی میں یہ خوبی ہے کہ وہ بڑا توانائی بخش ہے۔''

اس جنگل میں ہم جوانی کے جنگل سے گزرنے کے بعد آبشار کی دائیں جانب بڑھے۔ وہ چند قدم چل کر رک گئی تو میں نے پوچھا کہ کیا ہوا تم رک کیوں گئیں؟ اس نے کہا۔ ''آبشار کے اس طرف ایک جادوئی حفاظتی حصار ہے۔ سانپ اور کوئی غیر مرئی ہستی اس حصار میں قدم رکھتے ہی جل جائے گی۔ البتہ تم محفوظ رہو گے کیوں کہ ایک تو انسان ہو اور تمہارے پاس چاندی کا یہ چھلا ہے۔ اس چھلے نے تمہیں مچھروں اور ہربنس لال کے جادوئی حملوں سے بچایا۔''

''تم اس حصار کے قریب تک تو چلو....'' میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کر لیا۔ پھر ہم چلنے لگے۔ اس آبشار میں اشنان کرنے سے ماورتی کا حسن و شباب اور شباب بدن کا گداز دو آتشہ بن گیا تھا۔ آبشار کے پانی نے اسے جیسے ایک نیا حسن' نئی دلکشی اور رعنائیاں دی تھیں۔ چلتے چلتے مادرتی نے بتایا کہ اگر اسی برس کی عورت اس پانی میں اشنان کر لے تو وہ سولہ برس کی جوان لڑکی بن جائے گی۔ اسے پھر سے کھوئی ہوئی جوانی مل

جائے گی۔ اس کے حسن کی کرشمہ سازیاں قیامت بن جائیں گی۔ اس طرح مردوں میں بھی کوئی سادھو، پنڈت اور پجاری اور زاہد ہی کیوں نہ اشنان کر لے لیکن اپنی پارسائی قائم نہیں کر سکتا۔ وہ بھی پھر سے ایک نئی طاقت اور نئی جوانی حاصل کر لیتا ہے۔ ماروتی کی یہ بات غلط نہ تھی۔ اس نے بتایا کہ یہاں چاندنی راتوں میں سانپ، ناگ اور ناگنیں آ کر اشنان کرتی ہیں۔ وہ بھی کئی بار کر چکی ہے۔

ہم باتیں کرتے ہوئے چند لمحوں کے بعد اس حصار کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

اس نے اشارے سے بتایا کہ غار کا دہانہ کہاں ہے۔ میں اکیلا ہی اس طرف بڑھا۔ جب میں گھوم کر وہاں پہنچا تو وہاں ایک اور آبشار گر رہی تھی جس پر ایک چادر کا دھوکا ہو رہا تھا۔ اس کے عقب میں ایک روشنی دکھائی دی جو کسی بڑے مٹی کے دیئے کی سی تھی۔ وہ دیا غار کے دہانہ پر روشن تھا۔ اس غار کے تین اطراف میں آبشار کا پانی بہہ رہا تھا اور پانی سے گزرے بغیر غار تک پہنچنا دشوار تھا۔ کوئی اور ایسا راستہ دکھائی نہیں دیا جس سے جایا جا سکے۔ آبشار کا پانی گرنے اور جمع ہونے سے جو جھیل بن گئی تھی لیکن اس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ غار تک پہنچنے پر کون سی رکاوٹ پیش آ سکتی ہے۔

میں سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح اس آبشار تک پہنچوں آبشار گرنے کا شور ایکدم بند ہو گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ آبشار گر رہا تھا۔ پھر ایک دم سے بے کراں سناٹا چھا گیا۔ پھر اس سناٹے میں ایک انسانی آواز گونجی۔ میں نے اس طرف کان لگا دیئے کیوں کہ آواز دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ایک نسوانی آواز تھی۔ کوئی عورت جیسے سسکیاں بھر رہی ہو۔ یہ آواز ایک قریبی چٹان کے عقب سے آ رہی تھی۔ آواز شناسا سی لگ رہی تھی۔

''ستیش...... تم کہاں ہو ستیش! بھگوان کیلئے میری مدد کرو۔ ورنہ......''

یہ آواز بملا کی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی میں ایک دم سے اچھل پڑا۔ میں سرعت سے اس طرف لپکا۔ چٹان کے عقب میں پہنچتے ہی مجھے ٹھٹک کر رک جانا پڑا کیوں کہ وہاں بملا ہی موجود تھی لیکن وہ دو منوں وزنی پتھروں کے درمیان کسی پرندے کی طرح بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ وہ ان کے درمیان سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور جدوجہد میں شاید اس کے جسم میں درد اور تکلیف ہو رہی تھی اس لیے وہ رو بھی رہی تھی۔ درد کی شدت نے اسے بیکل کر دیا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس کی طرف دیوانہ وار بڑھا۔ مجھ سے اس کی تکلیف، بے

بسی اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھے نہیں جا رہے تھے۔

''بملا...... بملا......'' میں ہذیانی لہجے میں بولا۔ ''تم صبر کرو میں آ گیا ہوں۔ تمہارا ستیش آ گیا ہے۔''

میں نے اس کے پاس پہنچ کر اس کے آنسو پونچھے اور پوچھا۔ ''تمہارے ساتھ یہ سلوک کس خبیث نے کیا ہے۔''

''ہربنس لال نے......'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

اس کمینے کے علاوہ کسی اور کی حرکت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے بملا کو اس لیے ان پتھروں کے درمیان دبا دیا تھا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ میری رگوں میں لہو ابلنے لگا۔ یہ پتھر اتنے وزنی تھے کہ اسے دس آدمی مل کر ایک طرف ایک انچ بھی سرکا نہیں سکتے تھے۔ مجھ پر چوں کہ ایک دیوانگی سی سوار ہو گئی تھی اس لیے میں نے پتھر ہٹانے کیلئے پورا زور لگا دیا پھر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پتھر نے آپ ہی آپ حرکت کی اور ایک طرف سرک گیا اور پھر لڑھکتا ہوا ایک جگہ پر رک گیا۔ اس پتھر کے سرکتے ہی اتنا خلا پیدا ہو گیا کہ تین چار آدمی بھی کھڑے ہو سکتے تھے۔ بملا فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور میرے پاس آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ پھر میں اسے سہارا دے کر اس درخت کے نیچے لے آیا جہاں سبزہ تھا۔ وہاں پہنچ کر بملا اس قدر جذباتی ہو گئی کہ ہم دونوں اپنے آپ میں نہیں رہے۔ کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ ہم انسانوں سے جانور بن گئے تھے۔ جذبات کی فراوانی میں اتنی دور نکل گئے کہ واپسی کا خیال نہیں رہا۔

میرے لیے حیرت کی بات تھی کہ بملا ہرگز ایسی لڑکی نہیں تھی کہ جذبات کی رو میں بہہ جائے اور طوفان بن کر چھا جائے۔ وہ مجھے پا کر اتنی خوش ہوئی تھی کہ اس نے اپنا سب کچھ مجھے سونپ دیا تھا اور مجھ پر مہربان ہو گئی تھی۔ اس نے نشاط انگیز لمحات کے دوران مجھے پوچھا کہ میرے پاس ایسی کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے مجھ پر ہربنس لال کا جادو چل نہ سکا اور تمام خونی زہریلے مچھر مر گئے۔ رنگا سوامی نے آخر تمہیں ایسی کونسی چیز دی ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ بعد میں بتاتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد جب ہم طوفانوں سے نکل آئے تب اس نے میرے گلے میں

اپنی مرمریں بانہیں حمائل کر دیں اور پھر اپنا سوال دہرایا۔ تو یک لخت میرے دل کے کسی کونے میں ایک شبہے نے سر اٹھایا۔ یہ بملا کو کیسے معلوم؟ وہ تو اس کمرے میں موجود نہیں تھی۔ اسے پہلے سے ہی موت کے غار میں لے جا کر قید کر دیا گیا تھا۔ وہ وہاں سے رہائی پا کر کیسے نکلی۔

''تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا بملا؟'' میں نے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''ہربنس لال نے.....'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ تم کوئی ایسی چیز لے آئے ہو جو بڑی زبردست ہے اور اس پر کوئی چیز اثر نہیں کر سکتی..... نہ ہی کالی ماتا کے سوا کوئی دوسرا تمہاری جان لے سکتا ہے۔''

''میں یہاں اس لیے بتا نہیں سکتا کہ ہربنس لال کی غلام روحیں جو شاید آس پاس موجود ہوں گی وہ سن نہ لیں۔''

''تم میرے کان میں سرگوشی کر کے بتا دو.....؟'' اس نے مجھے مخمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... نہیں بملا!'' میں نے کہا۔ ''میں شادی کی پہلی رات ہی تمہیں بتاؤں گا۔ تم اتنی بے صبری نہ دکھاؤ۔''

''میری جان بتا دو نا.....'' وہ اصرار کرتے ہوئے میرے چہرے پر جھک گئی۔ اس میں اتنی محبت، گرم جوشی اور سپردگی تھی کہ میں برف کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے اپنی بانہیں جو میری گردن میں حمائل کر دی تھیں غیر محسوس انداز سے ان کا حلقہ تنگ ہوتا گیا تھا۔ اس نے میرے ہونٹوں میں جو اپنے ہونٹ پیوست کیے ہوئے تھے انہیں ہٹا کر اس نے میرے شانے میں پیوست کر دیئے۔ دوسرے لمحے میں نے محسوس کیا کہ اس نے اپنے دانت میری گردن میں گاڑ دیئے ہیں جو بے حد نوکیلے سے لگ رہے تھے۔ بملا کے دانت ایسے نہیں تھے۔ میں نے ہاتھ سے اس کے سر کے بال پکڑ کے اس کا چہرہ ہٹا کر دیکھا۔ اس کے دانت کوئی دس دس انچ لمبے ہو گئے تھے۔ اس نے پھر میرے شانے میں دانت گاڑنے کی کوشش کی تو میں نے اس کی گردن دبوچ لی اور ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ پھر شانے سے الگ کیا تو اس کی شکل بدل چکی تھی۔ وہ بملا نہ تھی۔ ایک بوڑھی خون خوار چڑیل کے روپ میں تھی۔

اس کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک تھی۔ ہربنس لال نے اس چڑیل کو بملا کے روپ میں اس لیے بھیجا تھا کہ میری طاقت کا راز معلوم کر سکے لیکن وہ ناکام ہو گئی تھی اور میں ہشیار اور چوکنا ہو گیا تھا۔

میں نے اس کے منہ پر اتنے زور سے تھپڑ رسید کیا کہ وہ زمین پر گر پڑی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر کھڑی ہوتی میں نے اپنی چھری لباس میں سے نکال کر اس کے سینے میں دل کی جگہ اتار دی۔ اس نے ایک دل دوز چیخ ماری اور اٹھ کر پلٹ کر آبشار کی طرف بجلی کا کوندا بن کر لپکی۔ میں بھی چھری لہراتا اس کے تعاقب میں تھا۔

''بچاؤ..... ہربنس لال بچاؤ..... یہ مجھے مار رہا ہے۔ مجھے بچا لو۔'' وہ چیختی چلاتی جا رہی تھی۔

آبشار کی جھیل کے پاس پہنچ کر اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور جھیل میں کود گئی۔ اس نے پھر پلٹ کر مجھے دیکھا وہ پانی میں دوڑ رہی تھی اور میں جھیل کے کنارے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا۔ یہ دیکھ کر میں بھی جھیل میں اتر گیا کیوں کہ اس کی گہرائی اتنی نہ تھی کہ آدمی ڈوب جائے۔ وہ آبشار کے قریب پہنچی اور آبشار کے پہلو سے گزر کر دوسری طرف پہنچ گئی۔ میں ٹھٹک کر رک گیا کیوں کہ جو دیا غار کے دہانے پر جل رہا تھا اس میں سے ایک بڑا شعلہ نکلا اور اس چڑیل کی طرف لپکا۔ اس نے چڑیل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے کپڑوں اور جسم میں آگ لگ چکی تھی۔ وہ جلتی ہوئی پلٹی اور پانی میں جا گری لیکن پانی میں اس کی آگ بجھ نہ سکی۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ بھسم ہو چکی تھی۔ پھر اس کی سوختہ لاش پانی میں ڈوبتی چلی گئی۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔

دوسرے لمحے میں مخالف سمت بڑھنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد پانی میں چلتا ہوا آبشار کے عقب میں خشک جگہ پر پہنچ گیا۔ قریب ہی غار کا دہانہ تھا اور وہاں ایک دیا روشن تھا۔ میں غار کے دہانے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غار سے شیر کی دہاڑ سنائی دی۔ پھر اگلے لمحے غار سے ایک شیر نمودار ہوا اور اس نے مجھے دیکھتے ہی ایک جست لگائی۔ میں نے تیزی سے ایک طرف ہٹ کر اپنے آپ کو بچایا لیکن اس کوشش میں میرے ہاتھ میں جو چھری تھی اس سے وہ زخمی ہو کر تڑپنے لگا اور چند لمحوں بعد مر گیا۔ اس کے مرتے ہی شیر کی لاش ایک انسانی ڈھانچے میں بدل گئی۔

ہربنس لال یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھ پر کوئی جادو نہیں چل رہا ہے اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پہلے ایک چڑیل کو بملا کے روپ میں بھیجا اور اب ایک ڈھانچے کو شیر کی شکل میں مجھ پر حملہ کروایا۔ اسے منہ کی کھانی پڑی تھی۔ میں اس انگوٹھی کی وجہ سے جو دراصل وہ چھلا تھا کی وجہ سے ہر بلا اور مصیبت سے محفوظ رہا تھا۔ میں نے چھری کپڑوں میں چھپالی۔ پھر غار کے دہانے کی طرف بڑھا۔ میں نے قدم رکھا ہی تھا کہ آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ شعلوں سے بچ کر غار میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ میں ان شعلوں کے بہت قریب کھڑا تھا لیکن ان کی تپش بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اس چھلے کے باعث شعلے مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے میں بے دھڑک شعلوں سے گزرتا ہوا غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں داخل ہوتے ہی نہ صرف شعلے بجھ گئے بلکہ مٹی کا دیا بھی' مجھ پر آنچ تک نہیں آئی۔ میرا جسم اور کپڑے محفوظ رہے۔

غار میں ایسا گھپ اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ غار میں ہولناک آوازیں گونج رہی تھیں۔ یہ بدروحوں کی تھیں۔ پھر مجھے ہر سمت گہرے اندھیرے میں بہت ہی بڑی بڑی خوں خوار آنکھیں جو نارنگی کے سائز میں تھیں اور جن میں خون ٹپک رہا تھا وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ ان چیخوں سے میرا دل دہل رہا تھا تاہم میں پرسکون سا تھا۔ میں نے سوچا کہ بملا اس غار میں کہاں قید ہو سکتی ہے۔ میں نے اس کا نام لے کر متعدد بار پکارا لیکن میری آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ ان بدروحوں کی چیخوں میں میری آواز گم ہو کر رہ گئی۔ میں ایک سمت کا اندازہ کر کے بڑھا تھا کہ میرا پیر پھسلا اور مجھے ایسا لگا کہ میں کسی گہری کھائی میں گرتا جا رہا ہوں۔ پھر میں خوف سے بے ہوش ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ریت کے ٹیلے پر پڑا پایا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میری نظروں کے سامنے ایک قدیم اور شکستہ مندر تھا جو کوئی سو قدم پر تھا اس ویرانے میں اس مندر کے علاوہ کوئی اور عمارت نہ تھی۔ نہ ہی دور دور تک کسی انسان اور جانور کا نام و نشان نظر آ رہا تھا۔ جنگل' بیاباں میں مندر دیکھ کر حیرت ہوئی کیوں کہ چاروں سمتوں میں دور دور تک کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر مندر کے پاس گیا اور اندر داخل ہو گیا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ کہیں ہربنس لال اس مندر میں چھپا ہوا نہ ہو۔ اس مندر میں ایک

طویل راہداری تھی جس کے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف بہت ہی بڑا ہال تھا جو پوجا پاٹ کیلئے تھا۔ اس کا منقش دروازہ بھڑا ہوا سا تھا۔ اس ہال میں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ کالی چرن داس...... کالی چرن داس...... یہ آوازیں سن کر میں حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا کیوں کہ میں اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر دروازے کو اتنا کھولا کہ جھری بن گئی۔ اس میں کالی چرن داس کا بہت بڑا مجسمہ ایستادہ تھا۔ اس کے سامنے کئی پجاری ہاتھ باندھے پرارتھنا میں مصروف تھے۔ میں اندر داخل ہوا۔ میں سب سے پیچھے کھڑا پرارتھنا میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو سارے پجاری گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ میں اکیلا اتنے بڑے ہال میں موجود تھا اور اس ہال میں ایک گرج دار آواز گونجی۔ ''ستیش مکرجی! آؤ بہت اچھا کیا تم آ گئے۔''

''آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ مہاراج!'' میں نے ادھر ادھر دیکھا کہیں کالی چرن داس دکھائی نہیں دیئے۔

''ہم تمہیں اس شرط پر معاف کرتے ہیں کہ تم ہربنس لال کی بھینٹ دو۔'' کالی چرن داس نے کہا۔ ''تم نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ تمہیں کافی سزا مل چکی ہے۔ تم جیسے ہی اسے قتل کر دو گے تمہارا بازو اور بملا تمہیں مل جائے گی۔''

''وہ معلوم نہیں کہاں ہے؟'' میں نے کہا۔ ''اس کا کچھ پتا نہیں چل رہا ہے۔''

''وہ واپس بملا اور آشا کو ساتھ لے کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکا ہے۔ وہ نابکار بملا کی عزت سے کھیلنا چاہتا ہے۔ بملا کی جان بھی خطرے میں ہے۔ تم وہاں جلدی سے پہنچو۔'' کالی چرن داس کی آواز آئی۔ مجھے ایسا لگا کہ ان کا مجسمہ بول رہا ہے۔

''مجھے راستہ نہیں معلوم ہے۔ مجھے ماروتی لے کر آئی تھی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اب تو اپنی آنکھیں بند کرو...... ایک لمحے کے بعد کھول دینا۔'' کالی چرن داس بولے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لمحے کے بعد آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ہربنس لال کے مکان کے ایک کمرے میں پایا۔ برابر کے کمرے میں باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے کمرہ کھول کر اندر جھانکا میں بھونچکا سا ہو گیا۔ کمرے میں میرا

عکس تھا۔ ہربنس لال نے میرا بہروپ ہو بہو بھرا ہوا تھا اور بملا سے دست درازی کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی اور مزاحمت بھی کرتی جا رہی تھی۔ ''مکر جی! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے...... تم میری عزت لوٹنے کے درپے کیوں ہو رہے ہو...... شادی کے بعد میں اور میرا بدن تمہاری ملکیت ہو گا۔ میری روح بھی......''

''میں شادی تک تمہارا انتظار نہیں کر سکتا......''

''ہربنس لال...... بملا کو چھوڑ دو......'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

ہربنس لال میری آواز سنتے ہی اچھل پڑا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بملا کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔ بملا حیرت اور خوف سے اسے اور مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے بملا سے کہا۔ ''یہ کمینہ ہربنس لال ہے...... میرا بہروپ بھر کے تمہاری عزت لوٹنے کی کوشش کر رہا تھا...... اب میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

میں نے اتنا کہہ کر کپڑوں میں سے چھری نکالی اور اس کی طرف اچھالی۔ ''کالی چرن داس مہاراج! میں آپ کو اس کی بھینٹ دے رہا ہوں۔'' چھری فضا میں تیرتی ہوئی ہربنس لال کی طرف لپکی۔ اسے سنبھلنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ چھری نے اس کا گلا گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ اس کا سر فرش پر گرا۔ وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا تھا۔ اس کی کٹی گردن سے خون کا فوارا ابل پڑا۔

ایک پل کی بھی دیر نہیں ہوئی۔ چشم زدن میں میرا بازو مجھے مل گیا۔ اب میرے دونوں بازو صحیح سالم اور سلامت تھے۔ کالی چرن داس نے میری بھینٹ قبول کر کے مجھے معاف کر دیا تھا لیکن یہ سب کچھ میرے لیے کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔

☆......☆......☆

میں بملا کو لے کر اس کے باپ کے پاس پہنچا۔ اس نے اپنی بیٹی کی جدائی میں رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ میں بملا سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ میرا مشن ادھورا رہ جاتا۔ باپ اپنی بیٹی کو پا کر بہت خوش ہوا تھا۔ میں اسی دن ایک بہانے سے وہاں سے نکلا۔ ایک پوسٹ آفس جا کر بملا کے نام ایک چٹھی لکھی کہ وہ مجھے بھول جانے کی کوشش کرے کیوں کہ میں کسی وجہ سے اس سے شادی نہ کرنے پر مجبور ہوں۔ میں دعا کروں گا کہ تمہیں کوئی اچھا جیون ساتھی مل جائے۔ پھر میں نے وہ چٹھی پوسٹ کر دی۔ میں نے واپس اپنے دیش جانے کا فیصلہ کر لیا۔

جب میں اپنے دیش جا رہا تھا تو ایک لانچ کے عرشے پر سفر کر رہا تھا۔ مجھے جیسے ہی میرا بازو ملا وہ چھری اور چھلا بھی غائب ہو گئے تھے۔ رنگا سوامی نے مجھے ہربنس لال کو قتل کرنے کیلئے یہ دونوں چیزیں دی تھیں۔ اب مجھے ان کی ضرورت نہ تھی۔ میں بملا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ میری چٹھی پڑھ کر اس کے نازک دل پر کیا گزری ہو گی لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ وقت بڑا مرہم ہے۔ اس کی کسی سے شادی ہو جائے گی۔ اس کے بچے ہو جائیں گے۔ وہ اپنی دنیا میں گم ہو کر ماضی کو فراموش کر دے گی۔

مجھے ایکدم سے ہربنس لال کا خیال آیا جس نے مجھے بہت پریشان اور ہراساں کیا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے۔ لانچ بڑی تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ نیچے والے عرشے پر مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔ گہری تاریکی تھی اور تاروں بھری رات تھی۔ میں ایک تنہا گوشے میں لیٹا ہوا تھا۔ میں آسمان کے سینے پر بکھرے تاروں کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایسا لگا کہ کوئی میرے قریب کھڑا مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرے جسم پر سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سامنے دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے سامنے

ہربنس لال کھڑا مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

مجھے یقین نہیں آیا کہ ہربنس لال زندہ ہو گیا ہے۔ پھر خیال آیا کہ یہ اس کی روح ہے لیکن وہ کیوں اور کس لیے آئی ہے؟ کیا وہ ساری زندگی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا؟ کیا وہ مجھ سے اپنی دردناک موت کا انتقام لینے آیا ہے؟"

"تمہارا اصل نام سندر مکرجی ہے لیکن تم اپنے آپ کو ستیش مکرجی کہتے ہو؟"

ہربنس لال قہقہہ مار کر ہنسا۔

"میرے ماں باپ نے میرا نام سندر مکرجی رکھا تھا۔ چوں کہ اس نام کے دو ایک لوگ تھے اس لیے میں نے اپنا نام بدل لیا۔"

"تم نے صرف اپنا نام بدلا ہے لیکن میں تمہیں بدلنے آیا ہوں......" ہربنس لال نے کہا۔ "کل سے تم ایک بہت برے آدمی بن جاؤ گے۔ ایک ذلیل اور ہوس پرست انسان...... لوگ تمہیں اچھا نہیں سمجھیں گے۔"

"تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم مجھے بدل نہیں سکتے۔ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔"

"میری بہت ساری غلام روحیں میری تابع تھیں۔" اس نے کہا۔ "ان میں ایک روح راج کپور کی تھی جس کی کمزوری عورت تھی۔ وہ جب تک زندہ رہا اس نے ہر عمر کی عورتوں کی عزت برباد کی پھر اس کا انجام بہت برا ہوا۔ ایک روز اسے اپنے کیے کی یہ سزا ملی کہ اسے ایک تیرہ برس کی لڑکی نے ذبح کر دیا کیوں کہ وہ اسے یرغمال بنا کر کئی دنوں تک ہوس کا نشانہ بناتا رہا...... اس کی روح تمہاری آتما میں سما جائے گی۔ تمہارے بھی اس کے جیسے کرتوت ہو جائیں گے۔"

"اول تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔ "تمہیں اس سے کیا حاصل ہوگا؟ کیا فائدہ ہوگا؟"

"کیوں نہیں ہوگا...... ضرور ہوگا...... میں چوں کہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیوں کہ رنگا سوامی کی تمہیں آشیرباد حاصل ہے۔ اس لیے اس طرح سے تم سے بدلہ لے رہا ہوں۔ عورت تمہاری بھی کمزوری رہی ہے۔ ہر مرد کی کمزوری ہوتی ہے۔ تم نے شیام پور میں ناگنوں کے ساتھ خوب عیش اڑایا۔ کسی دن کوئی عورت تمہارے ہاتھوں بے عزت ہونے کے

بعد تمہیں اس طرح ذبح کر دے گی جس طرح تم نے مجھے ذبح کیا تھا۔"

"میں نے تمہیں اس لیے قتل کیا کہ تم نے میرے اور بملا کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ تم اس قابل تھے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے۔"

"اب تم اس قابل ہو کہ تم سے حساب بے باک کیا جائے...... میں نے اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کیا۔ تمہیں معاف کرنے سے رہا۔ مر کے بھی تمہیں نہیں بخش رہا ہوں۔ اب تم سے تمہاری آتما سے پرلوک میں ملاقات ہوگی۔"

اتنا کہہ کر اس کی روح غائب ہو گئی۔ میں نے ایک لمحے کیلئے سوچا کہ یہ حقیقت نہیں خواب تھا۔ جاگتے میں جو ہربنس لال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ خواب کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ خواب میں نے جاگتے میں دیکھا تھا۔ یوں بھی میں کوئی بدکار نہیں تھا۔ حالات اور اتفاقات کچھ ایسے پیش آئے تھے کہ عورت کے قرب سے میں اپنے آپ کو بچا نہ سکا تھا۔ جب میں بملا کو میسور سے اس کے شہر اس کے گھر لے جا رہا تھا۔ ریل گاڑی کی بکنگ دو دن کے بعد کی تھی تو ہمیں خود کو میاں بیوی ظاہر کر کے ایک کمرے میں ٹھہرنا پڑا تھا۔ الگ الگ کمرہ اس لیے نہیں لے سکتے تھے کہ ہوٹل والوں کو شک ہو جاتا۔ وہ یہ سمجھتے کہ میں اس لڑکی کو بھگا کر لایا ہوں۔

میں یہ سب کچھ سوچتے ہوئے گہری نیند سو گیا۔ ایک شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ یہ مسافروں کی چیخیں تھیں۔ لانچ دریا کی بے رحم موجوں پر ڈول رہی تھی۔ طوفان اچانک آ گیا۔ بنگال میں اچانک طوفان کا آ جانا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں نیچے آ گیا۔ لانچ کی رفتار نہ صرف کم ہوئی تھی بلکہ طوفان اسے اپنی سمت بہا کے لے جا رہا تھا۔ گھپ اندھیرے اور بادو باراں کی وجہ سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا لانچ کہاں جا رہی ہے۔ عورتیں اور بچے خوف و دہشت اور موت کے تصور سے لرزہ براندام تھے اور مرد بظاہر حوصلے سے کام لے رہے تھے اور عورتوں اور بچوں کو دلاسے دے رہے تھے لیکن وہ بھی اندر سے بری طرح سہمے ہوئے تھے۔ طوفان اس قدر شدید تھا کہ لانچ ناؤ کی کشتی کی طرح چلی جا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بھی لمحے ڈوب سکتی ہے۔ بھگوان سے پرارتھنا کی جا رہی تھی۔

طوفان صبح کہیں جا کر تھما۔ لانچ معلوم نہیں رات کے آخری پہر کس جگہ آ کر رک گئی تھی۔ صبح کے اجالے میں پتا چلا کہ ہم لوگ سندیپ جزیرے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ بھگوان

نے بڑی دیا کی تھی۔ لانچ ڈوبنے سے بچ گئی تھی۔ میں نے سندیپ جزیرے پر اترنے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے یاد آیا کہ سندیپ میں میرے پتا جی کے بچپن کے ایک دوست اتم کمار رہتے ہیں۔ ان کی ایک دکان بھی ہے۔ ان کا بیٹا جو میرا ہم شکل تھا اور جڑواں بھائی لگتا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ وہ جب کبھی میرے پتا جی سے ملنے آتے تھے اپنے آنجہانی بیٹے کو یاد کرکے مجھے گلے سے لگا لیتے تھے۔ مجھے مسافروں کی زبان سے پتا چلا تھا کہ ابھی فرقہ وارانہ حالات قابو میں نہیں آئے ہیں۔ تاہم سندیپ میں امن ہی امن ہے۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ کچھ عرصہ یہاں گزارلوں۔ جب میں اتم کمار بابو کے ہاں پہنچا تو انہوں نے اور ان کی پتنی نے مجھے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ میں ان کے ہاں رہوں اور کاروبار میں ہاتھ بٹاؤں۔ ان کی زندگی کے بعد یہ دکان اور مکان میرا ہوگا۔

اتم بابو کے مکان میں ان کی دکان تھی اور عقب میں بہت بڑا تالاب تھا۔ جس پر نہانے' تیرنے اور کپڑے' برتن دھونے کیلئے لڑکیاں اور عورتیں آتی تھیں۔ مرد بہت کم ہی آتے تھے۔ اتم بابو ایک روز دکان کا سودا سلف لانے کیلئے چٹا گانگ گئے ہوئے تھے اور ان کی پتنی اپنی بہن سے ملنے باری سال گئی ہوئی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سخت گرمی اور حبس تھا۔ گرمی میں گاہک شاذونادر ہی آتے تھے۔ میں دکان میں بیٹھا ہوا ان دنوں کو سوچ رہا تھا۔

جب میں نے سندیپ کے سفلی علم کے ماہر موہن داس گپتا سے دوستی کرکے اس سے جادو سیکھ لیا۔ دو مہینے میں دو اہم واقعات پیش آئے۔ اتم بابو اور ان کی پتنی کشتی میں ایک گاؤں کی تقریب سے لوٹ رہے تھے کہ ان کی کشتی الٹ گئی۔ اتم بابو بچ گئے لیکن ان کی پتنی بچ نہ سکی اور پھر میری آوارگی سے وہ بہت بے زار تھے۔ انہوں نے مجھے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ راہ راست پر لانا چاہا لیکن میں شیطان بن چکا تھا۔ انسان کیسے بنتا؟ وہ اس صدمے سے چل بسے۔

مجھے سندیپ کی ایک لڑکی زینب اتنی پیاری اور اتنی خوبصورت لگی کہ میرا دل اس پر آ گیا۔ وہ بہت حسین اور موہنی شکل کی تھی۔ اس جیسی حسین لڑکی پورے سندیپ جزیرے میں نہیں تھی۔ یہ واحد لڑکی تھی جس کے ساتھ میں نے کوئی عامیانہ حرکت نہیں کی تھی۔ کیوں کہ میری بیہودہ حرکت سے وہ بدک جاتی۔ جب بھی میں اسے دیکھتا تو سینے پر دل کی جگہ ہاتھ رکھ لیتا اور سرد آہیں بھرنے لگتا۔ رات کے وقت جب وہ سو جاتی تھی میں اس کے گھر

میں داخل ہو جاتا اور اس کے کمرے کی کھڑکی کے باہر کھڑے اسے اس کے بیدار ہونے تک دیکھتا رہتا اور اس کا سراپا نظروں میں جذب کرتا رہتا تھا۔ میں چاہتا تو جادو کے زور سے اسے اپنا اسیر بنا کر اس کی عزت لوٹ سکتا تھا لیکن جانے کیوں اس بات کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اسے عشقیہ خطوط لکھنا شروع کیے۔ اس نے کبھی اس کا جواب نہیں دیا۔ میرے پاس ایک طلسماتی گولا تھا جس میں اسے نہاتے' کپڑے بدلتے اور سوتے دیکھتا رہتا تھا۔ میں نے اسے ایک روز اپنے جادو کے زور پر اپنے پاس بلا کر دل کے ارمان پورے کرنے کا ارادہ کیا۔

اس کے گھر میں عقبی دروازے کے پاس ایک بڑی سی کوٹھری تھی۔ جس میں اناج' خالی بوریاں' کلہاڑی اور جانے کیا کچھ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے جادو کے زور سے اسے وہاں آنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے آنے سے پہلے اس کمرے میں رکھی لالٹین روشن کر دی۔ اس کوٹھری میں ایک بستر تھا شاید اس بستر پر کوئی نوکر سوتا ہوگا۔ وہ سحر زدہ سی اس کوٹھری میں چلی آئی۔ جب وہ میری طرف بڑھ رہی تھی اس کا پیر کلہاڑی کے پھل سے ٹکرا گیا جو راستے میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی کیوں کہ اس کا انگوٹھا زخمی ہوگیا تھا اس میں سے خون رسنے لگا۔ خون رستے ہی میرا جادو دم توڑ گیا۔ وہ اس کے اثر سے نکل آئی تھی۔ میں نے اسے ورغلانے کی بہت کوشش کی۔ اس کے حسن کی بڑی تعریف کی۔ جب میں اسے دبوچنے کیلئے بڑھا تو اس نے مجھے زور سے دھکا دے کر فرش پر گرا دیا۔ کلہاڑی اٹھا کر اور آنکھیں بند کرکے مجھ پر وار کیا۔ میں نے وار روکنے کیلئے بایاں ہاتھ بڑھایا لیکن کلہاڑی کے تیز دھار پھل نے میرا ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا۔ میرا ہاتھ کٹ کر فرش پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ میں فوراً ہی وہاں سے غائب ہوگیا لیکن اپنا ہاتھ وہیں چھوڑ آیا۔ اس نے میرے کٹے ہوئے ہاتھ کو وہیں دفن کر دیا تھا لیکن میں نے جادو کے زور سے اپنا ہاتھ وہاں سے نکال لیا۔

اس واقعہ کے سات دن بعد اس کی شادی ہوگئی۔ میں نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ میں اپنے کٹے ہاتھ سے اسے پریشان کرنے اور موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اتفاقات اسے بچاتے رہے۔ پھر مجھے ایک کٹا ہاتھ اور مل گیا۔ دونوں کٹے ہاتھوں نے اس کی زندگی اجیرن بنا دی۔ پھر اس کے شوہر نے ایک بہت بڑے عامل اور

بزرگ کی خدمات مجھ سے نجات پانے کیلئے حاصل کر لیں۔ آخر کار مجھے وہاں سے میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ کیوں کہ میں اور میرا جادو ان سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس واقعہ نے مجھے بہت سدھار دیا۔ میں پھر سے انسان بن گیا اور اپنے گاؤں آ گیا۔ میں نے چندا کے باپ سے انتقام لینے کیلئے کالی ماتا کی سوگند کھائی ہوئی تھی۔ پورے دیش کی صورتحال تیزی سے بدلتی جا رہی تھی۔ انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کی تحریک ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر چلا رکھی تھی۔ تقسیم کا عمل ہو چکا تھا۔ انگریز نے نفرت کا جو بیج بویا تھا وہ ایک تناور درخت بن گیا تھا جس میں اہم کردار انگریزوں کے ایجنٹوں اور غداروں نے کیا تھا۔ شرپسند عناصر نے جن کا کوئی دھرم ایمان نہیں ہوتا نفرتوں کو مزید ہوا دی اور ہر طرف ہندو مسلم فسادات پھیل گئے۔ ہر طرف کئی مہینوں سے آگ وخون کی جو ہولی کھیلی جا رہی تھی وہ ابھی بھی ایک طرح سے جاری تھی۔ میں ان سب کی پروانہ کرتے ہوئے چندا کے باپ کے گاؤں پہنچا تو پتا چلا کہ وہ حویلی، تمام زمینیں اور باغات بیچ کر کہیں چلا گیا ہے۔

میں وہاں سے مایوس و نامراد ہو کر اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ اتفاق یا خوش قسمتی سے ابھی تک ہمارا گاؤں بچا ہوا تھا اور اس پر ابھی تک سایہ تک نہیں پڑا تھا۔ ایک روز میں مندر جانے کیلئے گھر سے نکلا۔ میں روزانہ مندر جا کر بھگوان سے پرارتھنا کرتا تھا کہ وہ میرے پاپ کو معاف کر دے۔ میں بڑا پاپی ہوں۔ جب میں مندر کی طرف جا رہا تھا تو دیکھا کہ ایک کریہہ صورت صرف دھوتی میں ملبوس ہندو جوگی کچے چوک پر کھڑا کوئی تقریر کر رہا ہے۔ اس کے ماتھے پر قشقہ لگا ہوا تھا اور سر کے پچھلے حصہ پر بالوں کی لٹ کے علاوہ باقی سر بالوں سے محروم تھا۔ میں بھی وہاں جا کر اس کی باتیں سننے لگا۔ وہ کسی دوسرے گاؤں کا ذکر کرتے ہوئے بتا رہا تھا کہ وہاں مسلمانوں نے ہندوؤں کو بری طرح قتل اور زخمی کیا۔ ان کے جھونپڑے جلا دیئے اور ہندو شادی شدہ عورتوں اور جوان لڑکیوں کے علاوہ بارہ بارہ برس کی لڑکیوں کی بھی بے حرمتی کی اور ان کے جھونپڑے جلا دیئے۔ بہت ساری لڑکیاں لاپتا ہیں۔ انہیں مسلمان غنڈے اغوا کر کے لے گئے ہیں اور انہیں بے حرمتی اور تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ تم لوگ کیسے بے غیرت، ذلیل اور ڈرپوک ہندو ہو جو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آ رہی ہے۔ کیا تم لوگوں نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں؟

سادہ لوح ہندوؤں میں اس جوگی کی تقریر سن کر اشتعال اور تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز نعرے لگانے لگے۔ میں نہ صرف چندا کے باپ کے گاؤں سے ہو کر آیا تھا بلکہ راستے میں دو تین گاؤں سے بھی گزرا تھا مجھے معلوم تھا کہ ہندو جوگی جھوٹ بول رہا ہے۔ اس لیے میں سمجھ گیا کہ یہ ایک سازش ہے اور یہ جوگی انگریزوں کا ایجنٹ ہے جو نفرت کی آگ پھیلا رہا ہے تاکہ امن و سکون تہ و بالا ہو جائے۔ وہاں امن و امان تھا۔ لوگ اس کی جذباتی تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ میں نے وہاں کچھ لوگوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا۔ ان سے کہا کہ وہ کسی کو بھیج صورتحال کے بارے میں معلوم کریں۔ مگر وہ جذبات سے بے حال تھے۔

سارا گاؤں نفرت اور تعصب کی آگ میں جل اٹھا۔ گنتی کے چند مسلمان گھرانے یہاں آباد تھے۔ نفرت کی آگ جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگی تو مسلمان کے گھروں پر حملے شروع ہو گئے۔ سارے مسلمان اپنے گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اکیلا ان بلوائیوں کے آگے بے بس تھا۔ ان پر انتقام کا اندھا جنون سوار ہو چکا تھا۔

ایک رات میں اپنے جھونپڑے میں سو رہا تھا کہ شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی دروازہ بری طرح پیٹ رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک عورت تیزی سے اندر گھس آئی۔ میں نے دروازہ بند کر کے دیکھا وہ پندرہ برس کی نوجوان اور بہت حسین و جمیل اور بڑی بھرپور لڑکی تھی۔ اس کی سانسیں سینے میں بری طرح پھول رہی تھیں۔ اس کا حلیہ بھی درست نہیں تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ لباس کی بے ترتیبی اور شکنیں بتا رہی تھیں کہ اس کے ساتھ من مانی یا دست درازی کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑی ہانپ رہی تھی۔

''مجھے بچالو...... خدا کیلئے بچالو......''

''گھبراؤ نہیں۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کس کی بیٹی ہو؟''

''میرا نام زیتون ہے۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بتانے لگی۔ ''میں گاؤں کے پٹواری شاہ جہاں کی بیٹی ہوں۔ میرے سارے گھر والوں کو شہید کر دیا گیا۔ غنڈے مجھے اٹھا کے لے گئے تھے۔ وہ چار تھے۔ وہ میری عزت کے درپے ہو گئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے دست درازی کی کوشش کی۔ میں بڑی مشکل سے انہیں چکمہ دے کر

بھاگ نکلی ہوں۔ وہ غنڈے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ مجھے بچالو میرے بھائی......'' وہ زار و قطار رونے لگی۔

شاہ جہاں صاحب بہت نیک' ملنسار اور مذہب پسند تھے۔ وہ ہندوؤں کے بڑے کام آئے تھے۔ انہوں نے کتنی ہی ہندو لڑکیوں کی شادی اپنے خرچ سے کروائی تھی۔ وہ ضرورت مندوں کی مالی مدد بھی کرتے رہتے تھے۔ آج ان کی بیٹی زیتون کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ وہ میرے پتاجی کے بچپن کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے گھر کی عورتوں کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سخت پردہ کرتی تھیں۔ آج اس شریف مسلمان کی بیٹی کی عزت خطرے میں تھی۔

اس وقت دروازے پر دستک ہوئی اور لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ میں دروازے پر گیا اور کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا ہندو بلوائی ڈنڈوں' برچھیوں اور چاقوؤں سے مسلح تھے۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں تم لوگ کس لیے آئے ہو؟''

''تمہارے گھر میں شاہ جہاں کی بیٹی زیتون گھسی ہے۔ اسے باہر نکالو۔ باہر نکالو۔ یہ مسلمان کی بیٹی ہے۔'' ایک نوجوان لڑکے نے چیخ کر کہا۔ ''اسے ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اس مسلمان کی لڑکی سے اپنی عورتوں کی بے حرمتی کا انتقام لیں گے۔''

''پاگل نہ بنو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اس بے چاری لڑکی کا اس میں کیا قصور ہے۔ جاؤ جا کر ان غنڈوں سے بدلہ لو جو ہماری عورتوں کی عزت لوٹ رہے ہیں۔ انہیں اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔''

آخر ہماری عورتیں اور لڑکیاں بھی تو بے قصور تھیں۔'' دوسرے لڑکے نے بپھر کر کہا۔

''سنو...... اس ہندو جوگی نے جو کچھ بتایا اس میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ وہ انگریزوں کا ایجنٹ ہے اور پھر یہ دیکھو کہ یہ شاہ جہاں صاحب کی بیٹی ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی گاؤں کے ہندوؤں کی ہر طرح سے مدد کی...... تم لوگوں نے ان کے احسانات کا یہ صلہ دیا کہ انہیں ان کی بیوی اور بیوہ بہن کو شہید کر دیا اور اب اس معصوم لڑکی کی عزت لوٹ

لینا چاہتے ہو۔ کیا یہ دکھ اور شرم کی بات نہیں ہے۔ ہمارے لیے کلنک کا ٹیکہ نہیں ہے۔''

''ہم تمہاری تقریر سننے نہیں بلکہ اس لڑکی کو لے جانے آئے ہیں۔'' ایک اور نے کہا۔ ''مگر جی! لڑکی بڑی سندر ہے۔ کیا غضب کی ہے۔ اگر تمہارا اس پر دل آ گیا ہے تو پہلے تم اس کے ساتھ موج اڑا لو۔ ہم اسے صبح آ کر لے جائیں گے۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔'' میں بھڑک اٹھا۔ ''میں ایسی لڑکی کی عزت پر ہاتھ ڈالوں جس کے باپ نے تمہاری بہنوں کی شادی کا سارا خرچ اٹھایا اور انہیں اپنی بیٹی سمجھا۔ کیا اس ناطے یہ تمہاری بہن نہیں ہوئی...... کیا تم اپنی بہن کے ساتھ بدکاری کر سکتے ہو...... اگر ایسا کر سکتے ہو تو اسے لے جاؤ۔''

وہ لاجواب ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔ ان میں سے کچھ لڑکے دروازہ پیٹنے لگے تو میں نے سختی سے ڈانٹ کر انہیں واپس جانے کیلئے کہا۔ وہ آٹھ دس گاؤں کے ہی جذباتی لڑکے تھے۔ کچھ دیر تک دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد چلے گئے۔

میں نے زیتون کو پانی پلایا۔ وہ غریب اپنے گھر والوں کی شہادت پر زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ اسے دلاسا دیا۔ اور اس سے کہا کہ وہ اندر کے کمرے میں جا کر اندر سے دروازے کی چٹخنی لگا کر سو جائے۔ صبح دیکھتے ہیں۔ تم بھی سوچ لو کہاں جانا ہے۔ کسی بھی جگہ تمہارے رشتہ دار موجود ہیں تو میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔

میں صحن میں آ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور دروازہ کھلتے ہی کریہہ صورت اور فساد کی جڑ ہندو جوگی اندر آ گیا۔

''میرا نام پریم چند ہے۔'' اس نے اپنے پیلے پیلے دانت دکھاتے ہوئے کہا۔ اس کے جسم سے عجیب سی بو اٹھ رہی تھی۔ ''فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''بالک! ہم نے سنا ہے کہ تیرے گھر کسی مسلمان کی بیٹی چھپی ہوئی ہے۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''ہاں...... تم نے ٹھیک سنا ہے۔'' میں نے ترش روئی سے کہا۔ ''تمہیں کیا تکلیف ہو رہی ہے؟''

''تم اسے ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اسے لینے آئے ہیں۔'' اس نے میرے

چہرے پر نظریں مرکوز کر کے کہا۔

’’نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے۔ میں اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔‘‘ میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

’’دیکھ بالک!‘‘ وہ پھر میرے قریب آ گیا۔ یہ ناری ہمارے دھرم کی دشمن ہے۔ ایک راکھشش کی بیٹی ہے۔‘‘

’’تم اس لیے آئے ہو کہ اسے لے جا کر اس کے ساتھ منہ کالا کرو۔‘‘ میں نے کہا۔’’تمہیں ایک جوگی ہوتے ہوئے شرم نہیں آ رہی ہے؟‘‘

’’نہیں بالک! نہیں۔‘‘ اس بے غیرت نے سر ہلایا۔’’ہم اس کا دھرم بدل دیں گے۔ اسے زبردستی ہندو بنا لیں گے۔‘‘

’’یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔‘‘ میں بگڑ گیا۔’’جبر و زیادتی سے کسی کا دھرم بدلنا انسانیت نہیں ہے۔‘‘

’’تو...... تو ہمیں دھرم بتاتا ہے۔‘‘ اس نے بھڑک کر کہا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر میرے ہاتھ پر رکھے پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔’’ایسا کر...... تو اس سے دل بہلانے کے بعد گاؤں کے پورب میں جو حویلی ہے اس میں صبح ہونے سے پہلے پہنچا دے...... جب تو اسے لے کر وہاں پہنچے گا میں تجھے اور مایا دوں گا۔‘‘

’’پاپی!‘‘ میں نے نوٹوں کو مروڑ کر اس کے منہ پر دے مارا۔’’تو سنسار کو نیکی کا سبق دیتا ہے۔ تیری خود اتنی نیچ اور گندی سوچ...... شرم کر‘ ڈوب مر دنیا دار بڈھے چل نکل میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جا......‘‘

اس نے مجھے غضب ناک نظروں سے گھورا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ زیتون کمرے کی کھڑکی سے یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے تھے۔ وہ جذباتی ہو کر رونے لگی۔

’’تم بے فکر رہو۔‘‘ میں نے کھڑکی کے پاس جا کر اسے تسلی دی۔’’میرے جیتے جی یہ اپنے کسی بھی گھناؤنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آج تم میری سگی بہن سے بھی بڑھ کر ہو اب تم آرام کرو۔ میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں۔‘‘

زیتون بے یقینی کی سی کیفیت میں بستر پر جا کر دراز ہو گئی۔ میں بستر پر جا کر لیٹ

گیا۔ موسم چوں کہ بہت سہانا تھا اور فرحت بخش ہوا چل رہی تھی اس لیے نیند نے مجھے تھوڑی دیر بعد اپنی آغوش میں لے لیا۔ میں جلد ہی گہری نیند میں غرق ہو گیا۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب دو آدمی مجھے قابو کر کے ہاتھ پیر باندھ چکے تھے۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ زیتون کہاں ہے۔ وہ شاید ان بدمعاشوں کو دیکھ کر اور خطرے کی بو سونگھ کر اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کے فرار ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے کیا معلوم...... میں تو سو رہا تھا۔ اچھا ہوا وہ کہیں بھاگ گئی بھگوان اس کی زندگی اور عزت محفوظ رکھے۔

وہ بدمعاش مجھے اٹھا کر اس حویلی میں لے آئے۔ حویلی کے ایک کمرے میں موجود کریہہ جوگی نے ان دونوں آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے کپڑے اتار دیں۔ انہوں نے جانوروں کی طرح نوچ کر میرے لباس کو تار تار کر دیا۔ پھر جوگی چلتا ہوا میرے قریب آیا۔ میرے ہاتھ پیر اب بھی بندھے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں چینی کا ایک پیالہ تھا۔ وہ پیالہ میرے قریب لایا اور اس کا لیس دار محلول میرے منہ پر انڈیلنا چاہا۔ اس محلول میں خون اور تارکول کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اس غلیظ اور انتہائی بدبودار محلول سے اپنے آپ کو بچانا چاہا مگر اس کے دونوں آدمیوں نے زبردستی میرا منہ کھول کر اسے میرے حلق میں انڈیل دیا۔ پھر اس نے ایک خنجر نکالا۔ پھر اس نے نفرت‘ حقارت اور غصے سے کہا۔

’’تو بہت بک بک اور گستاخی کر رہا تھا...... اب میں تجھے قتل کر دوں گا مگر یہ بات یاد رکھ تیری آتما اس دھرتی سے اوپر نہیں جائے گی۔ کیوں کہ میں نے تجھے گندے جوتشیوں کا ایک برس تک منتر پڑھا ہوا جل پلا دیا ہے۔ مر کر لوگ نئی دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ میں تیری آتما کو اس دھرتی میں قید کر دوں گا۔ مگر تو اس دنیا میں رہے گا۔‘‘

وہ خنجر ہاتھ میں لیے میرے قریب آیا۔ خوف و دہشت سے میری چیخیں نکل گئیں۔ اس کی سڑی ہوئی ڈکاریں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے میری گردن پر خنجر رکھا ہی تھا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میری آتما اس مورتی میں قید ہو چکی تھی۔ میری آتما اس صورت میں آزاد ہو سکتی ہے کہ اس مورتی کو توڑ دیا جائے۔ ویسے میں مر چکا ہوں۔ اب صرف میری آتما ہے۔ اب تم مجھ پر احسان کرو مورتی اٹھا کے دیوار پر اپنی پوری طاقت سے دے مارو۔‘‘

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مورتی اٹھائی جو زیادہ بھاری نہیں تھی۔

پھر میں نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے اسے دیوار پر دے مارا۔ مورتی کے ٹکڑے ہوتے
ہی مکرجی نمودار ہوا۔ اس کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرا اور ہر طرف خون ہی خون پھیل گیا۔
یہ بڑا ہی خوفناک منظر تھا۔ میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ایک بے چین روح کے حوالے
سے جو خوف دبا ہوا تھا وہ اچانک ابھر آیا۔ میں تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر وہ سر فضا میں بلند ہو کر اس
کے دھڑ سے لگ گیا۔ مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ اس نے مجھے کئی آوازیں دیں مگر اس کی
آوازیں مجھے میلوں دور سے آتی محسوس ہونے لگی۔ اور میں بے ہوش ہو گیا۔ میں اپنی والدہ
کی آواز پر بیدار ہوا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ ''جبار بیٹے...... کیا ہوا آنکھیں کھولو میرے لال!''

میں نے بیدار ہونے کے بعد محسوس کیا کہ میں اپنے گھر میں اور اپنے بستر پر لیٹا
ہوا ہوں اور سارے گھر والے کمرے میں موجود ہیں۔ وہ سب سخت تشویش اور فکر میں مبتلا
تھے۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر ان کے چہرے دمک اٹھے اور وہ سب خوش ہو گئے۔ بستر کے
سامنے جو کرسی تھی اس پر ڈاکٹر وقار احمد بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر انہوں نے
اپنی کرسی اور قریب کر لی۔

ڈاکٹر وقار احمد نے پہلے تو میری آنکھیں دیکھیں پھر نبض دیکھی پھر انہوں نے
میرا بلڈ پریشر چیک کیا پھر انہوں نے کہا۔ ''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ اب بالکل
ٹھیک ہیں۔ یہ خوف و دہشت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ میں نے جو دوائیں لکھ کر
دی ہیں وہ انہیں باقاعدگی سے استعمال کرائیں۔ جلد ہی یہ نارمل ہو جائیں گے۔''

ڈاکٹر وقار احمد کے جانے کے بعد امی کہنے لگیں۔ ''ہم رات گئے دیر تک تمہارا
انتظار کرتے رہے۔ تم نے شاید بتایا تھا کہ شام کو چمپا کی سالگرہ ہے۔ اس میں شرکت کرنے
جاؤ گے۔ چمپا کے ہاں ٹیلی فون کیا تو اس نے بتایا کہ...... جبار کو بھی اس نے سالگرہ پر مدعو کیا
تھا لیکن اس کے سوا دوسرے ہم جماعت پہنچ گئے۔ جبار نہیں آئے پھر تمہاری تلاش شروع ہو
گئی۔ تم اس ندی کے پاس بے ہوش پائے گئے جو ویران حویلی کے عقبی حصے میں ہے۔ پھر
تمہیں گھر لایا گیا۔ تمہارا جسم بخار میں پھنک رہا تھا اور حالت نیم خوابی میں تم ہذیان بک
رہے تھے۔''

میں نے امی کی بات کا جواب نہیں دیا تو بہن نے کہا۔ ''بھیا! آپ کس بات سے
خوف زدہ ہو کر بے ہوش ہو گئے تھے؟''

''میں نے شاید کوئی بھوت دیکھ لیا تھا۔'' میں نے ٹالنے کی غرض سے کہا۔ میں نے
ل بات گول کر دی۔ میں خود نہیں چاہتا تھا کہ اس بات کا ڈھنڈورا پیٹوں اور پھر کوئی بھی
رجی کے وجود اور اس کی کہانی کا یقین نہیں کرتا۔

میں تین دن تک سخت بخار میں مبتلا رہا۔ مکرجی کی کہانی کے بارے میں سوچتا رہا
بڑی حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھی۔ میں وہ منظر نہیں بھولا تھا مورتی کے ٹوٹتے ہی مکرجی
انسان کی شکل میں آنا' اس کا سر تن سے جدا ہو جانا' فرش پر خون ہی خون کا پھیل جانا پھر
ں کا سر دوبارہ جڑ جانا۔ میں نے پہلی بار سر بریدہ آدمی دیکھا تھا۔ میں سوچتا رہا تھا کہ مکرجی
ی آتما اب کہاں گئی ہو گی؟ کیا وہ ہربنس لال سے حساب بے باق کرنے چلی گئی۔

اس روز مجھے چمپا کی سالگرہ میں شرکت کیلئے جانا تھا۔ میں حویلی ڈھانچے کی تلاش
ں گیا۔ مکرجی نے مجھے جو اپنی کہانی سنائی تھی اس نے چھ سات گھنٹے لے لیے تھے۔ بڑی
ی کہانی تھی لیکن تھی بڑی دلچسپ' سنسنی خیز اور خوفناک بھی اور سچی بھی تھی۔

میں چھٹے دن پوری طرح صحت یاب ہو کر کالج گیا۔ وقفہ میں ہم جماعت کالج
ینٹین میں گئے تو چمپا نے صرف شکایت کی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ
ں ایک دوست سے مل کر گھر آیا تو نہ صرف دیر ہو گئی تھی بلکہ تیز بخار چڑھ آیا تھا۔ اس نے
ری نقاہت' چہرے کی زردی اور مرجھائی ہوئی طبیعت کو دیکھ کر بھانپ لیا تھا کہ میں واقعی
ر ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس روز اس نے میرا بڑی دیر تک انتظار کیا اور کیک کاٹنے
ں بھی دیر کی تھی۔ اس کی یہ بات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ وہ اپنے ہم جماعتوں کو کتنی
یت دیتی اور عزت کرتی ہے۔

دوسرے پیریڈ میں میرے کلاس فیلو بیگ نے کہا۔ ''کل پروفیسر رشید الزماں
لوجی ٹیسٹ لیں گے۔ وہ گزشتہ چھ دنوں سے اس کی تیاری کراتے رہے ہیں۔ تم کیا کرو
ے؟ تم پانچ دن تک غیر حاضر رہے ہو۔''

اس کی بات سن کر میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ''میں نے تو اس کی کوئی تیاری نہیں
ی ہے۔ میں کیسے ٹیسٹ دوں گا۔''

''تم پروفیسر صاحب سے بات کر کے دیکھو...... شاید وہ اس کی تاریخ آگے بڑھا
ں۔''

''پچھلے ٹسٹ جو اس سبجیکٹ کے ہوئے تھے خاطر خواہ نہیں آئے تھے۔ جس پ
انہوں نے مجھے سخت ڈانٹ پلائی تھی۔ اب جب کہ میں نے ان سے مل کر اپنی مجبوری بتائی تو
وہ برادختہ ہو گئے۔

''یہ تمہارا مسئلہ ہے میں اس کا ذمے دار نہیں ہوں۔ میں ٹسٹ کی تاریخ تمہارے
کہنے پر آگے بڑھا نہیں سکتا۔''

میرے لیے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا گھر آ کر میں کتابیں لے کر
اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ پریشانی میں سبق یاد نہیں رہتا۔ ذہن ویسے ہی ماؤف ہو رہا
تھا اور میں دل میں مکرجی کو کوس رہا تھا۔ نہ اس سے ملاقات ہوتی اور نہ میں بیمار پڑتا۔ نہ
میری پڑھائی کا حرج ہوتا۔ شام تک کتابوں کو ہونقوں کی طرح الٹ پلٹ کرتا رہا۔ رات
ہوگئی تو ذہنی تناؤ مزید بڑھ گیا۔ بڑی عرق ریزی کر کے چند سوالات ذہن نشین کر لیے جن
سے میں پاس تو ہو جاتا اور نمبر واجبی سے ہی آتے۔ پروفیسر رشید الزماں، جمیا اور دوسرے ہم
جماعتوں کے سامنے بڑی سبکی ہوتی۔ یوں بھی میں پڑھائی میں بہت کمزور تھا۔ مجھے بہت
محنت اور توجہ دینے کی ضرورت تھی ورنہ سالانہ امتحان میں فیل ہونے کا امکان تھا۔

جب پڑھ پڑھکر ذہن تھکاٹ محسوس کرنے لگا تو میں نے کتاب اور نوٹس میز کے
کونے پر رکھ دیئے۔ پھر میں سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں بجلی بھی چلی گئی جس سے رہی
سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ میں نے موم بتی جلائی اور فیصلہ کن انداز میں خود کلامی کی۔
''ٹھیک ہے کل کالج ہی نہیں جاؤں گا نہ ٹسٹ دوں گا۔ میری بلا سے مجھے فیل ہی کر دیں۔
اس میں میرا کیا قصور ہے۔ کم نمبروں سے پاس ہو کر ہم جماعتوں میں ذلیل ہونے سے بہتر
ہے کہ بیماری کا بہانہ کر کے ایک دن کی اور چھٹی کر لوں۔ ڈاکٹر وقار احمد سے بیماری کا سر
ٹیفکیٹ کسی کے ہاتھ بھیج دوں گا۔''

''کالج سے ناغہ کرنا اور ٹسٹ نہ دینا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے...... ایک اچھے اور
محنتی طالب علم کو اپنی پڑھائی کی پوزیشن کسی صورت میں خراب نہیں کرنا چاہئے۔''

ایک آواز میرے کانوں میں لہرائی۔ میں یہ آواز سن کر اچھل پڑا۔ میں نے
چونک کر کمرے میں پڑی ہوئی کرسی کی طرف دیکھا۔ یہ آواز اس سمت سے آئی تھی۔ وہاں
مکرجی کرسی پر بیٹھا ہوا مسکراتا ہوا مجھے دیکھ رہا تھا۔

''مکرجی! تم......؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ ''تم
یہاں......؟''

''جی ہاں میں ہوں مکرجی تمہارا دوست۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ''میں نے محسوس
کیا کہ تم بہت پریشان ہو اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ چل کر تمہاری مشکل حل کر دی
جائے۔''

''مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں پریشان ہوں۔ بولو...... بتاؤ۔'' میں نے متعجب
لہجے میں کہا۔ اس دن کا خوف اب بھی میرے دل کے کسی کونے میں موجود تھا اور وہ خونیں
منظروں میں لہرانے لگا تھا۔

''تم شاید یہ بات بھول رہے ہو کہ میں ایک آتما ہوں۔'' مکرجی نے کہا۔
''میرے پاس زندہ لوگوں سے زیادہ شکتی ہے۔ میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو
ٹسٹ پیپر لا کر دے سکتا ہوں۔''

''اچھا۔'' میں نے حیرانگی سے کہا۔ ''مگر نہیں...... یہ تو سراسر بے ایمانی ہے، میں
کبھی نہیں چاہوں گا کہ کامیابی کیلئے غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کروں۔ یہ غلط ہے۔'' میں
نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''تم نہیں سمجھتے کہ میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔ اگر تمہاری مرضی نہیں اور تم پسند نہیں
کرتے ہو تو میں کچھ نہیں کروں گا۔''

وہ کرسی پر دوسری طرف منہ پھیر کے بیٹھ گیا۔ میرے دل میں بھی لالچ آنے لگا
اور پھر میری عزت اور ساکھ کا مسئلہ تھا۔ پوری کلاس میں تذلیل ہو سکتی تھی۔ میڈیکل کی
تعلیم معمولی نہیں ہوتی۔ ذہن کے سارے دریچے کھلے رکھنے پڑتے ہیں۔ یہی کچھ سوچ کر
میرے دل میں بے ایمانی آنے لگی۔ پھر بھی میں نے اسے مزید آزمانے کیلئے کہا۔

''میری مشکل اور پریشانی کچھ ایسی ہے کہ تم اسے حل نہیں کر سکتے؟'' میں نے
کہا۔

''میرے محسن! تم میرے محسن ہو میں اپنے محسن کی مشکل کیوں نہیں حل کر سکتا۔''
اس نے پلکیں جھپکائیں۔

''اس لیے کہ یہ دونوں کے بس کی بات نہیں ہے۔'' میں بولا۔ ''یہ زندہ انسانوں کا

مسئلہ ہے۔''

''تمہاری کیا پریشانی اور مسئلہ ہے مجھے بتاؤ......'' وہ مسکرایا۔''تم کیا جانو روح کیا چیز ہوتی ہے؟''

''اگر ایسی بات ہے تو غور سے سنو'' میں نے جواب دیا۔''مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے لیکن پھر بھی تمہیں آزما رہا ہوں اگر تم نے میرا کام کر دیا تو میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا......''

''دیکھو...... یہ احسان وحسان کی بات نہ کرو'' مکرجی نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''تم نے مجھے آزادی جیسی نعمت سے مالا مال کر کے جو احسان کیا ہے سچ پوچھو تو اس کا دنیا میں کوئی بدلہ نہیں ہے۔تم میرے محسن ہو میں تمہارے لیے جتنا بھی کروں...... جو بھی کروں وہ احسان نہیں ہوگا بلکہ ایک طرح سے میرا فرض اور میری ذمہ داری ہوگی۔اب بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟''

''کل جو ٹسٹ ہونے والا ہے اس میں میں ویسے بھی بہت کمزور ہوں اور پھر دوسرا یہ کہ میں کوئی مناسب تیاری بھی نہیں کر سکا ہوں۔آدھے سے زیادہ نمبر یعنی پاس کے نمبر تو میں کسی نہ کسی طرح اپنی موجودہ تیاری سے حاصل کر سکتا ہوں۔بات یہ ہے کہ میڈیکل میں جتنے نمبر اچھے ہوں آگے چل کر فائدہ مند ہوتے ہیں اگر دو سوالوں کی مزید تیاری ہو جائے تو......'' میں نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔''بس تم بتا دو کہ مطلوبہ پیپر کہاں سے......''

''بس...... تم اتنی سی بات کیلئے پریشان ہو رہے ہو...... میں پڑھی لکھی روح ہوں......تم فکر نہ کرو۔''

مکرجی نے مجھے تسلی دی اور ایک دم سے غائب ہو گیا۔اس کے جاتے ہی بجلی اور ایک لمبی سی جماہی آ گئی۔میں نے سوچا کہیں میں نے اندھیرے میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھا تھا لیکن یہ سپنا نہیں تھا۔کیوں کہ مجھے نیند نہیں آئی تھی اور نہ ہی میں نے جھپکی لی تھی۔میں اپنی کتابوں اور نوٹس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ابھی میں نے چند سطریں پڑھی تھیں کہ مجھے سرگوشی سنائی دی۔

''لو جبار بھائی! میں تمہارا کام کر کے آ گیا ہوں۔مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی نا......؟''

میں نے اس کرسی کی طرف دیکھا جس پر وہ پہلے بیٹھا تھا۔وہ اس کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے براجمان تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔اس نے اس کاغذ کو فضا میں لہرایا۔

''یہ دیکھو جبار بھائی۔''

''تو کیا...... تو کیا......؟ تم ٹسٹ پیپر لے آئے......؟'' میری خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔

''صرف وہ دو سوالات لے کر آیا ہوں جو تمہیں نہیں آتے ہیں لیکن تمہیں ایک شرط پر بتاؤں گا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کس شرط پر......؟'' میں نے متعجب نظروں سے دیکھا۔''جلدی سے بتاؤ تمہاری شرط کیا ہے؟''

''تم مجھ سے وعدہ کرو گے کہ آئندہ جی لگا کر پڑھو گے۔محنت کرو گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔''تمہاری خواہش ہے نا کہ تم ایک بڑے ڈاکٹر بنو اور غریبوں کی خدمت کرو۔لگن اور جذبہ ہو تو آدمی اپنی منزل پا لیتا ہے۔''

''میں صرف تم سے نہیں اپنے آپ سے بھی وعدہ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔''تم فلسفیانہ باتیں بھی کرتے ہو۔''

پھر اس نے وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے ان سوالات کے مطابق کتاب کا مطالعہ کیا۔مجھے ان سوالات کی توقع نہیں تھی۔ میں نے نوٹس سے رہنمائی لی۔کچھ دیر بعد مکرجی مجھ سے اجازت لے کر غائب ہو گیا۔

دوسرے دن میں کالج پہنچا تو میرے دوستوں نے مجھے دیکھ کر بڑی حیرت کا اظہار کیا کیوں کہ میں ٹسٹ اور امتحان کے موقع پر سراسیمہ اور بہت نروس سا ہوتا تھا۔بیگ اور میری ہم جماعت لڑکی نے کہا۔''جبار! کیا بات ہے آج تم بہت خوش اور پرامید دکھائی دے رہے ہو جبکہ کل بہت پریشان تھے کہ تم نے تیاری نہیں کی۔پاس ہونا بہت مشکل ہے۔''

''دراصل میں نے یہ سوچا کہ اب جبکہ فیل ہونا ہی ٹھہرا ہے تو گھبرانے سے کیا حاصل؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پروفیسر رشید الزماں کے پیریڈ میں ٹسٹ شروع ہوا۔پروفیسر صاحب نے تمام سوالات بلیک بورڈ پر لکھ دیئے۔سوالات میری توقع کے عین مطابق تھے۔ان میں وہ سوالات

بھی تھے جو مجھے مکرجی نے بتائے تھے۔ یہ سوالات یوں تو بہت ہی مشکل تھے لیکن مجھے بہت آسان لگے مگر دوسرے لڑکے اور لڑکیوں کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بہت مشکل ہیں اور ان سوالات کی توقع نہیں تھی۔ پروفیسر رشید الزماں کا طریقہ امتحان بہت سخت تھا۔ جس سے طالبِ علم بہت گھبراتے تھے۔ سیدھے سادے سوالات وہ اس انداز سے کرتے کہ جواب دینے والا کا ذہن گھوم جاتا۔ اس کے علاوہ وہ بہت با اصول بھی تھے کسی کے ساتھ ذرا برابر بھی رعایت نہیں کرتے تھے اور ہر طالب علم کو یکساں سمجھتے اور ایک نظر سے دیکھتے۔

میں بڑی محویت سے ان کے جوابات تحریر کر رہا تھا۔ مجھے کوئی دشواری اور مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔ میں نے بہت جلد آدھے سے زیادہ سوالات حل کر لیے تھے۔ پھر میرے کان میں سرگوشی سی ہوئی۔ ''جبار بھائی بڑی محنت ہو رہی ہے۔''

میں نے چونک کر بائیں جانب دیکھا۔ میری ڈیسک پر کہنیاں رکھے مکرجی تھا۔

''یہاں تم کیوں اور کس لیے آئے ہو؟'' میں نے گھبرا کر سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔ ''یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میں تمہارے سوا کسی اور کو نظر نہیں آ رہا ہوں اور نہ ہی کسی کو میری آواز سنائی دے گی۔ گھبراتے کیوں ہو۔'' وہ بڑے زور سے ہنسا۔

''یہ ٹھیک ہے...... تم چلے جاؤ۔ مجھے لکھنے دو۔ مجھے ابھی آدھے سوالات حل کرنے ہیں۔'' میں نے کہا۔

پروفیسر رشید الزماں جو کلاس کا راؤنڈ لگا رہے تھے انہوں نے شاید میری آواز سن لی تھی۔ اس لیے وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور میز کے پاس آ کر رکے انہیں مکرجی نظر نہیں آیا۔ وہ مجھ سے بولے۔

''مسٹر جبار! آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ امتحان کے دوران کلاس میں بات کرنا منع ہوتا ہے۔ آپ اپنی ساری توجہ سوالات حل کرنے پر مرکوز رکھیں۔ ویسے بھی آپ پڑھائی میں بہت کمزور ہیں۔''

اتنا کہہ کر وہ کلاس کا راؤنڈ لگانے لگے۔ میں نے غصے سے مکرجی کو دیکھا۔ وہ مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر میں نے اس کی طرف جھک سرگوشی میں دھیمے لہجے میں کہا۔

''مکرجی! میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں خدا کیلئے تم چلے جاؤ۔ کسی نے تمہیں دیکھ لیا اور تمہاری آواز سن لی تو پھر میری شامت آ جائے گی اور سالانہ امتحان میں مجھے بیٹھنے نہیں دیا جائے گا۔''

پروفیسر رشید الزماں نے مجھے دیکھ لیا اور غصے کے عالم میں وہ دندناتے ہوئے میری طرف آئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''مسٹر جبار کھڑے ہو جائیں۔''

میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ پوری کلاس میری طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ معنی خیز نظروں سے دیکھنے اور ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگے۔ وہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ پروفیسر صاحب نے مجھے نقل کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔

''آپ کس سے باتیں کر رہے تھے؟ اس سے کیا پوچھ رہے تھے؟ میں اسے بھی کھڑا کروں گا۔ بتائیں کس سے باتیں کر رہے تھے۔''

''سر! میں سوالات بورڈ پر دیکھ کر زیرِ لب دہرا رہا تھا۔''

''اچھا!'' انہوں نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''آپ خاموشی سے اپنا کام کریں۔''

یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ مکرجی جو چند قدم کھڑا ساری کارروائی دیکھ رہا تھا میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ''میں نے تم سے پہلے ہی کہا ہے کہ کوئی بھی مجھے دیکھ نہیں سکتا ہے اور نہ میری آواز سن سکتا ہے۔ تم بےفکر ہو کر اپنا کام کرو۔''

اب میں نے توجہ اس کی طرف سے ہٹا لی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد مکرجی بھی غائب ہو گیا۔ پروفیسر رشید الزماں اپنی میز پر براجمان ہو گئے۔ وہ ایسی جگہ بیٹھے تھے کہ ہر ایک پر نظر رکھ سکیں مگر انہوں نے پیریڈ ختم ہونے تک اپنی تیز و تند نگاہیں صرف مجھ پر مرکوز رکھیں۔ وہ میری حرکات و سکنات کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

جس وقت ہم پرچہ دے کر باہر نکلے اس وقت میری ہم جماعت نسرین نے مجھ سے دریافت کیا۔

’’آپ کا پرچہ کیسے ہوا...... کیوں کہ میں نے دیکھا تھا کہ آپ بہت محویت سے سوالات حل کر رہے تھے؟‘‘

’’پرچہ بہت ہی اچھا ہوا۔‘‘ میں نے جواب دیا۔ ’’اس لیے کہ سوالات بہت آسان تھے۔ اس وجہ سے آسانی سے حل ہو گئے۔‘‘

’’ایں...... پرچہ اچھا ہوا ہے۔‘‘ ریٹا چونک کر بولی۔ اس کے چہرے پر استعجاب پھیل گیا۔ ’’جبار بھائی! یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ سوالات آسان کہاں تھے۔ میں تو دو کا بھی ٹھیک سے جواب نہ دے سکی۔‘‘

’’واقعی اس دفعہ ٹسٹ بہت سخت اور مشکل تھا۔‘‘ نسرین بولی۔ ’’مجھے بھی اچھے نمبر ملنے کی امید کم ہی ہے۔ یوں بھی ہمارے سر تو نمبر دینے کے معاملے میں بڑے بخیل واقع ہوئے ہیں۔‘‘

’’میرا خیال ہے کہ سر کے سر بھی ایسے سخت ہوں گے۔ اس لیے وہ ان کا بدلہ ہم سے لے رہے ہیں۔‘‘ ریٹا بولی۔

’’لیکن میں بڑا پرامید ہوں۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ کلاس میں اول آ کر دکھاؤں اور چمپا کے مسلسل اول آنے کا ریکارڈ توڑ دوں۔‘‘

’’چمپا کا ریکارڈ توڑیں گے آپ......؟ ناممکن ہے جبار بھائی۔‘‘ ریٹا شوخی سے بولی اور اس کے لہجے میں ہلکا سا غصہ بھی تھا۔ ’’پچھلے دو ٹسٹوں میں آپ نے تو ٹاپ کیا تھا

نا......؟‘‘

اس کی بات سن کر سب ایک ساتھ ہی ہنس پڑے اور میں خجل سا ہو گیا۔ نظریں جھکا لیں۔

’’ہر کوئی جانتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ہماری کلاس میں آج تک کسی نے بھی مس چمپا کو پیچھے نہیں چھوڑا۔‘‘ یہ بات صغیر نے کہی۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا۔

’’یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔‘‘ چمپا جو ان کی باتیں سن رہی تھی سنجیدگی سے بولی۔ ’’میں تو ایک بات جانتی ہوں کہ جو دل و جان سے محنت کرتا ہے اسے اس کا اچھا نتیجہ ملتا ہے۔ چوں کہ میں پڑھائی پر زیادہ توجہ دیتی ہوں اس لیے اچھے نمبر لاتی ہوں۔ ہو سکتا ہے جبار صاحب نے بہت محنت کی ہو اور وہ اچھے نمبر لائیں۔‘‘

’’مجھے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل تک ان کے ٹاپ کرنے کے امکانات نظر نہیں آتے ہیں۔‘‘ ریٹا نے مجھے پھر چھیڑا۔ ’’اگر یہ پاس ہی ہو جائیں تو بڑی بات ہے۔ کیوں کہ یہ ہماری کلاس میں سب سے پیچھے ہیں۔‘‘

’’کیا آپ مجھ سے شرط لگائیں گی......؟‘‘ میں نے ریٹا سے کہا۔

’’منظور ہے۔‘‘ ریٹا نے سر ہلایا۔ ’’آپ کیا شرط لگانا چاہتے ہیں؟‘‘

اس سے پہلے میں کچھ کہتا۔ نسرین بول اٹھی۔ ’’میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر مس چمپا نے ٹاپ کیا تو جبار ہم سب کو اپنے ہاں ٹی پارٹی دیں گے اور اگر جبار نے ٹاپ کیا تو پھر مس چمپا...... کیوں یہ تجویز کیسی رہی؟‘‘

’’ویل ڈن۔‘‘ ریٹا چہک کر بولی۔ ’’چیلنج تو میں نے کیا اور مجھ ہی کو شرط سے الگ کر دیا گیا۔ یہ تو خوب رہی۔‘‘

’’کوئی بات نہیں......؟ آپ فکرمند نہ ہوں آپ بھی ٹی پارٹی میں شرکت کر سکتی ہیں لیکن اس وقت جب آپ کوئی پوزیشن لا کر دکھائیں۔‘‘ چمپا نے شوق سے کہا۔ ’’منظور؟‘‘

تیسرے دن نتیجے کا اعلان ہونے والا تھا۔ پروفیسر رشید الزماں ٹسٹ پیپرز سمیت کلاس میں داخل ہوئے تو گہرا سناٹا چھا گیا۔ میرے ہم جماعت میری اور چمپا کی شکل دیکھنے لگے۔ ہم دونوں بہت پرسکون بیٹھے تھے۔

پروفیسر رشید الزماں نے حاضری لینے کے بعد رجسٹر بند کیا اور اسے ایک طرف

رکھ کر کہنے لگے۔

"جو محنت کرتا ہے اسے اس کا پھل ضرور ملتا ہے اور اس کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔ ایسی ہی ایک مثال جبار نے قائم کی ہے۔ مجھے ان سے ذرا برابر بھی توقع نہیں تھی کہ وہ کلاس میں سب سے سبقت لے جائیں گے۔"

پوری کلاس نے پرزور تالیوں سے مجھے مبارکباد دی۔ سب لوگ اس اچنبھے پر تحیر زدہ تھے کہ میں نے اچانک کون سا جادو چلایا کہ جس سبجیکٹ میں میں سب سے زیادہ کمزور تھا اس میں سب کو مات کر دیا۔

میری نگاہ سب سے پہلے چمپا کی طرف اٹھی کہ اس کا ردعمل دیکھوں۔ اس نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اپنے سر کو خفیف سا خم دے کر مجھے مبارکباد دی۔ پھر نسرین' ریتا اور صغیر نے میری اس کامیابی پر بڑی گرم جوشی سے خوشی کا اظہار کیا۔ چمپا نے ایک اسپورٹ مین کی طرح سپرٹ کا مظاہرہ کیا۔ اپنی پوزیشن کو بالائے طاق رکھ کر کھلے دل اور بڑے خلوص سے میری کامیابی کو سراہا۔ اس کے چہرے پر خفت کی لہر تک نہ تھی اور نہ ہی دل برداشتہ ہو رہی تھی۔

پروفیسر رشید الزماں کہہ رہے تھے۔ "اصل بات یہ ہے کہ جبار کہ پچھلے دو ٹسٹ میں معمولی نمبر حاصل کرنے کے بعد انہیں ناکامی کا بڑا احساس ہوا پھر انہوں نے خوب محنت کرنا شروع کیا۔ میں ہمیشہ آپ لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ ہر شخص میں صلاحیت و قابلیت اور ذہانت ہوتی ہے اسے بروئے کار لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبار نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ میں اپنے ان شاگردوں سے جو پڑھائی میں کمزور ہیں یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ جبار کی مثال کو سامنے رکھیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ بھی فرسٹ نہ آئیں۔"

پیریڈ ختم ہونے کے بعد مجھے میرے ہم جماعتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور مجھ پر مبارکباد کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چمپا نے مجھے' ریتا اور صغیر اور نسرین کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ ریتا اور صغیر نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر معذرت کر لی۔ میں شام سات بجے تیار ہو کر اس کے ہاں پہنچ گیا۔ خوشی سے میرے دل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ نسرین مجھ سے دس منٹ پہلے وہاں پہنچی تھی۔ چمپا کا گھر کیا تھا پوری ایک حویلی تھی۔ اتنی پرکشش' خوبصورت اور قیمتی کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہر ہر چیز سے امارت اور دولت

جھلک رہی تھی۔ قدم قدم پر نوکر اور ملازمین سر جھکا کر بڑے ادب سے سلام کر رہے تھے۔ چمپا اس قدر امیر اور دولت مند ہو گی یہ تو میں نے سوچا نہیں تھا اور نہ ہی اس نے کبھی یہ بات ظاہر کی تھی۔ وہ یوں بھی بڑی سادگی سے کالج آتی جاتی تھی۔

ایک لمحہ میں میں خود کو حقیر سمجھنے لگا اور احساس کمتری کا شکار ہونا فطری امر تھا۔

نہایت آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ چمپا نے ایک ایک کر کے اپنے گھر والوں سے میرا تعارف کرایا۔ اس کا خاندان چار افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے پتا جی' اس کی ماں کلدوتی' بڑا بھائی آنند اور خود چمپا تھی۔ یہ بہت صاحب مال و دولت تھے۔ ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی چمپا کے علاوہ اس کے سب گھر والوں میں دولت کا طمطراق بھی بھرپور طور پر نظر آیا اور ان کی گردن کلف زدہ سی محسوس ہوئی۔ مسز کلدوتی اور ان کے شوہر کی عمر ستر اسی برس کے لگ بھگ تھی لیکن اس کے باوجود وہ جوانوں کی طرح صحت مند اور چاق و چوبند دکھائی دیتے تھے اور سیدھا چلتے تھے۔

آنند اور چمپا کی عمریں اس لحاظ سے بہت کم تھیں۔ شاید ان کے والدین کی شادی دیر سے ہوئی یا پھر اولاد شادی کے کافی عرصہ بعد ہوئی ہو گی۔ چمپا نے اپنے پتا جی کے بارے میں بتایا تھا کہ تقسیم ہند کے وقت اس کے پتا جی نے ہندوستان جا کر مستقل رہائش کا پروگرام بنایا تھا اور ایک مسلمان شخص کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اطلاع ملی کہ راستے میں فسادات ہو رہے ہیں اور لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ عزت' جان و مال بچانا مشکل ہے اس لیے واپس اپنے گاؤں آ گئے۔ اس وقت چمپا اور آنند پیدا نہیں ہوئے تھے۔ واپسی کے بعد ان کا گاؤں بھی برے حالات کی لپیٹ میں آنے لگا تو وہ کومیلا آ گئے۔ یہیں پر آنند اور چمپا کی پیدائش ہوئی۔ آنند جی چمپا کی طرح ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اگر وہ غیر ضروری اور غرور کی حد تک پہنچے ہوئے رکھ رکھاؤ سے پرہیز کرتا تو بہت ہر دلعزیز شخصیت کا مالک کہلا سکتا تھا۔ چمپا کا باپ بڑھاپے کے باوجود بڑا کائیاں اور سخت طبیعت شخص محسوس ہو رہا تھا۔ مغرور اور تکبر والا تھا۔ رعونت بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ چند رسمی باتوں کے بعد وہ صوفہ پر بیٹھ گیا۔ مسز کلدوتی بڑی چرب زبان اور باتونی تھی۔ اس کے چہرے' باتوں اور آنکھوں سے بھی کینہ جھلک رہا تھا۔ یہ سب لوگ چمپا کے گھر والے ہرگز معلوم نہ ہوتے تھے۔ سارا اخلاق بناوٹی اور نمائشی سا تھا۔

کھانے میں چوں کہ دیر تھی اس لیے ملازمہ چائے لے کرآئی۔ سارے گھر والے ایک گول میز کے گرد جمع تھے۔ میرے دائیں جانب آنند اس کے برابر چمپا کے پتا..... جب کہ بائیں جانب مسز کلدوتی' اس کے بعد چمپا اور پھر نسرین بیٹھی ہوئی تھی۔ چمپا میری نظروں کے عین سامنے موجود تھی۔ چمپا نے چائے دانی سے پیالیوں میں چائے انڈیلی اور پھر چینی ڈالنے لگی۔ چمپا نے مجھ سے پوچھا۔ ''چینی کتنے چمچے.....؟''

میں زیادہ شکر پینے کا عادی تھا۔ میں نے جواب دیا۔ ''دو چائے کے چمچے بلکہ اڑھائی چمچے ڈال دیں۔''

چمپا نے پالی اپنی طرف کھینچ کر شکر دانی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس اثنا میں چائے دانی فضا میں اٹھنے لگی۔ ہم سب بھونچکے ہوکر یہ عجیب وغریب منظر دیکھنے لگے۔ چائے دانی کچھ اور بلند ہوئی پھر وہ ہمارے سروں پر سے گزرنے لگی۔ ایک جانب سے دوسری جانب......سروں کے پیچھے...... پھر وہ چمپا کے پتا کے سر کے عین سامنے پہنچ کر فضا میں معلق ہوگئی۔ لوگ حیرت اور خوف کے عالم میں چائے دانی کی حرکات کو دیکھ رہے تھے۔ چمپا کے پتا نے کھڑے ہوکر چائے دانی کو پکڑ لیا۔ اس پر سراسیمگی طاری تھی۔ اس نے چائے دانی کو اپنی طرف کھینچا۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی جیسے کسی ماورائی ہاتھ نے اسے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہو۔ وہ زور آزمائی کرنے لگا۔

''انکل!'' میں نے کہا۔ ''چائے دانی کو چھوڑ دیں...... کہیں ایسا نہ ہو کہ گرم گرم چائے آپ پر گر جائے۔''

اس نے میری ایک نہ سنی۔ اس پر خوف اور دہشت میں بھی ضد سوار ہوگئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چائے دانی آہستہ آہستہ الٹی ہونے لگی اور پوری طرح چمپا کے پتا پر آ گری۔ وہ درد کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ غنیمت ہوا کہ اس کا چہرہ بچ گیا مگر اس کے کندھے اور سر کے پچھلے حصہ کو کھولتی ہوئی چائے نے بہت متاثر کیا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں غسل خانے کی طرف بھاگا۔ انتہائی تکلیف کے عالم میں بری طرح دوڑتا ہوا وہ جیسے ہی دروازے پر پہنچا دروازہ یکایک ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔ چوں کہ وہ برق رفتاری سے لپکا تھا اس لیے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا اور وہ دھڑام سے دروازے سے جا ٹکرایا۔ اس نئی افتاد سے وہ مزید گھبرا گیا۔ اس کے سر میں چوٹ لگی تھی اور اس کے چہرے سے اندازہ ہو

رہا تھا کہ دروازے کی ٹکر سے اس کا سر بری طرح جھن جھنا گیا ہے اور اس کا دماغ درست ہو گیا ہے۔

مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ زندگی میں کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا جو نہایت عجیب وغریب' خوفناک اور دل ہلا دینے والا تھا۔ سب لوگوں کا بھی یہی حال تھا۔ چمپا کے پتا کے دروازے سے ٹکراتے ہی آنند اور چمپا اپنی جگہ سے باپ کی طرف لپکے اور اسے سہارا دے کر صوفے تک لائے۔ صوفے پر لیٹنے کے بعد بھی وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ صوفہ پر لیٹنے کے بعد اس نے سانس بھی نہیں لیا تھا کہ کھٹ کھٹ کر کے دونوں دروازے اور تمام کھڑکیاں خود بخود بند ہوگئیں۔ ہم نے خوف زدہ نظروں سے یہ منظر دیکھا۔ میرے جسم پر خوف سنسنی کی لہر بن کر دوڑ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی جادوگر اپنے کرتب دکھا رہا ہے۔ مظاہرہ کر رہا ہے۔ چند ثانیوں کے بعد کمرے میں ایک دل دہلا دینے والا قہقہہ گونجا جس میں استہزائیہ انداز تھا۔

نسرین اور چمپا کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔ آنند بھی سخت دہشت زدہ ہوگیا۔ اس قہقہہ کو سن کر میرے خوف پر حیرت غالب آگئی۔ کیوں کہ میں نے اس قہقہے میں ستیش مکرجی کی آواز کی مشابہت محسوس کی تھی۔ اگر یہ مکرجی ہے تو یہاں کیوں اور کس لیے آیا ہے؟ آخر کس لیے سب کو ہراساں اور پریشان کر رہا ہے؟ ان لوگوں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ میرے ذہن میں ان خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔ معاً میری نگاہ کمرے کے ایک گوشے کی طرف اٹھ گئی اور ادھر میں نے سفید دھوئیں کو فرش سے اوپر کی طرف بلند ہوتے ہوئے دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انسانی شکل میں نمودار ہوگیا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ مکرجی ہی تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی سرخی سے بڑا خوفناک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے سرخ چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس کی شکل اتنی خوفناک لگ رہی تھی ایک لمحے کو میں بھی خوف زدہ ہوگیا اور میرے سارے بدن پر سنسنی سرد لہر بن کر دوڑ گئی۔

مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہوا تھا کہ اس نے یہاں میری موجودگی کا بھی خیال نہیں کیا۔ میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کی توجہ چمپا کے ماتا پتا کی جانب تھی اور وہ انہیں بری طرح گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ سب لوگ اسے دیکھ کر خوف سے لرزنے لگے۔ میرے سوا سب نے زور زور سے بھوت کہا اور مسز کلدوتی بھی بری طرح ڈر گئی تھی۔ میں

نے محسوس کیا کہ مکرجی صرف مجھے ہی نہیں کمرے میں موجود ہر شخص کو نظر آ رہا ہے۔

مکرجی نے چمپا کے پتا کی طرف دیکھتے ہوئے استہزائی لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ نے اس پاپی کو پہچانا؟''

''بمل داس......؟'' میں ایک لخت اپنی جگہ سے اس طرح اچھلا جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس کا مطلب یہ کہ یہ بمل داس ہے۔ مسز کلدوتی چندا کی ماں' چندا کے بھائی بہن چمپا اور آنند ہیں۔

''تم...... تم......؟'' مگر ہم نے تو سنا تھا کہ تم قتل کر دیئے گئے ہو؟ ایک جگہ سے تمہاری لاش ملی تھی۔''

''تم نے غلط نہیں سنا بمل داس!'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں واقعی قتل ہو چکا ہوں۔ میں مر تو اس وقت گیا تھا جب میں نے چندا کی سربریدہ لاش دیکھی تھی...... ارے تم دونوں کا کیا جاتا اگر ہم دونوں کو قبول کر لیتے؟ میں تو اپنے ماتا پتا اور چچا ستیو رام کا قتل بھی معاف کرنے کو تیار تھا۔ تم دونوں میاں بیوی ان تمام کارروائیوں میں شامل رہے ہو...... اور تم......؟'' اس نے کلدوتی کی طرف خشمگیں نظروں سے گھورا تو وہ لرز کر رہ گئی۔

''مجھے چندا نے سب کچھ بتا دیا تھا کہ تم بھی اس کے گناہوں میں برابر کی شریک تھیں۔ تمہیں میرے ماتا پتا جی سے بہت بیر تھا......؟ کیا یہ سچ نہیں تھا بمل داس!'' کلدوتی بری طرح لرز رہی تھی۔

''کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے چمپا کی ماں سے پوچھا۔ ''آپ مجھے بالکل سچ سچ بتائیں؟''

''یہ بلاوجہ ہم پتی پتنی پر الزام لگا رہا ہے۔ اپمان کر رہا ہے۔'' کلدوتی نے لرزیدہ آواز میں جواب دیا۔ ''اس کے باپ نے شاید کسی سے کوئی بڑی رقم قرض لی تھی اور وہ بار بار تقاضے کے باوجود ادا نہیں کر رہا تھا لہٰذا اس شخص نے اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ میرے پتی کے پاس کس چیز کی کمی تھی جو اسے قتل کرتے اور پھر وہ ان کا دوست بھی تھا۔''

''یہ جھوٹ ہے بکواس ہے۔ میرے سورگ باش پتا جی پر جھوٹا الزام ہے۔'' مکرجی بھڑک اٹھا۔ ''اس سے پوچھو کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو قتل کیوں کیا؟ کیا دنیا میں ایسا شقی القلب باپ ہو سکتا ہے؟''

''کون باپ اپنی بیٹی کو قتل کر سکتا ہے؟'' اس بوڑھے بمل داس نے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہم دونوں اس شادی کے خلاف تھے۔ اس کے لچھن اچھے نہیں تھے۔ اس نے میری بیٹی کو ورغلانے کی کوشش کی۔ پھر یہ اسے اغوا کر کے لے گیا اور جی بھر کے منہ کالا کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا۔''

''جھوٹے مکار......'' مکرجی دہاڑا۔ ''غلط بیانی کر کے تم لوگ اپنے جرائم پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ تم دونوں نے ذاتی دشمنی میں میرا ماتا پتا' ستیو رام اور چندا کو قتل کیا۔ تم انسان نہیں درندے ہو۔ تم نے میری ماں کی بے حرمتی کی۔ کیا تم نے نہیں کی؟''

''تم میرے شریف اور معصوم والدین پر الزام تراشی کر رہے ہو۔'' آنند کو غصہ آ گیا۔

''معصوم اور شریف والدین!'' مکرجی قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ ''تم کیا جانو تمہارا باپ کیا ہے؟ دنیا کا ایک خبیث ترین اور درندہ صفت شخص ہے۔ انسان کے لہو کو پانی سے بھی ارزاں سمجھنے والا...... اس نے تمہاری بہن کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر ڈالا۔ اس نے اس کے پھول جیسے شریر پر انتہائی بے رحمی سے زخم لگائے۔ اسے گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔''

''مجھے ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں انتقام لینے آیا ہوں۔ ثبوت پیش کرنے نہیں...... ثبوت پیش کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔'' مکرجی نے غصے سے کہا۔ ''اس میں ذرا بھی جھوٹ شامل نہیں ہے۔''

''چمپا جو نسرین کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھی مکرجی کی باتیں سن کر ششدر رہ گئی تھی۔ چمپا کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے پاس جا کر پوچھا تو اس کے لہجے میں دکھ اور حیرت بھری ہوئی تھی۔

''کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟ کیا آپ دونوں میری بہن کے قاتل ہیں؟ اس نے جن جن لوگوں پر قتل کا الزام لگایا ہے وہ بالکل صحیح ہے؟ آپ کو بھگوان کی سوگند...... سچ سچ بتائیں۔''

ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پورے گھر میں مکرجی کی دہشت کا راج تھا۔ کچھ دیر تک دونوں میاں بیوی نے جھوٹے دلائل دیئے جو اپنی تردید آپ کر رہے تھے۔ پھر

گھبرا کر بمل داس نے دروازے کی طرف اچانک دوڑ لگائی اور دروازے کی طرف بھاگا۔ مگر وہاں بجلی کی سی سرعت سے مکرجی پہنچ چکا تھا۔

آنند نے مکرجی کو ایک لمحے کیلئے غافل پایا تو اسے جیسے مہلت مل گئی۔ وہ بڑی تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگی میز کی دراز کھولی۔ اس میں ایک چاقو موجود تھا۔ اس نے چاقو کا ایک خاص بٹن دبایا تو وہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ اس کا پھل تیز دھار اور چوڑا تھا۔ اس کی چمک بتا رہی تھی کہ اسے کتنی توجہ سے رکھا جاتا ہے۔ وہ یہ چاقو لے کر مکرجی کو مارنے کیلئے لپکا جس کی پشت اس کی طرف تھی۔ اس کے چہرے پر درندگی آ گئی تھی۔

''آنند......'' میں ایک دم سے ہذیانی لہجے میں چیخا۔ ''یہ تم کیا کر رہے ہو۔۔۔ میری بات سنو۔ رک جاؤ بے وقوفی نہ کرو۔ وہ روح ہے اور روح کو......''

مگر اس نے میری بات نہیں سنی۔ اس پر خون سوار تھا۔ وہ جنونی کی سی حالت میں اندھا دھند دوڑتے ہوئے راستے میں رکھی تپائی سے الجھا اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا فرش پر آ رہا۔ اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ بلند ہوئی۔ چاقو کا پھل اس کے سینے میں بالکل دل کے مقام پر پیوست ہو چکا تھا۔ اگر وہ چاقو ہاتھ میں لیے براہ راست نہ گرتا تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔ بمل داس اور کلدوتی سارا خوف و غم بھول کر روتے ہوئے آنند کی طرف بڑھے۔ وہ چند لمحوں تک تشنج کی کیفیت میں بل کھاتا رہا۔ فرش پر زخمی پرندے کی طرح لوٹتا رہا۔ ہاتھ پیر چلاتا رہا پھر اس کی روح جیسے پرواز کر گئی۔ پھر اس کی بے جان آنکھیں چھت پر مرتکز ہو گئیں۔ ساکت و جامد ہو گئیں۔

چمپا نے ایک زوردار چیخ ماری اور غش کھا کر نسرین کے بازوؤں میں جھول گئی۔ اس سے یہ سب کچھ دیکھا نہ گیا تھا۔

بمل داس پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ دہشت زدہ ہو کر کھڑکی کی طرف بھاگا۔ کلدوتی بھی دوسری سمت دوڑی۔ اس کی حالت بھی بڑی دگرگوں ہو رہی تھی۔ مکرجی اس طرف متوجہ ہوا تو میں نے چیخ کر مکرجی کو روکا۔

''رک جاؤ مکرجی ...... ان لوگوں کو معاف کر دو۔ انہیں مار دینے سے تمہارے پیارے تو واپس نہیں آ جائیں گے؟''

''معاف کر دوں...... کیوں معاف کر دوں...... نہیں...... میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اپنی خوشیوں کے قاتلوں کو...... تم دیکھ رہے ہو میرے والدین کی دولت پر کیا عالی شان محل کھڑا کیا ہے......؟ چندا کی زندگی میں انہیں معاف کرنے کے بارے میں سوچ سکتا تھا مگر اب نہیں...... اس رذیل شخص نے میری ماں کی بھی تو بے حرمتی کی...... کیا ایسا شخص معاف کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ بھابی تو ایک ماں کی جگہ ہوتی ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ ایک دم سے غائب ہو گیا۔ دوسرے لمحہ وہ بمل داس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ کلدوتی کمرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ بمل داس نے فرار کی راہ میں مسدود اور خود کو مجبور دیکھا تو گڑگڑایا۔

''مجھے معاف کر دے ستیش! مجھے معاف کر دے۔ میں تیرے پاؤں پڑتا ہوں۔''

میں نے اپنے قریب کھڑی ہوئی نسرین کو دیکھا۔ وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔ میں نے اس کی مدد سے چمپا کو صوفے پر لٹایا اور دوڑتا ہوا مکرجی اور بمل داس کے درمیان حائل ہو گیا۔

''مکرجی! بس کرو بہت ہو گیا...... تمہارے اندر اتنی درندگی کہاں سے آ گئی؟ کہاں ہے تمہاری وہ معصومیت جس کی قسمیں تمہارے ماتا پتا' چندا اور ستیو رام کھاتے تھے۔ تمہاری اس معصومیت پر تو چندا مرمٹی تھی۔ شرم کرو اور ختم کرو اس خونی کھیل کو...... ہوش میں آؤ...... تم اندھے نہ بنو انتقام کے جنون میں۔''

مکرجی نے میری طرف غصے سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ ''تم میرے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤ جبار...... تم نہیں جانتے میں کس کرب ناک اذیت سے گزرا ہوں۔ میری زندگی میں خوشیاں ہی کہاں تھیں۔ اس نے ساری خوشیاں تاراج کر دیں۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ ہٹ جاؤ۔ میرے سامنے......''

اس وقت چمپا کی ماں کمرے میں داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ جب وہ داخل ہوئی تھی اس کی چنگاریوں نے ایک کھڑکی کے پردے کو لپیٹ میں لے لیا۔ دوسرے ریشمی پردے سے اس کی مشعل ٹکرائی تو اس میں بھی آگ لگ گئی۔ مکرجی کی آنکھوں میں غصہ کی چنگاریاں بھری ہوئی تھیں۔

"سنا نہیں تم نے...... میں نے کیا کہا۔ راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"نہیں دوست!" میں نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اگر تمہارے اوپر خون ہی سوار ہے تو پہلے مجھے قتل کرو...... اگر تمہارے دل میں میرے لیے ذرا سی بھی عزت واحترام ہے تو اس کا واسطہ دیتا ہوں۔ ان دونوں کو چھوڑ دو...... اگر انتقام لینا ہی ہے تو ایسا لو کہ انہیں سبق مل جائے۔"

میری بات سنتے ہی وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ چمپا کی ماں نے جس طرح سے مشعل پکڑ رکھی تھی وہ غلط تھی۔ اس کی چنگاریاں اس کے کپڑے پر پڑیں۔ اس کے کپڑے ریشمی تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے لباس اور جسم کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ چیخیں مارنے لگیں اور صحن کی طرف سراسیمگی سے لپکی تو اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور کھڑکی سے جا ٹکرائی۔ کھڑکی کا پردہ بھی چوں کہ ریشمی تھا اس لیے پردے نے فوراً آگ پکڑ لی بمل داس غم و غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ فوراً ہی کلدوتی کی طرف دوڑا۔ کھڑکی سے آگ نے لکڑی کی دیوار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے آگ ہر طرف پھیل گئی۔ آگ کی تپش اور دھوئیں سے سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں پانی لانے اور آگ بجھانے کیلئے بڑی سرعت سے لپکا۔ جب میں صحن میں پہنچا تو کلدوتی کی دلدوز چیخوں کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں مگر اب بمل داس کی دل خراش چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ جب میں بالٹی میں پانی لے کر اندر پہنچا تو بمل داس پوری طرح شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی لاش کے پاس ہی بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میرے لیے وہاں تک پہنچنا ناممکن تھا۔ آخر میرے سامنے ہی وہ لوگوں کے استحصال اور لوٹ مار سے جمع کی ہوئی دولت کے اس مقبرے کے ساتھ جل کر ختم ہو گیا۔ اب میرا اس پر پانی ڈالنا بیکار تھا۔ کیوں کہ اس کا قصہ ختم ہو چکا تھا۔

میں قدرت کے اس بھیانک انتقام کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ مگر جی نفرت اور غصہ سے بے حال ہو رہا تھا۔ "آہ! بھگوان تو نے مجھے انتقام لینے نہیں دیا۔ بھگوان! یہ تو نے کیا کیا۔ یہ تو نے اچھا نہیں کیا......"

"جبار بھائی! ...... جبار بھائی ......" ایک دم سے ہیجانی لہجے میں چیخا۔ "جلدی سے نکلیں...... آپ چمپا کو اٹھا لیں...... حویلی میں ہر طرف آگ پھیل چکی ہے۔"

پوری حویلی بہترین لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں پر ریشمی پردے اور دروازوں پر نفیس بید کی چٹائیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس لیے آگ پھیلنے کا عمل نہایت سرعت اور تیزی سے ہوا۔ دھوئیں سے دم گھٹنے لگا جو پورے کمرے میں بھر گیا تھا۔ تپش لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں کھانستا ہوا لپک کر صوفے کے پاس پہنچا۔ نسرین بھی بری طرح کھانس رہی تھی۔ میں اور نسرین چمپا کو سہارا دینے کیلئے دروازے کی طرف بڑھے لیکن اسے آگ پکڑ چکی تھی۔ باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں تھا۔ آنکھوں میں دھواں بھر جانے سے شدت سے جلن ہونے لگی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ میں نے دل ہی دل میں گڑگڑاتے ہوئے اللہ کو یاد کیا۔ نسرین بھی بے ہوش ہو کر گر چکی تھی...... اور اب مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ چمپا کو اٹھا کر دو قدم بھی چل سکوں۔ مجھے یقین تھا کہ میرا آخری وقت آ چکا ہے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے آخری دفعہ میں نے کلمہ پڑھا اور مجھے صرف اتنا یاد رہا کہ کسی نے مجھے مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔

☆......☆......☆

بعد کے واقعات میرے ذہن میں واضح نہیں تھے اس کی یادداشت میرے ذہن میں کسی دہشت ناک خواب کی طرح دھندلا گئی تھی۔ لیکن ٹھوس حقائق آسانی سے جھٹلائے نہیں جا سکتے۔ میری نظروں میں زماں و مکاں اپنی اہمیت کھو چکے تھے۔ مگر میرا وجود جیسے متحرک تھا۔ میں بول رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا لیکن سب کچھ بے معنی تھا۔ سب کچھ ایک بھیانک خواب کی طرح تھا مگر میں اپنے اردگرد کی بھاگ دوڑ سے بے خبر نہیں تھا۔ کمرے میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔ سہمی سہمی ہوئی سرگوشیاں، سہمی چیختی چلاتی سرگوشیاں...... پھر میں نے اپنے بازو میں ایک چبھن سی محسوس کی۔ یہ چبھن میرے لیے نئی نہیں تھی۔ مجھے انجکشن لگایا گیا تھا۔ میرا بدن پرسکون ضرور ہو گیا لیکن انجکشن کی سوئی کا اثر میرے ذہن تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ لوگ میرے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ مشورے ہو رہے تھے کہ کیا کیا جائے۔ یہ مشورے بہت دیر تک ہوتے رہے پھر ان آوازوں میں میری ماں کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ پھر دوسری آوازیں پس منظر میں چلی گئیں۔ میری ماں سے ایک مانوس سی آواز نے کہا کہ آپ کا بیٹا ہسپتال ہی میں رہے گا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں، چمپا اور نسرین کے بارے میں اور اپنے ہسپتال میں

داخل ہونے کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ پھر میں نے کچھ دیر بعد دوسری مرتبہ اپنے بازو میں چبھن محسوس کی۔ اس بار انجکشن کا خاطر خواہ اثر ہوا اور میرا پورا وجود گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

جب میں بیدار ہوا تو کمرے میں خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے فوراً ہی احساس ہوا کہ نئے دن کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ میں نے دو تین مرتبہ پلکیں جھپکائیں۔ یہ ہسپتال کا بڑا کمرہ تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ دیکھ کر میں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا کہ چمپا اور نسرین بھی دائیں جانب کے بستروں پر لیٹی ہوئی ہیں۔ پھر ایک خیال آتے ہی میں نے اپنا جائزہ لیا۔ مجھے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ میرے جسم پر وہی لباس ہے جو میں پہن کر چمپا کے ہاں گیا تھا۔ گویا میں اور میرے کپڑے آگ سے محفوظ رہے تھے۔ وہ دونوں بھی محفوظ رہی تھیں۔

میں گزشتہ واقعات کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ کیسے ممکن ہوا...... ہم تینوں آگ کے شعلوں میں گھر چکے تھے۔ زندہ بچ کر نکل جانے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے دل میں اللہ سے مدد مانگی تھی۔ آیت الکرسی پڑھی تھی۔ نسرین اور چمپا گہری نیند سو رہی تھیں ورنہ میں ان سے دریافت کرتا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے میں نرس داخل ہوئی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔

اس نے میرے بستر کے قریب آ کر پوچھا۔ ''اب آپ اپنی طبیعت کیسی محسوس کر رہے ہیں؟''

میں نے نسرین اور چمپا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ بتائیں کہ ان دونوں کی طبیعت کیسی ہے؟''

''وہ دونوں بھی آپ ہی کی طرح آگ میں جلنے سے محفوظ رہیں۔'' نرس نے جواب دیا۔ ''البتہ زمین پر گرنے سے انہیں کچھ معمولی قسم کی اندرونی چوٹیں آئی ہیں لیکن گھبرانے اور پریشان ہونے کی بات نہیں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''

''زمین پر گرنے سے......'' میں نے کہا۔ میرے لہجے میں شدید حیرت تھی۔ ''کیا ان دونوں نے چھت پر جا کر چھلانگ لگائی تھی؟ جبکہ چھت پر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کمرے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ باہر نکلنا ناممکن سا تھا۔''

''کسی نے انہیں اوپر سے پھینکا تھا۔'' نرس حیرت آمیز لہجے میں کہنے لگی۔ ''چمپا کے پڑوس نے جو کچھ بتایا ہے وہ واقعات ناقابل یقین سے لگتے ہیں۔ چمپا کی ماں کی دلخراش چیخیں گونجنے لگیں تو ان کے پڑوس شلندر بابو مکان سے باہر آئے۔ پھر انہوں نے حویلی سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھا تو وہ بڑے حیران ہوئے اور بہت بری طرح گھبرائے۔ انہوں نے محلے اور پڑوسیوں کے دروازوں کو پیٹ ڈالا۔ جب تک سارے لوگ مل کر آگ بجھانے کیلئے پہنچے تو دیکھا کہ سارا مکان اندر اور باہر سے آگ کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ جمنا داس، مکرجی کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ وہ سنائی دینا بند ہو چکی تھیں۔ ان سب نے ایک حیرت انگیز منظر جو دیکھا وہ یہ تھا کہ آپ کسی گیند کی طرح باہر فضا میں اڑتے ہوئے آئے اور سبزہ زار پر گر گئے۔ پھر اس طرح نسرین اور چمپا بھی آ کر آپ کے قریب گر گئیں۔ کسی نادیدہ قوت نے آپ تینوں کو آگ کے شعلوں سے اس طرح نکالا کہ آپ لوگوں کے جسم اور کپڑے آگ سے بالکل محفوظ رہے۔ ایک معجزہ ہی تھا۔ یوں کہ آپ اور یہ دونوں لڑکیاں بے ہوش ہو چکی تھیں اس لیے فوراً ہی ہسپتال لایا گیا۔''

''کیا گھر...... اور اس کا سارا ساز و سامان اور دوسرے گھر والے آگ سے محفوظ رہے؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''پورے محلے والوں نے مل کر آگ بجھانے کی حتی الامکان کوشش کی اور انہوں نے بڑی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو بھی پا لیا لیکن مکان اور سب گھر والے جل کر کوئلے کا ڈھیر بن گئے۔ وہاں ان کی راکھ کے سوا کچھ نہ رہا۔ وہ مکان ان کے اور ان کے بیٹے کیلئے چتا ثابت ہوا۔ کوئی ایسی چیز نہیں بچی جو جلنے سے محفوظ رہی ہو۔ اتفاق سے آگ لگنے سے کچھ دیر قبل ملازمہ چھٹی لے کر اپنے بیمار بچے کو دیکھنے چلی گئی تھی اور دوسرے ملازمین کھیتوں میں پانی دینے گئے ہوئے تھے اس وجہ سے وہ سب بچ گئے۔ پولیس اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ آگ کیسے لگی؟ کوئی ایک گھنٹے کے بعد پولیس افسر آپ تینوں کا بیان لینے کیلئے آنے والا ہے۔''

یہ حالات اور واقعات کچھ ایسے تھے کہ پولیس کو کیا کسی کو بھی بتائے نہیں جا سکتے تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ پولیس ان باتوں کا بالکل یقین نہیں کرتی اور پھر اسے کسی اور تناظر سے دیکھتی اور پھر ہم تینوں کیلئے مصیبت کا پیش خیمہ بن جاتی۔ نرس نے دریافت کیا کہ آگ

کس طرح لگی؟ میں نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس وقت ذہن ماؤف ہے اس لیے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ صدمے سے بھی برا حال ہے۔ چمپا بیدار نہ ہو جائے اسے سونے دیا جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد چمپا ہوش میں آ گئی۔ وہ اپنے باپ، ماں اور بھائی کو یاد کر کے رونے لگی۔ اس کے زار و قطار رونے سے نسرین بھی بیدار ہو گئی۔ نسرین نے بتایا کہ رات وہ دونوں ہوش میں آ گئی تھیں۔ چمپا نے بھائی اور ماں باپ کی موت کا جو شدید اثر لیا تھا وہ ایک فطری امر تھا۔ اب بھی وہ بہت زیادہ دہشت زدہ تھی۔ اس لیے اسے نیند کے مسکن انجکشن دے کر سلا دیا گیا تھا۔ اس کا بھائی اور ماتا پتا کیسے بھی تھے اس کے اہل خاندان تھے۔ میں نے اور نسرین نے اسے دیر تک رونے دیا تا کہ دل کی بھڑاس نکل جائے اور اس طرح غم ہلکا ہو جائے۔ پھر وہ نارمل سی ہو گئی اور اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

میں نے نرس کی غیر موجودگی میں نسرین اور چمپا کو بتایا کہ پولیس ہم تینوں کا بیان لینے آنے والی ہے۔ ہمیں پولیس کے سائے سے بھی بچ کر رہنا ہے۔ وہ بلاوجہ تنگ، پریشان اور ہراساں کرتی رہے گی۔ یہ اس کی سرشت میں داخل ہے۔

جب پولیس انسپکٹر ہمارے بیانات لینے آیا تو میں نے اس سے کہا۔

''میں اور نسرین مس چمپا کے ہاں دعوت میں گئے تھے۔ وہاں ہم لوگ چائے پی رہے تھے۔ چمپا کی ماتا کھانا تیار کر رہی تھیں کہ ایک دم سے اسٹو پھٹ گیا جس کی وجہ سے ان کے کپڑوں اور باورچی خانے میں آگ لگ گئی۔ آنند نے انہیں بچانے کی کوشش کی تو وہ بھی لپیٹ میں آ گیا۔ ہم تینوں کی نہ کسی طرح باہر نکل آئے۔ چمپا کے ماتا پتا باہر نہ نکل سکے۔ چوں کہ ہم تینوں بے ہوش تھے اس لیے آگے کا حال کچھ معلوم نہیں...... میرے بیان کی ان دونوں نے تائید کی۔ انسپکٹر نے اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دیا اور پھر چلا گیا تو جان میں جان آئی۔ اس نے میرے بیان پر کسی شک و شبہے کا اظہار کیا نہ جرح کی۔

چمپا اس دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کا گھر جل چکا تھا۔ نسرین کے والد جو ہسپتال آئے تھے انہوں نے چمپا سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ چل کر رہے اور اسے نسرین کی طرح ہی اپنی سگی اولاد سمجھیں گے۔ اسے ہر طرح کی مذہبی اور سماجی آزادی حاصل ہو گی۔ وہ کسی بات کی کسی چیز کی فکر نہ کرے۔ وہ اس کے تمام اخراجات بشمول تعلیم کے بھی برداشت

کریں گے۔ چمپا کو ان کی پیشکش قبول کرنے کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔

اس دن ہمیں ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔ رات جب میں سونے کیلئے بستر پر دراز ہوا تو مجھے مکر جی یاد آیا۔ شاید اس نے ہمیں آگ کے شعلوں سے نکالا تھا۔ وہ اس وقت میرے کمرے میں نمودار ہوا۔

''میں نے اس سے پوچھا۔'' سچ سچ بتاؤ......اس آگ سے ہمیں کس نے بچایا؟''

''میں نے......'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے تمہیں، چمپا اور نسرین کو بچایا ہے۔''

وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ بڑے سے بڑے زخم اور گھاؤ مندمل کر دیتا ہے۔ چمپا نے ایک حقیقت پسند کی طرح حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ اس موقع پر نسرین اور اس کے گھر والوں نے بڑی دل جوئی کی۔ اسے گھر کے ایک فرد کی طرح سمجھا تھا۔ پھر بھی وہ کچھ دنوں تک غم زدہ سی رہی تھی۔ میں نے بھی اس کا دکھ درد بانٹنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ چمپا نے جلد ہی تعلیم کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ مکر جی سے میری کئی ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ اس نے کبھی بھولے سے بھی اپنے باپ کے انتقام کے موضوع پر بات نہیں کی تھی اور نہ ہی میں نے کبھی چھیڑنے کی کوشش کی۔ میں چمپا کا نام لانے اور اس کے متعلق کچھ کہنے سے بھی اجتناب کرتا تھا۔ میں یہ محسوس کرنے لگا کہ مکر جی نے انتقام کا خیال دل سے نکال دیا ہے اور اب چمپا کی ذات کو اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی ایسا خوفناک طوفان آیا کہ اس نے بڑی خوفناک تباہی پھیلا دی اور اس نے آبادیوں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ بارش اور سیلاب سے زیادہ تر غریب لوگ متاثر ہوتے تھے۔ ملک میں جو ذخیرہ اندوز تھے وہ اس سے بڑا ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور انہیں متاثرہ لوگوں پر ذرا بھر رحم نہیں آتا تھا۔ غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ مہنگائی بھی بہت بڑھ جاتی تھی۔ میرے گاؤں میں بہت سارے غریب لوگ آباد تھے۔ طوفان کی وجہ سے نہ صرف ان کے گھروں کو نقصان پہنچا تھا بلکہ ایک وقت کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بیماروں کے علاج کیلئے رقم کی ضرورت تھی۔ ادویات اس قدر مہنگی کر دی گئی تھیں کہ ان کی قوت خرید سے باہر تھیں۔

گاؤں میں ایسے کچھ لوگ تھے کہ وہ اپنے گاؤں کے تمام مسائل بڑی آسانی سے

حل کر سکتے تھے جس سے ان کی دولت میں کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن وہ خودغرض' بے حس اور بے ضمیر لوگ تھے۔ مفاد پرست تھے۔ ان کے پاس جو دولت تھی وہ گاؤں کے لوگوں کا خون چوس چوس کر حاصل کی ہوئی تھی۔ ان میں عبدل چودھری اور کمال سب سے بڑے سوداگر تھے۔ ذخیرہ اندوز تھے۔ رستم چودھری کے گودام میں اتنا اناج بھرا ہوا جو دو برس کیلئے کافی تھا۔ کمال کا سب سے بڑا میڈیکل سٹور تھا۔ ان دونوں نے طوفان کے بعد اناج اور ادویات کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ ان دنوں میں نے گاؤں میں ایسے ایسے دل دوز واقعات دیکھے کہ دل دہل گیا۔ بچوں کو بھوک سے بلبلاتے دیکھا۔ عورتیں اور بوڑھے کھانے کے ایک ایک دانے کیلئے صبح سے شام تک امدادی ٹیموں کا انتظار کرتے مگر اکثر ناکامی ہوتی۔ کچھ لڑکیاں اور عورتیں فاقوں سے تنگ اپنی عزت نیلام کرنے لگیں۔ حکومت جو امداد کرتی تھی وہ محدود بجٹ کی ہوتی تھی اور پھر ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے کہ لوگ بھوک سے تنگ آ کر چوری چکاری اور لوٹ کھسوٹ پر اتر آئے۔

ہمارے گھریلو حالات بہت اچھے نہیں تھے تو بہت برے بھی نہیں تھے۔ گزارہ ہو ہی جاتا تھا مگر دوسرے لوگوں کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ ایک روز میں گاؤں والوں کے مسائل کے بارے میں فکرمندی سے سوچ رہا تھا کہ مکرجی آ گیا۔ اس نے مجھے گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ لیا تھا۔ اس نے میرا بشرہ بھانپ کر پوچھا۔

''کیا بات ہے دوست! آج تم کچھ زیادہ ہی فکر مند اور پریشان دکھائی دے رہے ہو؟''

''اس طوفان سے گاؤں میں بڑی تباہی و بربادی ہوئی ہے۔ سیلاب میں غریبوں کا بہت کچھ بہہ گیا۔'' میں نے کہا۔ ''نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو بچوں اور گھر والوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کیلئے عزت بیچنا پڑ رہی ہے۔ گھر طوفان کی نذر ہو گئے ہیں۔ انہیں سر چھپانے کیلئے سائبان تک نصیب نہیں ہے۔ امدادی ٹیمیں بھی غائب ہیں۔ فاقے ہو رہے ہیں۔ کمال اور رستم چودھری لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں۔ انسانیت سسک رہی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ ان کی مدد کیسے کی جائے؟ میرے پاس اتنا نہیں ہے کہ کسی کی کچھ مدد کر سکوں۔''

''اس کیلئے کل کتنی رقم کی ضرورت ہوگی؟'' مکرجی نے پوچھا۔ ''تم اندازے سے

بتا سکتے ہو؟''

''پانچ لاکھ ٹاکا......'' میں نے جواب دیا۔ ''اس لیے کہ گھروں کی مرمت' ان دو مسلمان لڑکیوں کی شادی کیلئے جہیز جو سیلاب میں بہہ گیا۔ بیماروں کیلئے ادویات اور غریبوں کے گھروں میں راشن کیلئے کافی رقم درکار ہے۔ ایسے گھروں میں جو فاقہ کر رہے ہیں ان میں ایک ماہ کا راشن تو ہو۔''

وہ تھوڑی دیر کے بعد نظروں سے غائب ہو گیا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد آیا تو اس کے پاس ایک تھیلا تھا۔ اس کا منہ کھول کر الٹ دیا۔ میرے سامنے چھوٹے بڑے نوٹوں کا ڈھیر لگ گیا۔ یہ پورے پانچ لاکھ ٹاکا ہیں۔ اگر یہ کم پڑے اور مزید رقم کی ضرورت پڑے تو مجھے طلب کر لینا...... تمہیں جتنی رقم چاہیے میں لا کر دے سکتا ہوں۔''

''ایں...... یہ رقم کہاں سے آئی......؟ کہیں تم الٰہ دین کے جادوئی چراغ کے جن تو نہیں ہو؟'' میں نے ششدر ہو کر پوچھا۔

''تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے......؟'' مکرجی نے تیز لہجے میں جواب دیا۔ اسے نجانے کیوں غصہ آ گیا تھا اور اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ ''تم پانچ لاکھ کی رقم کیلئے سخت پریشان ہو رہے تھے تاکہ گاؤں کے جو ضرورت مند اور غریب لوگ ہیں ان کی مدد کی جا سکے۔ وہ غریب اپنے گوناگوں مسائل کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ تم سے ان کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی...... لہٰذا میں نے مطلوبہ رقم الٰہ دین کے جادوئی چراغ کے جن کی طرح لا کر تمہاری خدمت میں پیش کر دی۔ اب تم اس رقم کو جتنا جلد ہو سکے مستحق افراد میں تقسیم کر دو۔ جس طرح چاہے اس رقم سے ان کی مدد کرو۔''

''تمہاری اس نوازش کا بہت بہت شکریہ میرے دوست!'' میں نے ممنونیت سے کہا۔ ''لیکن تمہیں مجھے یہ بتانے میں کیا حرج ہے کہ یہ رقم تم کہاں سے اور کس طرح لائے ہو؟ یہ رقم بہت بڑی ہے۔''

''آخر تم یہ جاننے کیلئے کس لیے بے چین اور پریشان ہو رہے ہو؟'' مکرجی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں یہ بات صرف اس لیے جاننا چاہتا ہوں کہ کل کہیں مجھ پر کوئی افتاد نہ نازل ہو جائے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھ پر اتنی بڑی رقم کی چوری کا الزام بھی آ سکتا ہے۔ لوگ

جانے کیا کیا کہیں گے...... ایک دوسرے سے اور مجھ سے پوچھیں گے کہ اتنی بڑی رقم میرے پاس کہاں سے آئی؟ کیوں کہ گاؤں کے لوگ میری حقیقت اور حیثیت سے خوب واقف ہیں۔ ان کا شک میں کیسے دور کرسکوں گا اور پھر کسی کی زبان بھی تو بند کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر کوئی مجھے پولیس کی نظروں سے دیکھے گا اور اپنے تیئں یہی سمجھے گا کہ میں نے چوری کی ہے اور کسی رئیس کے ہاں ڈاکہ مارا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' مکر جی نے تائیدی انداز میں اپنی گردن ہلائی۔ ''میں یہ رقم رستم چودھری اور کمال کی تجوریوں سے نکال کر لایا ہوں۔ انہیں ہوا بھی نہیں لگی۔''

''کیا......؟'' میری آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ''تم نے ان کی تجوریوں کو صاف کر دیا؟ جب وہ اپنی تجوریاں خالی دیکھیں گے تو وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں گے اور انہیں مجھ پر شک ہو جائے گا۔''

''ابھی بھی ان کی تجوریاں نوٹوں کی گڈیوں سے بھری ہوئی ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''تم حکم کرو تو ان کی تجوریوں میں جھاڑو پھیر دوں اور تمہاری الماری میں ان کے نوٹوں کی گڈیاں بھر دوں۔''

''کیا ان کے پاس اور بھی رقم ہے......؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''یقین نہیں آتا کہ ان کی بڑی بڑی تجوریاں نوٹوں سے بھری ہوئی ہیں......؟''

''ان کے پاس جو بے پناہ دولت ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہو۔ یہ دولت صرف نوٹوں کی گڈیوں کی شکل میں ہی نہیں بلکہ سونے کے زیورات کی شکل میں بھی ہے۔ ان کے پاس جو دولت ہے وہ برسوں سے اپنی تجوریوں میں بھر رہے ہیں۔ اس لیے ان کی تجوریاں بھری ہوئی ہیں۔ یہ تجوریاں چھوٹی یا درمیانہ سائز کی بھی نہیں ہیں بلکہ بڑی الماریوں کے سائز کی ہیں...... تمہیں فکرمند اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ انہیں اس رقم کی چوری کا پتا بھی نہیں چلے گا۔ وہ محسوس بھی نہیں کر سکیں گے۔ بھرے تالاب سے ایک بالٹی پانی نکال لیا جائے تو کیا کسی کا کوئی پتا چل سکتا ہے......؟ اور پھر انہیں خود نہیں معلوم کہ تجوری میں کتنی رقم رکھی ہوئی ہے...... اور پھر میں نے ایسا کوئی نام و نشان اور ثبوت نہیں چھوڑا ہے کہ انہیں شک و شبہ ہو کہ رقم تجوری سے نکالی گئی ہے۔ وہ اپنی اپنی تجوری کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتے ہیں؟ انہیں ایسی جگہ چھپا کے رکھتے ہیں کہ ان کی

بیوی اور بچوں کو بھی پتا نہیں ہے۔''

''تم نے رستم چودھری اور کمال کو ہی نشانہ کیوں اور کس لیے بنایا؟ انہیں لوٹا...... کسی اور شہر کے سوداگر اور مال دار کی رقم بھی اڑا کے لا سکتے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے علاوہ بینک وغیرہ بھی تو ہیں۔''

''اس لیے ان دونوں منافع خوروں کے پاس جو دولت ہے وہ اس گاؤں کے لوگوں کی ہے۔'' مکر جی کہنے لگا۔ ''یہ سوداگر نہیں بلکہ ڈاکو ہیں ڈاکو...... ان میں اور بمل داس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان دونوں ڈاکوؤں نے برسوں سے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ کتنے طوفان آئے' کتنے ہی بارشوں اور سیلابوں نے تباہی مچائی' قحط کی سی صورت پیدا ہو گئی۔ وبائی امراض پھوٹ پڑے۔ اس وقت بھی ان لوگوں نے ضرورت مندوں' فاقہ زدوں اور مستحق لوگوں کی مدد نہیں کی۔ ایک ٹاکا اور مٹھی بھر چاول تک نہیں دیا۔ اس کے علاوہ حکومت کو ٹیکس تک نہیں دیتے ہیں۔ بینکوں سے زرعی قرضے لے کر معاف کروا لیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی دولت پر گاؤں کا زیادہ حق ہے۔ دراصل یہ غریب ٹیکس ہے جو میں نکال لایا ہوں۔''

''تم نے بہت اچھا کیا جو ان لٹیروں کی دولت پر ہاتھ صاف کیا۔'' میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''ان کی یہی سزا ہے کہ ان کی ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔ یہ انسان نہیں وحشی درندے ہیں۔''

''میں ان کی ساری دولت صرف تمہارے ایک اشارے پر لا کر تمہارے قدموں میں ڈال سکتا ہوں۔'' مکر جی بولا۔ ''کہو تو ابھی اور اسی وقت لے کر آؤں...... یہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔''

''نہیں...... ابھی نہیں...... جب اس کی ضرورت محسوس ہو گی تب اس نیک کام میں ایک منٹ کی دیر نہیں کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میرے خیال میں یہ رقم کافی ہے۔ اس سے ان کے مسائل بہ آسانی حل ہو جائیں گے۔''

''اور ہاں...... میں سونے کے زیورات بھی لایا ہوا تھا کہ ان غریب لڑکیوں کے بیاہ کے وقت ان کے جہیز میں دیا جا سکے جن کا جہیز سیلاب میں بہہ گیا۔ تم ان کے ماں باپ کو یہ زیورات دے دینا اور رقم بھی......''

اتنا کہہ کر مکر جی نے اپنی جیب سے سونے کے زیورات نکال کر میرے سامنے رکھ

دیئے۔ ان میں بارہ چوڑیاں' دو کڑے' دو نیکلس' چار عدد انگوٹھیاں' دو عدد ٹیکے اور چار عدد ٹاپس تھے۔ یہ زیورات شاید کسی نے مجبوری کے تحت ان کے ہاتھ کوڑیوں کے دام فروخت کیے تھے۔ یہ مختلف ڈیزائن کے تھے۔ بڑی نفاست سے بنائے ہوئے تھے۔ بہت ہی خوبصورت بھی تھے۔ یہ دو لڑکیوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا اور ان کیلئے خاصا زیور تھا۔

''مگر یار مکرجی!'' میں نے کہا۔ ''سونے کے زیورات لڑکیوں کے والدین کو دینے میں ایک قباحت ہے...... یہ ڈیزائن کی وجہ سے کسی بھی اور اصل مالکوں کی نظروں میں بھی آ سکتے ہیں۔ اگر شادی کے موقع پر رستم چودھری اور کمال کے گھر کی عورتوں نے ان زیورات کو دیکھ لیا تو ایک طوفان کھڑا ہو جائے گا۔ لڑکیوں کے والدین کی شامت آ جائے گی۔ ان کی عزت نہ صرف خاک میں مل جائے گی بلکہ وہ جیل کی ہوا بھی کھائیں گے۔ پھر وہ معصوم اور بے گناہ لڑکیاں سسرال رخصت نہ ہو سکیں گی۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' مکرجی مسکرایا۔ ''میں ابھی اور اسی وقت ان تمام چیزوں کے ڈیزائن ایسے بدل دوں گا کہ انہیں کوئی بھی شناخت نہیں کر سکے گا اور نہ ہی دعویٰ کر سکے گا کہ یہ زیورات دیکھے بھالے ہیں۔ ان کے ڈیزائن بالکل نئے اور جدید قسم کے ہوں گے اور کسی نے آج تک ایسے ڈیزائن دیکھے بھی نہ ہوں گے۔''

مکرجی نے سب سے پہلے ایک سیٹ بنایا۔ اب سونا دو سیٹ کی شکل میں موجود تھا۔ پہلے اس نے ایک سیٹ کی ایک ایک چیز باری باری اٹھائی اس پر ہاتھ پھیرتا گیا۔ اس نے جس چیز پر ہاتھ پھیرا اس کی ساخت ہی بدل گئی۔ پہلے سیٹ کا ڈیزائن واقعی یکسر بدل گیا تھا۔ بہت خوبصورت اور نیا اور منفرد ڈیزائن بن گیا۔ پھر اس نے دوسرے ڈیزائن کیلئے ایک لمحہ سوچا پھر اس نے دوسرا سیٹ اٹھایا۔ دوسرے سیٹ کی ایک ایک چیز پر باری باری وہی عمل کیا جو اس نے پہلے والے سیٹ پر کیا تھا۔ ایک ایک لمحے میں ڈیزائن بدل گیا۔ دوسرے سیٹ کا ڈیزائن پہلے سیٹ سے یکسر اور مختلف بن گیا۔ میں تحیر زدہ ہو کر اس کے ہاتھ کے کمالات دیکھ رہا تھا۔ یہ دو سیٹ تھے ایک کریمو بابا کی بیٹی نذیرہ کیلئے اور دوسرا مخدوم حسین کی بیٹی کیلئے......''

''مکرجی!'' میں نے ششدر ہو کر کہا۔ ''یہ جادو تمہیں کس نے سکھایا ہے......؟ تم جادوگر تو نہ لگتے تھے۔ سندیپ کے جادوگر نے جو جادو سکھایا کیا ایسا ہی تھا...... تم نے واقعی

ایسا کمال آ گیا ہے کہ میں عش عش کر رہا ہوں۔''

''کالی ماتا نے......'' اس نے جواب دیا۔ ''سب سے زبردست جادو سکھایا ہے۔ میں نے سندیپ کے جادوگر سے بہت کچھ سیکھا۔ اصل جادو تو کالی ماتا ہے۔''

''کالی ماتا نے......؟'' میں نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''مگر میں نے آج تک اس کا نام نہیں سنا۔ وہ کون سے بنگال کی جادوگرنی ہے...... کیا مغربی بنگال کی؟''

''وہ اسی مشرقی بنگال کی عمر رسیدہ جادوگرنی ہے۔'' مکرجی نے کہا۔ ''وہ ایک دور دراز ویران اور سنسان مقام پر رہتی ہے۔ وہاں کسی شخص کا گزر ممکن نہیں ہے اور نہ اس طرف جانے کی ہمت کر سکتا ہے۔''

''کیا اس عمر میں بھی وہ جادوگرنی بہت سارے جادو جانتی ہے؟ صدیوں پہلے بنگال کی سرزمین جادوگروں کی سرزمین کہلاتی تھی۔ اس میں کتنی صداقت ہے۔ سنا ہے کہ بنگال کے جادوگر ساری دنیا میں مشہور تھے؟'' میں نے کہا۔

''وہ نہ صرف جادو کا علم جانتی ہے بلکہ بڑی پراسرار قوتوں کی مالک بھی ہے۔'' مکرجی کہنے لگا۔ ''یہ بات بالکل سچ ہے کہ دو سو برس قبل اور اس کے بعد بنگال پوری دنیا میں جادو کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ یہاں کے جادوگروں نے دنیا کے بڑے بڑے اور خطرناک قسم کے جادوگروں کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ ایک زمانے میں جادوگرنیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔ بہت ساری عورتیں چھوٹے موٹے جادو جانتی تھیں۔ ان کے بارے میں بہت سارے قصے اور کہانیاں مشہور ہیں۔ وہ اپنی پسند کے مردوں اور جوان لڑکوں کو جادو کے زور پر غلام اور اسیر بنانے کیلئے جانوروں اور پرندوں میں بدل دیتی تھیں۔ بنگال میں جادوگروں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ ان میں ایک سے ایک ماہر تھا۔ آج جادوگر آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور وہ بھی معمولی قسم کے......''

''جب جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد موجود تھی تو ان کی نسل اچانک ختم کیوں ہو گئی؟ جبکہ ایسا نہیں ہوتا ہے...... کہیں وہ یہ دیش چھوڑ تو نہیں گئے......؟ یا پھر مغربی بنگال یا آسام میں جا کر بس گئے؟ کیوں؟'' میں نے کہا۔

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔'' مکرجی کہنے لگا۔ ''میرے والد بتاتے تھے کہ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں جب انگریزوں نے اس سنہری زمین پر قدم رکھا تو انہوں نے تین چیزیں دیکھیں۔ خوبصورت بنگال جس میں ایک عجیب سا اور دل میں اتر جانے والا سحر تھا۔ اور پھر سانپ بھی بہت تھے۔ جادوگروں کی بہتات بھی تھی۔ ان جادوگروں کے باعث ان کے لئے بڑی دشواریاں اور مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ وہ ان کے وجود سے بہت زیادہ خائف اور پریشان ہو گئے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز کس قدر عیار اور فریبی ہوتا ہے۔ ان انگریزوں نے بنگال کے بڑے بڑے اور استاد قسم کے جادوگروں کی فہرست تیار کی پھر انہیں ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے انگلستان آنے اور اپنی جادوگری کے کمالات کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی۔ انہیں انعام و اکرام دینے کا بھی وعدہ کیا۔ جادوگر ان کے فریب اور بہکاوے میں آ گئے۔ انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کی دعوت خوشی خوشی قبول کر لی اور پھر انہیں ایک بحری جہاز میں انگلستان لے جانے کیلئے سوار کرایا گیا۔

سفر کے دوران کوئی تین دن کے بعد جہاز پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ لندن کی حسین و جمیل اور نوجوان رقاصاؤں نے کوئی تین سو جادوگروں کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ رقص کیا تھا بے حجابی اور عریانی تھی۔ کوئی تیس نوجوان اور حسین لڑکیوں نے جو نامناسب لباس میں تھیں انہوں نے ساقی کے فرائض انجام دیئے۔ انہیں جو شراب پیش کی گئی اس میں زہر ملا ہوا تھا یا بے ہوشی کی دوا...... جب وہ پوری طرح بے ہوشی کی آغوش میں چلے گئے تب انہیں ایک ایک کر کے سمندر برد کر دیا گیا۔ پھر وہ شارک اور وہیل مچھلی کی غذا بن گئے۔ پھر اس دور سے جیسے پورے بنگال سے جادو کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک بھی بڑا استاد اور ماہر جادوگر نہیں رہا۔ اب جادوگر نہ ہونے کے برابر ہیں۔''

''کیا کالی ماتا بھی ان جادوگروں میں سے کسی ایک جادوگر کی بیٹی ہے یا اس نے کسی جادوگر سے جادو سیکھا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ان جادوگروں میں سے ایک جادوگر کی پوتی ہے۔ لیکن اس کا باپ جادوگر نہ تھا۔ اس کا دادا کسی وجہ سے ان جادوگروں کے ساتھ جا نہ سکا تھا اس وجہ سے وہ بچ گیا۔ میں نے کالی ماتا سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے تصدیق کی کہ یہ سچ ہے کالی ماتا نے بتایا کہ وہ انگریز جنہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا اور وہ جہاز جس میں جادوگروں کو

لے جایا گیا تھا ایک جادوگر کی آتما نے اس جہاز اور عورتوں اور عملے کو غرق کر دیا تھا۔ مرنے کے بعد اسے سازش کا علم ہو گیا تھا۔''

کچھ دیر بعد مکرجی چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھا۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی رقم دیکھی تھی۔ اور پھر سونے کے زیورات...... یہ بھی بھاری اور بے حد قیمتی تھے۔ ان سب کو دیکھ کر میری نیت میں فتور پیدا ہونے لگا۔ دل بھی ورغلا رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کیلئے سوچا کہ کیوں نہ میں اس رقم اور زیورات کو رکھ لوں۔ اس رقم سے میں شاہانہ زندگی گزار سکتا تھا۔ یہ رقم اور زیورات میری شادی میں کام دے سکتے ہیں۔ میں نے چشم تصور میں چمپا کو دلہن کے روپ میں دیکھا۔ دوسرے لمحے مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں واپس آ گیا۔ پھر میں نے ایک لمحے کیلئے سوچا کہ دولت کب کسے راس آئی ہے جو مجھے آ جائے گی۔ دنیا میں ایک طرف یہ چیز بہت اچھی ہے تو دوسری طرف بہت بری بھی ہے۔ اللہ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ زندگی اچھی گزر رہی ہے۔ دو وقت پیٹ بھر کے کھانے کو مل جاتا ہے۔ کوئی تکلیف اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل یہ دولت میرے لیے کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن جائے۔ میرے گلے میں پھندا بن جائے۔ بہت سارے ضرورت مند محتاج اور حالات کے مارے بدنصیب خاندانوں کو اس کی ضرورت ہے۔ مجھے کل ہی پہلی فرصت میں اس رقم کو تقسیم کر دینا چاہئے۔ بغرض محال مجھے رقم کی ضرورت پڑی تو مکرجی مجھے لا کر دے سکتا ہے۔ وہ الہ دین کے جادوئی چراغ کے جن سے بھی بڑھ کر ہے۔

جب میں دوسرے دن زیورات کے سیٹ اور دس دس ہزار کی رقم لے کر مخدوم حسین اور کریمو بابا کے ہاں پہنچا تو ان کی حیرت اور خوشی قابل دید تھی۔ میں نے انہیں سختی سے تاکید کی تھی کہ اس بات کی کسی کو بھی ہوا نہ لگے۔ پھر میں سارا دن اس رقم کی تقسیم میں مصروف رہا۔ میں جن جن گھروں میں گیا وہاں جیسے چپکے سے بہار آ گئی۔ ان میں ہندو اور مسلمان سب تھے۔ میں نے بلاتفریق ان کی مدد کی۔ انہیں بتایا کہ ایک مخیر شخص نے اس شرط پر امداد کی ہے کہ اسے راز میں رکھا جائے گا۔ وہ شخص کسی وجہ سے منظر عام پر آنا نہیں چاہتا ہے۔ یہ سب لوگ خریداری کیلئے کومیلا شہر چلے گئے۔ بچوں کو وہاں گاؤں کے مقابلے میں ہر چیز سستی مل جاتی تھی۔ ویسے ہمارا گاؤں چھوٹا نہ تھا بہت بڑا تھا۔ یہاں ہاٹ (ہفتہ

واری بازار) بھی لگتا تھا۔ بڑی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ رستم چودھری کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا کیوں کہ کسی نے اس کی دکان سے خریداری نہیں کی تھی۔

رات جب میں سونے کیلئے بستر پر دراز ہوا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ اس وقت جو میں بے پایاں خوشی محسوس کر رہا تھا وہ میں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اگر میں یہ رقم اور زیورات خود رکھ لیتا تو یہ خوشی نہ ہوتی جو ان لوگوں کی مدد کر کے ہوئی تھی۔ گھر بن گئے تھے۔ فاقے کے دن ختم ہو گئے تھے۔ اب ان کے پاس علاج معالجے اور ہر ضرورت پوری کرنے کیلئے رقم آ گئی تھی۔ ان کی دعاؤں نے مجھے ایک عجیب سی روحانی مسرت سے دوچار کیا تھا۔

وقت بہت تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ ایم بی بی ایس کا سالانہ امتحان ہوا۔ اس امتحان میں مکرجی نے ہر پرچہ میں میری پوری پوری مدد کی۔ جب نتیجہ آیا تو مسرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے نہ صرف اپنے کالج ہی میں نہیں بلکہ پورے کومیلا شہر، فینی اور چٹاگانگ میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے تہلکہ مچا دیا تھا۔ نہ صرف کالج بلکہ اپنے گاؤں کا نام بھی روشن کیا تھا۔ اخبارات نے مجھے بہت کوریج دی تھی۔ میری تصویریں اور انٹرویوز شائع کیے۔ مجھے مبارکباد کے خطوط بھی ملے۔

نسرین اور چمپا بھی امتیازی نمبروں سے پاس ہوگئی تھیں۔ میری شاندار کامیابی پر نہ صرف مبارکباد بلکہ میرے اعزاز میں تقریبات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے نسرین اور چمپا نے دعوت دی۔ پھر گاؤں والوں نے ایک تقریب منعقد کر کے تحائف اور دعاؤں سے نوازا۔ پھر کالج اور کومیلا ٹاؤن ہال کی جانب سے ایک شاندار پارٹی اور شیلڈ دی گئی۔ چٹاگانگ والوں نے بھی ایک زبردست عصرانہ دیا۔ اگر مکرجی نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میں شاید ہی مشکل سے پاس ہوتا۔ میں نے اول آنے کا راز کسی کو بھی نہیں بتایا۔ نسرین اور چمپا کو بھی میں نے اعتماد میں نہیں لیا۔

☆......☆......☆

امتحانات کے بعد ہالینڈ کی فٹ بال ٹیم بنگلہ دیش کے دورے پر آئی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ ہندوستان کا دورہ کر کے آئی تھی۔ اس لئے نہ صرف بنگلور اور مدراس کی فٹ بال ٹیموں کو جو کہ بہت مضبوط تھیں جنہیں ہندوستان کی کسی ٹیم نے ہرایا نہیں تھا انہیں...... اور کلکتہ کی موہن بگان اور محمڈن فٹبال ٹیم کو درجن درجن گول سے ہرایا تھا۔ بنگلہ دیش آ کر چٹاگانگ، راج شاہی اور باریسال کی ٹیموں کو سولہ پندرہ گولوں سے بدترین شکست دی تھی۔ ان کا آخری میچ کومیلا کی ٹیم سے چٹاگانگ شہر میں رکھا گیا تھا۔ کیوں کہ کومیلا میں بہت بڑا سٹیڈیم نہیں تھا۔ ہالینڈ کی فٹ بال ٹیم واقعی ہی بہت اچھی اور مضبوط ٹیم تھی۔ اس کا ایک ایک کھلاڑی عمدہ اور بہترین کھیل پیش کرنے میں ماہر تھا۔ مجھے اپنے دیش کی ٹیموں کے تمام میچز ہارنے کا بہت دکھ اور صدمہ تھا۔ میں نے ٹیم کے کپتان اور سلیکٹرز سے درخواست کی وہ مجھے بھی اس میچ میں چانس دیں۔ میں اپنے کالج میں فٹ بال ٹیم کا بہترین کھلاڑی مانا جاتا تھا۔ یہ لوگ بڑے شہروں کی ٹیموں کے مسلسل ہارنے کی وجہ سے سخت ذہنی دباؤ اور انتشار کا شکار تھے اور بہت پریشان بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے مجھے بری طرح جھڑک دیا۔ میں نے مکرجی کو بلا کر کہا کہ وہ کسی طرح ٹیم میں میرا نام شامل کرا دے تا کہ میں اپنی ٹیم کو فتح یاب کرا سکوں۔ میچ ہونے سے ایک دن قبل کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان کیا گیا تو ان میں میرا نام بھی شامل تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میرے حوصلے بلند ہو گئے۔

میں نے مکرجی کی منت سماجت کی کہ وہ میری لاج رکھ لے وہ اس میچ میں میری مدد کرے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہالینڈ کی ٹیم کو بدترین شکست دے کر رسوائی کا داغ دھویا جائے۔ مکرجی تو ہر قدم پر میری مدد کیلئے تیار رہتا تھا۔ دوسرے دن میچ شروع ہونے سے تین گھنٹے پہلے ہی نیاز سٹیڈیم تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس چھوٹے

سے شہر کی ٹیم جو غیر معروف کھلاڑیوں پر مشتمل ہے ہالینڈ کی ٹیم سے بری طرح ہار جائے گی لوگ فٹ بال کھیل کو بہت پسند کرتے تھے اور وہ ہالینڈ کا عمدہ کھیل دیکھنے آئے تھے اور انہیں ہارنے کا کوئی دکھ اور غم بالکل ہی نہ تھا۔ جب میں اپنے کھلاڑیوں کے ساتھ میدان میں اترا تو میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میچ شروع ہوا تو ان کا اور ہمارا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ہم ان کے سامنے بچہ ٹیم کی طرح تھے۔ وہ کھیل کہاں رہے تھے ہمیں نچا رہے تھے۔ ہر شخص کہہ رہا تھا کہ ہماری شکست یقینی ہے کیوں کہ وہ ہمیں اس طرح کھلا رہے تھے جیسے وہ چھوٹے بچوں کو فٹ بال کھیلنا سکھا رہے ہوں۔ نسرین اور چمپا بھی فٹ بال میچ دیکھنے آئی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں کئی کالج کی لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

کھیل شروع ہوا تو ایک عام خیال یہ تھا کہ ہم دو درجن سے زیادہ گول کھائیں گے۔ کیوں کہ کومیلا کی ٹیم پورے دیش میں سب سے کمزور ٹیم تھی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ دس منٹ کے بعد تماشائیوں کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ میں نے پہلا گول کر دیا۔ اس ٹیم کے خلاف دورے میں یہ پہلا گول تھا۔ پھر پانچ سات منٹ کے بعد مہمان ٹیم کے خلاف سر سے گیند کو بہت دور سے مار کر گول کر دیا۔ گیند بندوق کی گولی کی طرح کئی کھلاڑیوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی گئی تھی۔ اس گول نے سب کو چکرا دیا اور وہ بھونچکے سے رہ گئے۔ ظاہر ہے ایسا ہونا تھا۔ یہ مکرجی صاحب کا کارنامہ تھا جو میرے وجود میں تحلیل ہو گئے تھے۔ میرے دونوں گول بہت شاندار تھے۔

تماشائیوں نے پورا اسٹیڈیم تالیوں کے شور پر اٹھا لیا تھا۔ ہالینڈ کی ٹیم کے شاٹ بڑے زبردست تھے کیوں کہ وہ چھ فٹ کے تھے اور ہم ان کے سامنے بونے سے دکھائی دیتے تھے۔ ان کے شاٹ روکنا ہمارے کھلاڑیوں کے بس کی بات نہیں تھی لیکن اب معاملہ اس کے برعکس ہو گیا تھا۔ وہ میرے شاٹ روک نہیں پاتے تھے۔ میں سینٹر فارورڈ کھیل رہا تھا۔ میں نے ہاف گراؤنڈ سے ایک کک لگا کر گول کیا تو گول ہو گیا۔ ان میں سے کوئی بھی اس گیند کو روک نہ سکا۔ اس گول نے مخالف ٹیم کو پریشان کر دیا تھا۔ تماشائیوں میں جوش و خروش بڑھ گیا۔ انہوں نے تالیوں اور نعروں سے میرے اس گول کی بھرپور داد دی۔

چوتھا گول تو بڑا زبردست اور سنسنی خیز تھا۔ جب میں نے دوسری ٹیم کے ہاف میں پہنچ کر ایک زوردار کک لگائی۔ گول کیپر نے گیند کو پکڑنے کی کوشش کی۔ گیند نے اسے

دھکا دے کر گرا دیا اور گیند گول کے اندر چلی گئی۔ گول کیپر دوسرے لمحے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ سخت خوفزدہ تھا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ بھونچکا ہو کر گیند کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ گیند نے اسے کیسے دھکا دے کر گرا دیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ متحیر اور سراسیمہ سا ہو کر گراؤنڈ سے نکل گیا۔ اس کے کپتان نے دوڑ کر پکڑ لیا اور اسے روکنے کی کوشش کی تو وہ رکا نہیں۔ وہ حیران پریشان اور بدحواسی کے عالم میں پویلین میں چلا گیا تھا۔ جاتے جاتے اپنا سر ہلاتا اور شانے اچکاتا گیا تھا۔

پہلے ہاف میں ہماری ٹیم سات گول سے جیت رہی تھی۔ جب دوسرا ہاف شروع ہوا تو میں نے مکرجی سے کہا کہ مہمان ٹیم کے کھلاڑیوں کا تیل نکالنا چاہیے تاکہ تماشائی اور ہمارے کھلاڑی محظوظ ہو سکیں۔ ہالینڈ میں سخت سردی پڑتی ہے۔ ہمارے ہاں کا موسم معتدل ہونے کے باوجود وہ پسینہ پسینہ ہو رہے تھے جب کھیل کا دوسرا ہاف شروع ہوا تو کھیل کم جادوگری زیادہ ہو گئی۔ میں گیند کو لے کر مخالف ٹیم کے ہاف کی طرف بڑھا تو ان کی پوری ٹیم میرے پیچھے پڑ گئی۔ مجھ سے گیند چھین لینے کی کوشش کی جانے لگی۔ میں ان سب کو ڈاج دیتا کیری کرتا ہوا کبھی آگے جاتا' کبھی پیچھے ہو جاتا۔ پھر گراؤنڈ کے گرد چکر کھلاتا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک بار بھی مجھ سے گیند نہیں چھین سکا۔

دس بارہ منٹ میں مہمان ٹیم کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے اور پسینے میں نہا رہے تھے۔ انہیں اس بات پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ مجھ سے گیند چھیننے کی ان کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے۔ میں انہیں تگنی کا ناچ نچا رہا تھا۔ ان کھلاڑیوں نے فاؤل کر کے مجھے گرانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ جو فاؤل کرتا اس کا الٹا ہو جاتا یعنی وہ خود ہی فاؤل کا نشانہ بن جاتا اور اپنی ٹانگ پکڑ کر درد و تکلیف سے کراہنے لگتا۔

جب کھیل ختم ہوا تو ہماری ٹیم بائیس گول سے جیت رہی تھی۔ اچانک بارش ہو جانے کی وجہ سے آدھا گھنٹہ پہلے کھیل ختم کر دیا گیا۔ اگر کھیل جاری رہتا تو میں تیس گول یقینی طور پر کر دیتا۔ ایک طرح سے ہماری ٹیم نے ہالینڈ کی فٹ بال ٹیم کو بدترین شکست دے کر مثالی فتح حاصل کی تھی اور پھر ان تمام شکستوں کا بدلہ لے لیا تھا جو اس نے ہمارے بڑے شہروں کی ٹیموں کو ہرایا تھا۔ ان پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہم میں اتنی صلاحیت اور مہارت ہے کہ دنیا کی مضبوط سے مضبوط ترین ٹیموں کو ہرا سکیں۔

بارش بہت تیز نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی رک گئی تھی۔ تماشائی گراؤنڈ میں اس امید پر بیٹھے رہے کہ شاید دوبارہ کھیل شروع ہو جائے اور پھر جو لوگ ریڈیو پر کمنٹری سن رہے تھے جب انہوں نے سنا کہ ان کی ٹیم نے شان دار کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے بائیس گول کر دیئے ہیں۔ مہمان ٹیم بے بس ہوگئی ہے اور میزبان ٹیم کھیل پر پر چھا گئی ہے وہ میچ دیکھنے کیلئے گراؤنڈ یعنی سٹیڈیم کی طرف لپکے۔ ایک طرح سے پورا شہر ہی سٹیڈیم میں اُمڈ پڑا تھا۔

آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے روشنی بہت کم ہو گئی تھی اور پھر گراؤنڈ میں ایسی پھسلن ہوگئی تھی کہ کھیل دوبارہ جاری رکھا نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا ریفری نے کھیل کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ ہالینڈ فٹ بال ٹیم کے کپتان اور کھلاڑیوں نے ہماری ٹیم کو بڑی فراخ دلی سے مبارکباد دے کر اسپورٹ مین اسپرٹ کا بہترین اور مثالی مظاہرہ کیا۔ کپتان نے مجھے نہ صرف پرخلوص مبارکباد دی بلکہ میرے کھیل کو سراہتے ہوئے مجھے دنیا کا بہترین کھلاڑی قرار دیا۔ یہ سارا کھیل ایک طرح سے ون مین شو ہی تھا۔ اس مبارکباد اور کامیابی کا سہرا مکر جی کے سر تھا مگر وہ اور میں کیا کر سکتے تھے۔ میں مبارکباد وصول کرتا اور ان کا شکریہ ادا کرتا رہا۔

میں اس وقت قومی ہیرو بن گیا تھا۔ بہت سارے تماشائیوں نے مجھے کندھے پر اٹھا کر پورے سٹیڈیم کا ایک چکر لگایا۔ تماشائیوں نے کھڑے ہو کر اور پرجوش انداز میں تالیاں بجا کر مجھے خراج تحسین اور مبارکباد پیش کی۔ جب میں پویلین میں آیا تو مجھے پھولوں سے لاد دیا گیا۔ اخباری نمائندوں اور فوٹو گرافروں نے مجھے گھیر لیا۔ حکومت کے اعلیٰ حکام اور سپورٹس بورڈ کی انتظامیہ نے میرے کھیل کی بہت تعریف کی اور بیش قیمت انعامات اور رقم سے بھی نوازا۔

لیکن مجھے سب سے بڑا اعزاز اور انعام چمپا کی طرف سے ملا تھا۔ جب اس نے اپنے بہت ہی خوبصورت گورے گورے اور نازک ہاتھوں سے میرے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا تو میرا وجود ہی نہیں بلکہ میری روح بھی مہک اٹھی تھی۔ جب اس نے مبارکباد کے الفاظ ادا کیے تو میرے کانوں میں جیسے کسی نے بہت سارے سر جگا دیئے۔ ہر سر بڑا مدھر مدھر سا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا۔ نیا رنگ و روپ اور دلکشی تھی۔

اس کی آنکھوں میں حیا تھی۔ پلکوں کی چلمن نے سایہ کیا ہوا تھا۔ اس کی جھکی جھکی نظریں صرف ایک لمحے کیلئے اوپر اٹھیں۔ اس کی آنکھوں کی زبان نے ایک پل میں جو کچھ کہا وہ زبان مہینوں میں بھی کہہ نہیں سکتی۔

جب ہم گاؤں پہنچے تو پورا گاؤں میرے استقبال کیلئے امڈ آیا تھا۔ لوگوں میں بڑی گرمجوشی، والہانہ پن اور سرشاری تھی۔ گاؤں میں میرا اس طرح سے استقبال ہوا تھا کہ آج تک کسی کا بھی نہیں ہوا ہوگا۔ کچھ دنوں تک گاؤں اور کومیلا شہر میں دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا اور میرے اعزاز میں تقریبات منعقد ہوتی رہیں۔

مجھے بڑے بڑے شہروں کے فٹ بال کلبوں کی جانب سے بھاری رقومات پیش کی جانے لگیں کہ میں ان کے کلب کا ممبر بن جاؤں اور ان کی طرف سے کھیلنے لگوں مگر میں نے قبول نہیں کیا۔ میرے دل کے نہاں خانے میں ایک انجانا سا خوف چھپا ہوا تھا۔ میری اس عظیم الشان کامیابی کے پیچھے مکر جی کا ہاتھ تھا میں اس کے بغیر کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ خوف ستائے جا رہا تھا کہ کہیں ان کلبوں کی رکنیت کے بعد میرا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ یہی احساس تھا جس کی بنا پر میں نے سب کی پیشکش مسترد کر دی۔

دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ مجھے چمپا سے محبت ہوگئی تھی۔ اگر وہ تنہائی میں مبارکباد دیتی اور میرے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتی تو میں جذباتی ہو جاتا اور اس کے ہونٹوں کی ساری مٹھاس اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیتا۔ میر اسے اپنی نظروں سے دور نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ جب بھی مجھے دیکھتی تھی بہت خوش ہوتی تھی۔ جیسے میں برسوں کی جدائی کے بعد آج ہی آیا ہوں۔ اس کی یہ سرشاری دیکھ کر جیسے میں بھی سرشار ہو جاتا تھا اور میرے دل کے کسی کونے میں ایک سرگوشی سی ہوتی تھی۔ میں کہتا تھا چمپا! تم جنت سے چرایا ہوا پھول ہو۔ اس پھول کی خوشبو سے میرا وجود ہی نہیں بلکہ ساری فضا مہک رہی ہے۔ اگر میں اسے ایک دن نہ دیکھوں تو میرے دل کی عجیب سی حالت ہو جاتی تھی۔ لیکن میں اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ اس سے زیادہ سامنا نہ ہو۔

کومیلا شہر کے ایک سرکاری ہسپتال میں ہم دونوں ہاؤس جاب کرنے لگے۔ یہ لازمی تھا۔ وہ ہسپتال آتی تو سفید ساڑھی اور سفید ہی بلاؤز میں ملبوس ہوتی تھی۔ اس سفید لباس میں وہ کسی آسمانی حور کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ اس کے چہرے پر جو نرمی، معصومیت

اور شفقت سی ہوتی وہ مریضوں کی آدھی بیماری کو ختم کر دیتی تھی۔ وہ مریضوں کا بڑا خیال اور فکر کرتی۔ ایک منٹ کیلئے بھی سکون سے نہیں بیٹھتی تھی۔ اپنے فرض سے غافل نہیں رہتی تھی۔ یہی جذبہ نسرین میں بھی موجود تھا۔

ہسپتال میں ہاؤس جاب کی وجہ سے ہم دونوں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ گویا کہ وہ میرے دل و دماغ پر چھا چکی تھی۔ میرے من کے نہاں خانے میں اس کی تصویر آویزاں تھی۔ اس کے باوجود میں ایک لمحے کیلئے مریضوں سے غافل نہیں رہتا تھا۔ مریضوں کی خدمت کو اولین ترجیح دیتا تھا اور اپنے فرض سے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ ہم دونوں کی ملاقاتیں چائے کی میز پر یا راؤنڈ کے دوران ہو جاتی تھیں۔ میں نے کبھی بھولے سے بھی اس بات کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے سامنے کسی حیلے بہانے سے جاؤں۔ اس سے باتیں کروں۔ میں پہلے ڈاکٹر تھا' مریض اہم تھے پھر چمپا تھی۔

نسرین کو شاید اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں۔ آخر کیوں نہ ہو۔ محبت مشک کی خوشبو کی طرح ہوتی ہے۔ وہ چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ اس کے باوجود میں نے کبھی چمپا سے تنہائی میں ملنے اور بات کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ چائے پینے کیلئے کینٹین میں مدعو کیا۔ گو کہ وہ ایک ہندو لڑکی تھی۔ ہندو گھروں کا ماحول مسلمان گھرانوں کے ماحول سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ لیکن ان کی عورتوں میں بھی شرم و حیا ہوتی ہے۔ گاؤں میں تو اس بات کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ ہم دونوں کے درمیان ہسپتال میں یا گھر واپس جاتے وقت جو گفتگو اور تبادلہ خیال ہوتا تھا وہ مریضوں اور سینئر ڈاکٹروں' ان کے مزاجوں اور ان کی سیاست کے بارے میں ہوتا تھا۔ بعض اوقات لائبریری میں ہم دونوں کو تنہائی مل جاتی تھی لیکن کبھی میری زبان پر دل کی بات نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ اس بات کو صاف محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے درمیان سماج کی نہیں مذہب کی دیوار کھڑی ہے۔ جسے گرانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ خاص طور پر مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر تھا۔ کسی طرح بھی اپنا مذہب چھوڑ کر چمپا کو اپنانے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ چمپا مسلمان ہو جائے اور یوں ہم ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے کے ہو جائیں لیکن میں جبر و زیادتی سے مسلمان بننے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

نسرین نے بھی اس بات کی بہت کوشش کی کہ ہمارے مذہب کی طرف اس کا رجحان ہو جائے۔ چمپا اس کے ہاں رہ رہی تھی۔ اس لیے اس کے کہنے اور مشوروں سے چمپا نے دینی کتابوں' خاص طور پر قرآن مجید اور تفسیر کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ میرے اور چمپا کے درمیان مذہب کے موضوع پر کئی مرتبہ گفتگو ہوئی اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ عقلی اور شعوری طور پر اسلام کی حقانیت کی قائل ہوتی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے یہ بات میرے لیے انتہائی مسرور کن تھی۔ ایک شام میں نسرین کے ہاں مدعو تھا۔ نسرین ہم دونوں کو تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع دینے کیلئے دانستہ اٹھ گئی۔ چمپا نے دبے الفاظ میں یہ بھی تسلیم کر لیا کہ اگر اس کے خیالات اسلام کے بارے میں یکسو ہو گئے تو جس کی اسے پوری توقع ہے پھر وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر تیار ہو جائے گی۔

اس رات خوشی کے مارے مجھے دیر تک نیند نہیں آئی اور میں نہ جانے کیسے کیسے خوش کن تصورات میں گم ہو کر جاگتا رہا' لیکن ابھی اس گفتگو کو دو تین دن ہی گزرے تھے کہ میں نے چمپا کے طرز عمل میں کچھ تبدیلی محسوس کی۔ اب وہ ہسپتال میں میرے سامنے آنے یا مجھ سے باتیں کرنے سے گریز کرنے لگی۔ وہ کینٹین میں آتی تو اور لڑکیوں کے ساتھ کسی بہانے سے بیٹھ جاتی تھی۔ نسرین نے دو ایک مرتبہ پکنک کا پروگرام بنایا تو اس نے شریک ہونے سے معذرت کی اور بلاوجہ کے عذر پیش کیے تو مجھے شک ہونے لگا کہ ضرور کوئی ایسی خاص بات پیش آئی ہے جس نے اس کے طرز عمل میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ میں نے کئی مواقع پر اس بے اعتنائی اور بے رخی کی وجہ جاننے کی کوشش کی مگر وہ ہر مرتبہ خوبصورتی سے ٹال گئی۔

نسرین نے بھی اس کی اس بے رخی کو محسوس کیا تھا۔ ایک روز میں نے نسرین کو کینٹین میں دیکھا۔ اس کے ساتھ چمپا نہیں تھی۔ کوئی آپریشن ہو رہا تھا۔ وہ لیڈی ڈاکٹر زاہدہ غنی کے ساتھ آپریشن تھیٹر میں تھی۔ میں نے موقع غنیمت جانا اسے ایک الگ میز پر لے جا کر اس سے پوچھا۔ ''نسرین! سچ سچ بتاؤ کہ کیا بات ہے چمپا مجھ سے کھنچی کھنچی کیوں رہنے لگی ہے؟''

''آپ یقین کریں جبار بھائی! مجھے خود نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ میں خود بھی دیکھ رہی ہوں اور محسوس کر رہی ہوں۔ میں تو سمجھی کہ شاید آپ اسے کسی وجہ سے لفٹ

نہیں دے رہے ہیں۔ اس لیے وہ دور دور اور الگ تھلگ سی رہنے لگی ہے۔ میں خود آپ سے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن آپ نے اپنی طرف سے بات صاف کر دی۔''

''کیا تم نے اسے کبھی نہیں ٹٹولا......؟'' میں نے کہا۔ ''وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ تمہاری گہری سہیلی ہے اور تم اس کی محسن ہو۔ وہ تم سے کوئی بات چھپانے سے رہی۔ اس لیے کہ اس دنیا میں تمہارے سوا اب اس کا ہے بھی کون؟''

''میں نے اس سے متعدد بار غیر محسوس انداز سے دریافت کیا تھا۔ اس کا ایک جواب ہوتا تھا۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ زچہ وارڈ میں ڈیوٹی کی وجہ سے اس قدر مصروف رہتی اور تھک جاتی ہوں۔ اس لیے میں کسی سے ٹھیک سے مل اور بات نہیں کر پاتی ہوں۔''

''اصل بات یہ نہیں ہے نسرین۔'' میں نے کہا۔ ''وہ دانستہ تم سے کچھ چھپا رہی ہے اور کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتی ہے۔ شاید اسے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی یہ غلط فہمی دور کر دوں۔ یہ کس طرح سے ہو سکتا ہے؟''

''آپ ایسا کریں کہ شام کے وقت میرے گھر آ جائیں۔'' نسرین کہنے لگی۔ ''میرے گھر والے آج سہ پہر کے بعد ایک تقریب میں جا رہے ہیں اور ان کی واپسی میں رات دس گیارہ بج جائیں گے۔ میں کوئی بہانہ کر کے رک جاؤں گی۔ گھر والوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ پھر آپ چمپا سے سکون واطمینان سے بات کر لیں۔ گھر میں میرے سوا کوئی نہ ہوگا۔ میں آپ دونوں کو تنہا چھوڑ دوں گی۔''

نسرین کی تجویز بڑی مناسب تھی۔ اس کے سوا کوئی اور صورت بھی نہیں تھی۔ چمپا کو میرے آنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ اس لیے پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ نسرین نے مجھے چمپا کے کمرے میں بٹھایا۔ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے بن کر آنے تک چمپا خاموش سی رہی۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی بلکہ ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرتی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک گھٹا سی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سے ایک عجیب سی وحشت سی جھانک رہی تھی۔ نسرین چائے بنا کر لے آئی تو وہ مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ لیکن چمپا خاموش رہی۔ نسرین نے جلدی سے اپنی چائے ختم کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جبار بھائی! آپ چمپا سے باتیں کریں میں دو ایک سہیلیوں کو ٹیلی فون کر کے

تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔''

نسرین اتنا کہہ کر کمرے سے تیزی سے نکل گئی۔ چمپا کوئی بچی نہیں تھی جو اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ نسرین ہم دونوں کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دے گئی ہے۔ اس لیے وہ چند لمحوں کے بعد اٹھی اور کچھ کہے بغیر جانے لگی تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''چمپا! سنو...... میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔ تم رک جاؤ۔ میری بات تو سنو۔''

''پلیز! آپ مجھے جانے دیں۔'' وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ ''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔''

''نہیں چمپا!'' میں نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔ ''تم جب تک میری بات نہیں سنو گی میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔''

''مسٹر جبار!'' وہ بڑی بے رخی سے بولی۔ ''آپ مجھے کسی بات کیلئے مجبور اور پریشان نہیں کر سکتے۔''

اس لمحے جانے مجھے کیا ہوا کہ میں خود پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے چمپا کو قریب کر کے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا اور اس کے چہرے پر جھک گیا۔ پہلے تو اس کا نازک سا بدن کسمسایا اس نے میرے بازوؤں کا حلقہ توڑنے کی کوشش اور مزاحمت کی۔ پھر اس نے سپر ڈال دی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو جیسے میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس میں خود سپردگی اور والہانہ پن سا آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں اسے بڑے صوفے پر لے کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی پشت کو چوما اور آنکھوں سے لگایا اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''چمپا! تمہیں کیا بتاؤں کہ تمہاری اس بے رخی کے طرز عمل سے مجھ پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ میری راتوں کی نیند اور دن کا چین وسکون حرام ہو کر رہ گیا ہے۔ میں سب کچھ سہہ سکتا ہوں تمہاری بے رخی نہیں...... تم نہیں جانتی ہو میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تمہیں میرے سر کی قسم چمپا! مجھ سے انجانے یا دانستگی میں یا نادانستگی میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو ورنہ کسی کو اس کا جرم سنائے بغیر سزا دینا کہاں کا انصاف ہے۔ بتاؤ چمپا! میرا جرم کیا ہے؟''

اس نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ غیر محسوس انداز سے چھڑایا۔ پھر اس نے اپنے بال اور لباس کی شکنیں درست کیں پھر وہ نظریں نیچی کر کے سرگوشی میں بولی۔ ''ایسی کوئی بات تو نہیں ہے آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔ میں آپ سے ناراض کیوں ہونے لگی۔''

''چمپا! تم مجھ سے چھپا رہی ہو اور ٹالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم نے میری غلط فہمی دور نہیں کی تو پھر دریا میں کود کر خودکشی کر لوں گا۔''

چمپا نے تڑپ کر میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''ایسا نہ کہیں.....'' پھر وہ میرے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

چند لمحوں کے بعد وہ سسکیوں کے درمیان رندھی ہوئی آواز میں ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی۔

''کوئی دس بارہ دنوں سے میرے ساتھ عجیب واقعات پیش آ رہے ہیں۔ آپ کو شاید اس بات کا علم ہے اور میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ نسرین کے گھر والوں نے مجھے ایک کمرہ علیحدہ دے رکھا ہے۔ اور میں اس کمرے میں تنہا ہوتی ہوں اور میری اجازت کے بغیر کمرے میں کوئی نہیں آتا ہے۔ کوئی بارہ دن پہلے کی بات ہے اچانک گہری نیند سے میں بیدار ہو گئی۔ کمرے میں ہلکا سبز رنگ کا بلب جل رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کمرے میں جیسے میرے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ یہ احساس ہوتے ہی میرے سارے بدن پر سرد لہر دوڑ گئی اور رگوں میں لہو منجمد ہو گیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی لیکن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے پر بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔ پھر میں نے اسے اپنا واہمہ سمجھ کر جھٹکنے کی کوشش کی لیکن یہ واہمہ نہیں تھا کیوں کہ دفعتاً مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی بستر پر میرے پاس آ کر بیٹھ گیا ہو۔ میں ڈر کے مارے جلدی سے اٹھنے لگی مگر کچھ نادیدہ ہاتھوں نے مجھے زبردستی بستر پر لٹا دیا۔ ان ہاتھوں میں بلا کی طاقت تھی۔ وہ بے حد مضبوط تھے۔ ان میں لوہے کی سی سختی تھی پھر وہ ہاتھ دست درازی کرنے لگے اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ میرے برابر ہی لیٹ گیا ہے۔ میں اس کا جسم ٹھوس محسوس کر رہی تھی مگر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوسری طرف اس نادیدہ ہستی کی دست درازیاں جاری تھیں اور میں اپنے پورے جسم پر اس کے ہاتھ محسوس کر رہی تھی۔ پھر اس نے مجھے بے لباس کرنے کی کوشش کی تو میں نے تڑپ کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا اور دروازے کی طرف کوندا بن کر لپکی لیکن دروازہ خود بخود

بند ہو گیا۔ اچانک کسی نے مجھے اپنی آغوش میں جکڑ لیا اور شراب کا ایک تیز بھبھوکا میری ناک سے ٹکرایا اور دو مضبوط بازوؤں نے مجھے خوشی سے گود میں اٹھا لیا اور دوبارہ بستر پر دھکیل دیا۔ میں نے چیخنا چاہا لیکن آواز نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ خوف و دہشت سے جیسے گم ہو گئی تھی۔ میں منہ کھولنے کے باوجود چیخ نہیں سکی۔ میں اس طاقت ور ہستی کے ہاتھوں میں بالکل بے بس ہو چکی تھی۔ قریب تھا کہ اس ہستی کی ناشائستہ حرکات اپنی آخری حد تک پہنچ جاتیں کہ اچانک کمرے کے ایک گوشے میں عجیب طرح کی نیلگوں روشنی نمودار ہوئی۔ اس روشنی کا نمودار ہونا تھا کہ مجھے اپنے اوپر سے ایک بھاری بوجھ اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ دوسرے لمحے کمرے کا دروازہ آپ ہی آپ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ نیلگوں روشنی کچھ دیر تک نظر آتی رہی اس کے بعد وہ بھی غائب ہو گئی۔''

چمپا نے توقف کر کے میز پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کرنے کے بعد کہنے لگی۔

اس کے بعد اگرچہ وہ صبح تک خوف کے مارے جاگتی رہی مگر پھر کچھ نہ ہوا لیکن ہر لمحہ ایک انجانا سا دھڑکا سا لگا رہا کہ پھر وہ نادیدہ ہستی کمرے میں آ کر دست درازیاں کر سکتی ہے۔ حد سے تجاوز کر سکتی ہے اور خوف سے صبح تک نیند نہیں آئی۔

اس واقعہ کے بعد رات کو میں اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر سوتی رہی۔ دو چار دن خیریت سے گزر گئے پھر پانچویں رات کو پھر وہی واقعہ پیش آیا اور جب سے ہر تیسرے چوتھے دن کوئی نادیدہ ہستی مجھے مسلسل پریشان کر رہی ہے لیکن اب صرف فرق اتنا ہوا ہے کہ وہ تقریباً ایک گھنٹہ تک مجھے اس طرح پریشان کرنے کے بعد اس سے قبل کہ وہ کوئی مذموم حرکت یا حد سے تجاوز کرے مجھے چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔''

''تم نے یہ سب کچھ نسرین کو بتایا؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیا اسے ان واقعات کا علم ہے؟''

''نہیں..... میں نے اسے کچھ نہیں بتایا..... آپ پہلے شخص ہیں جو میں آپ کو بتا رہی ہوں۔'' چمپا نے جواب دیا۔

''تم نے نسرین کو کس لیے اور کیوں نہیں بتایا؟'' میں نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا اس میں کوئی قباحت تھی؟''

میں نے اب تک نسرین کو اس خوف سے نہیں بتایا کہ وہ کہیں الٹا میرا مذاق نہ اڑانے لگے یا پھر وہ میرے کردار کے بارے میں شک و شبہے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ان حالات میں میں اپنے آپ کو آپ کے قابل نہیں سمجھتی۔ کیوں کہ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ نادیدہ ہستی اپنے ناپاک ارادوں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا دے اور میں نے اس خیال کے تحت آپ سے بے رخی برتنا شروع کر دی تھی کہ آپ میرے طرز عمل سے ناراض ہو کر مجھ سے ملنا چھوڑ دیں۔''

میں چمپا کی زبانی یہ حالات سنکر بہت حیران اور پریشان تھا۔ جو پہلا خیال میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ تمام شرارت مکرجی کی معلوم ہوتی ہے۔ وہ چمپا کی جان لینے سے پہلے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا ہے یا ممکن ہے کہ وہ سب کچھ اس ارادے سے کر رہا ہو کہ جب مجھے ان حالات کا علم ہو تو میں چمپا سے بدظن اور بدگمان ہو جاؤں۔ اسے اپنے قابل نہ سمجھوں اور مکرجی کے انتقام میں مزاحمت کرنے کا خیال ترک کر دوں لیکن میں نے اپنا یہ خیال چمپا پر ظاہر ہونے نہیں دیا کہ کہیں وہ اور خوف زدہ نہ ہو جائے۔

پھر میں نے اسے تسلی دی کہ تم گھبراؤ نہیں' پریشان یا ہراساں نہ ہو میں کسی مسلمان بزرگ سے مل کر اس شیطان ہستی کو ختم کرنے یا اسے بھگانے کے سلسلے میں مشورہ کروں گا اور یہ کہ ہمیں اتنا اطمینان تو ہونا چاہئے کہ کوئی اور طاقت بھی تمہاری حفاظت کر رہی ہے۔ ورنہ وہ نیلی روشنی نمودار نہ ہوتی جسے دیکھتے ہی وہ شیطان ہستی تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی اور اس دن کے بعد سے اس نے تمہیں پریشان کرنے کے سوا بے حرمتی کی کوشش نہیں کی۔

میری باتوں سے چمپا کو اتنا اطمینان ہوا کہ وہ پھر سے میرے سینے سے لگ گئی۔ تھوڑی دیر تک میں اس کی آنکھوں میں جھانکتا اور محبت بھرے بول اس کے کانوں میں ٹپکاتا رہا۔ پھر نسرین آ گئی۔ وہ پھر چائے بنا کر لے آئی۔ تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نسرین نے اس خوشی میں کہ میری غلط فہمی دور ہو گئی اور چمپا کے طرز عمل میں پھر سے محبت پیدا ہو گئی ہے رات کے کھانے پر روک لیا۔ خود چمپا کی خواہش پر میں نے نسرین کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ آخر رات دس بجے میں چمپا کو مسکراتا اور خوش چھوڑ کر واپس آ گیا۔ اس کا خوف بڑی حد تک دور ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

میرا ارادہ گھر واپس پہنچ کر مکرجی کو بلانے کا تھا۔ گھر پہنچا تو میرے بہت سارے دوست میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے میرے کمرے میں دھاوا بولا ہوا تھا۔ ہالینڈ کی ٹیم کو ہرانے کے بعد مجھے جو انعامات ملے تھے اور مجھے مستقل طور پر قومی ٹیم میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں بہت سے دوست دعوت کھانے پر اصرار کر رہے تھے اور اس وقت ان کا اجتماع بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ میں نے انہیں ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ رات ایک ڈیڑھ بجے تک دھا چوکڑی مچاتے رہے۔ آخر خدا خدا کر کے جب وہ میرے کمرے سے رخصت ہوئے تو میں بہت تھک چکا تھا۔ سر میں درد بھی ہو رہا تھا اور بڑے زور کی نیند بھی آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے مکرجی کے بلانے کا ارادہ ملتوی کر کے آرام کرنا ہی مناسب سمجھا۔

دوسرے دن ہسپتال ڈیوٹی پر پہنچا تو نسرین سے ملاقات ہوئی۔ وہ مجھے ہی تلاش کر رہی تھی اور راؤنڈ کر کے آئی تھی۔ اسے دیکھ کر میں بڑے زور سے چونکا۔ وہ چہرے سے بڑی فکر مند اور پریشان معلوم ہوتی تھی۔ مجھے الگ لے جا کر اس نے سرگوشیوں میں بتایا کہ...... چمپا آج ہسپتال کام پر نہیں آئی ہے اور اس نے مجھے فوراً گھر بلایا ہے۔ میں کچھ پریشان سا اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں روانہ ہو گیا۔ نسرین کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ چمپا کو رات بہت ہی عجیب و غریب حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ چمپا نے نسرین کے مجبور کرنے پر اسے بھی گزشتہ واقعات کے بارے میں بتا دیا تھا۔ میں نے پوچھنا چاہا کہ آخر رات ایسا کیا غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے لیکن نسرین نے کہا کہ تم چمپا سے پوچھ لینا۔

نسرین کے گھر پہنچ کر میں چمپا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بستر پر پڑی ہوئی گھٹ گھٹ کر آنسو بہا رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھی اور نسرین کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔

''جبار! خدا کیلئے آپ مجھے کسی طرح اس شیطان ستیش مکرجی سے بچا لیں...... ورنہ میں ہمیشہ کیلئے تباہ و برباد ہو جاؤں گی ...... کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی...... اگر آپ نے مجھے اس مردود کے ہاتھوں سے نہیں بچایا تو پھر میرے لیے زہر کھا کر اپنی جان دینے کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہیں رہے گا۔''

میں نے دیکھا کہ اس کے ریشمی سیاہ بال چہرے شانے اور پشت پر بے ترتیبی

سے بکھرے ہوئے ہیں اور اس پر شکنیں پڑی ہوئی ہیں۔ آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے نہ صرف سرخ ہیں بلکہ سوجی ہوئی سی ہیں اور پپوٹے بھی بھاری ہو رہے تھے۔ چہرہ اتنا زرد اور ستا ہوا تھا جیسے کوئی برسوں کا مریض ہو۔ میں نے اسے تسلی و تشفی دیتے ہوئے اسے اپنے آپ سے علیحدہ کیا۔ جب میں اسے تسلی دے رہا تھا تب نسرین جلدی سے ایک گلاس میں گلوکوز گھول کر لے آئی۔ میں نے بہ اصرار وہ گلوکوز چمپا کو پلایا اور جب اس کی حالت بہتر ہوئی تو نسرین میرے لیے چائے بنا کر لانے چلی گئی۔ پھر وہ مجھے گزشتہ رات کی تفصیل بتانے لگی۔

''آپ کے جانے کے بعد میں خود کو بے حد مطمئن محسوس کر رہی تھی کچھ دیر تک میں نسرین سے باتیں کرتی رہی۔ پھر وہ میرے لیے کافی بنا کر لے آئی۔ وہ کافی پینے کے بعد پیالیاں لے کر چلی گئی اور میں ایک افسانوں کا مجموعہ لے کر بستر پر نیم دراز ہو گئی۔ میں نے نسرین کے جانے کے بعد کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ معلوم نہیں کتاب پڑھتے پڑھتے مجھے نیند کب آئی۔ کتاب میرے سینے پر رکھی رہ گئی اور وہ نیند کی حالت میں حرکت کرنے سے گر گئی۔ لیکن مجھے اس بات کا ہوش کہاں..... میں مشکل سے ایک گھنٹہ ہی سوئی ہوئی ہوں گی ایک بار پھر میری آنکھ کھل گئی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ پراسرار ہستی میرے قریب ہی بستر پر لیٹی ہوئی حسب معمول دست درازیوں میں مصروف ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے نکالنے کی بڑی کوشش اور جدوجہد کی مگر بیکار..... شراب کے مسلسل اٹھنے والے بھبکوں سے میری طبیعت متلانے لگی تھی..... اور دوسری طرف اس شیطان کا ارادہ بہت زیادہ خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔ اس پر ایک جنون سوار تھا اور وہ مجھے ایک وحشی بھوکے درندے کی طرح بھنبھوڑ رہا تھا اور میں اس کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی بے بس تھی۔ میری مزاحمت اس کی من مانیوں کو روک نہیں پا رہی تھیں۔ قریب تھا کہ وہ اپنے گھناؤنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا اور صرف ایک پل کی تاخیر ہو جاتی تو میرے شریر اور وجود پر داغ لگ جاتا۔ اس رات کی طرح میں نے پھر ایک نیلگوں روشنی کو کمرے میں نمودار ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس مرتبہ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ اچانک میں نے اس روشنی میں مکرجی کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھا۔

پھر میں جیسے اس کے بوجھ اور گرفت سے آزاد ہو گئی اور اچھل کر پلنگ سے اٹھی

ادھر ستیش مکرجی بھی کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ..... اس روشنی نے بھی انسانی ہیئت اختیار کر لی۔ وہ کوئی بہت ہی بڑے اور پائے کے بزرگ تھے۔ ان کے سر اور داڑھی کے بال کالے نہیں تھے بلکہ پلکوں اور بھنوؤں کے بال بھی سفید ہو چکے تھے اور انہوں نے سبز رنگ کی عبا پہن رکھی تھی۔ سر پر سفید عمامہ باندھ رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں چھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں تسبیح لٹک رہی تھی۔

انہیں دیکھتے ہی ستیش مکرجی تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ ''بزرگ صاحب! آپ.....؟'' اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں..... میں.....'' انہوں نے ستیش مکرجی کو قہر زدہ نظروں سے گھورتے ہوئے بڑے کرخت لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہاری زندگی میں بھی تمہیں بہت سمجھایا تھا کہ تم انتقام لینے کے اندھے جنون میں اپنے آپ کو شیطانی چکر کے حوالے نہ کرو۔ اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دو۔ وہ بہترین انصاف کرنے والا ہے..... مگر تم نہیں مانے..... بہرحال تم نے اپنی روح کیلئے عذاب مول لے لیا ہے۔ اس کے ذمے دار تم خود ہو اور تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔ انتقام کے اندھے جوش میں اپنی بمل داس اور اس کے بے گناہ بیٹے کا انتقام لے کر تمہارا جی نہیں بھرا تھا کہ اب اس معصوم لڑکی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں نے پہلی رات ہی تمہیں خبردار کر دیا تھا اور تم سمجھ دار ہوتے تو جان جاتے کہ خدا کی مشیت اس معصوم لڑکی کو تمہارے ہوس ناک انتقام کی بھینٹ چڑھنے نہیں دینا چاہتی۔ تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے دفع ہو جاؤ..... آئندہ ادھر کا رخ مت کرنا.....''

بزرگ صاحب! آپ جانتے ہیں کہ اس لڑکی کے باپ بمل داس نے میرے والدین، ستیو رام چچا..... اور میری بیوی شانتی کے ساتھ کیا سلوک کیا..... کیا وہ سب بے گناہ نہ تھے؟'' ستیش مکرجی نے جواب دیا۔ ''بہرحال اب ان باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ میں نے کالی ماتا کی سوگند کھائی ہے اور کالی ماتا نے مجھے اس سوگند کو پورا کرنے کیلئے دوبارہ زندگی دی ہے۔ اب میں انتقام لے کر رہوں گا۔''

''تمہاری کالی ماتا شیطان کے ایک دوسرے روپ کا نام ہے۔ تم شروع سے اب تک اس کمینے شیطان کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے ہو۔ اس پر لعنت بھیجو اور اس کی عطا کردہ شیطانی قوت اسے واپس کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر تمہاری جہالت اور

نادانی کے سبب تمہیں معاف کر دے۔"

"اب یہ ناممکن ہے بزرگ صاحب......" ستیش مکرجی بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔ "اس راستے پر اتنا آگے بڑھ چکا ہوں کہ واپسی ناممکن ہے۔ میں اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتا۔"

"اگر ایسی بات ہے تو اچھی طرح جان لو کہ اللہ نے اس لڑکی کی حفاظت میرے سپرد کی ہے۔" بزرگ صاحب نے کرخت لہجے میں کہا۔ "تمہاری کوئی شیطانی قوت اس کا بال تک بیکا نہیں کرسکتی۔"

"ٹھیک ہے...... مجھے آپ کا چیلنج منظور ہے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "آپ اسے بچانے کی کوشش کریں مجھ سے ہو سکے گا تو اس سے انتقام لے لوں گا۔"

اتنا کہہ کر ستیش مکرجی کمرے سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بزرگ میری طرف مخاطب ہوئے۔

"بیٹی! اگر تم اس شیطان سے مستقل طور پر نجات حاصل کرنا چاہتی ہو تو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ۔" انہوں نے کہا۔ "تم اب تک اسلام کا کافی مطالعہ کر چکی ہو اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے قلب و ضمیر کو یہ اطمینان ہو گیا ہو گا کہ انسان کی سلامتی، نجات کا اب صرف ایک ہی راستہ ہے وہی راستہ جو اس نے اپنے محبوب پیغمبر کے ذریعے قیامت تک کیلئے دنیا کے تمام انسانوں کے سامنے واضح کر دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بزرگ بھی میری نظروں سے غائب ہو گئے تھے۔ میں نے وہ چادر نکال پھینکی جو میں نے جسم کے گرد لپیٹ لی تھی۔ کیوں کہ میرا لباس بڑا بے ترتیب اور بے حجاب سا ہو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے لباس اور بال درست کیے اور اس وقت نسرین کے کمرے میں جا کر اسے جگایا اور پھر اسے تمام حالات بیان کیے۔ لیکن ان بزرگ کی تسلی و تشفی کے باوجود نہ جانے کیوں مجھے اس بات کا یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں اس شیطان مکرجی کے ہاتھوں سے اپنی عزت آبرو بچا سکوں گی۔ کیوں کہ میں نے اپنے بھائی کو اپنی آنکھوں سے انتقام کا نشانہ بنتے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ کس طرح اس نے اپنی پراسرار طاقت سے کام لے کر ہمارے گھر کو آگ کے شعلوں میں جھلس دیا اور اس آگ میں میری ماتا اور پتا بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ اب مجھے ڈر ہے کہ اب میری باری ہے اور میں کسی طرح بھی اس

کے انتقام سے نہیں بچ سکوں گی۔

چمپا پھر رونے لگی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا اور اس سے کہا کہ وہ بزرگ کے کہنے پر عمل کرے۔ مسلمان ہو جائے پھر کوئی شیطانی قوت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن اسلام کی حقانیت کی قائل ہونے کے باوجود چمپا کو اپنا آبائی دھرم چھوڑنے میں تردد ہو رہا تھا اور میں اسے مجبور کرنا بھی نہیں چاہتا تھا کیوں کہ ہمارے مذہب میں کسی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آخر اس نے کہا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ سوچنے کی مہلت چاہتی ہے۔ بشرطیکہ مکرجی اس سے پہلے اسے خودکشی پر مجبور نہ کر دے۔

میں نے اسے پھر سمجھایا کہ آخر وہ کیوں اور کس لیے مکرجی سے اس قدر خوف زدہ ہو رہی ہے۔ جب بزرگ صاحب اس کی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لے چکے ہیں مکرجی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اگر وہ کچھ کر سکتا ہوتا تو بزرگ صاحب کے سامنے سے یوں فرار نہ ہو جاتا۔ میرے اور نسرین کے سمجھانے پر چمپا کو اطمینان و سکون ہو گیا۔ تاہم میں نے اس سے کہا کہ جب تک وہ ایمان لانے کا فیصلہ نہیں کر لیتی تاوقتیکہ گھر سے نہ نکلے اور نہ ہسپتال آئے۔ ہسپتال والوں کو اس کی چھٹی کی درخواست دے دی جائے گی۔

میں نے نسرین سے کہا کہ وہ مجھے میرے گھر پر ڈراپ کر دے۔ میں اب ہسپتال نہیں جاؤں گا۔ میں گھر آیا تو گھر والے موجود نہ تھے۔ میں نے تین مرتبہ مکرجی کو آواز دی تو وہ فوراً آ موجود ہوا۔ میں نے اس سے سختی سے چمپا کے بارے میں باز پرس کی وہ میری تمام باتیں سنتا رہا اور پھر کہنے لگا۔ "چوں کہ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے اس لیے میں نے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچانے کا عہد کیا ہوا ہے ورنہ کوئی دوسرا ایسی سخت باتیں کہتا تو میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لیتا...... اور ہاں سنو تم آئندہ میرے ذاتی معاملات میں دخل مت دینا اور نہ ہی آئندہ اس موضوع پر مجھ سے بات کرنا۔ ورنہ میں تم سے قطع تعلق کر لوں گا......"

پھر اس نے شاید مجھے خوش کرنے کے خیال سے کہا۔ "تمہارا جس بینک میں اکاؤنٹ ہے میں نے اس میں دس لاکھ کی رقم کل ہی جمع کی ہے تاکہ تم ہاؤس جاب کرنے کے بعد اپنا کلینک یا ہسپتال کھول سکو۔"

"مجھے تمہارے احسان کی اور دولت کی ضرورت نہیں...... اگر تم مجھ پر مہربانی کرنا چاہتے ہو تو اتنا کرو کہ چمپا کا پیچھا چھوڑ دو۔ کیوں کہ وہ ایک معصوم اور پیاری لڑکی ہے۔"

"میں تمہاری یہ بات ہرگز ہرگز نہیں مان سکتا؟" وہ اتنا کہہ کر ایک دم سے غائب ہوگیا۔

اس کے بعد کئی دن بیت گئے۔ چمپا ہسپتال نہیں آ رہی تھی مگر نسرین کے ذریعے اس کی خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی میں اس سے ملنے جاتا رہتا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ اسے پھر مکرجی کی دست درازی کا نشانہ نہیں بننا پڑا۔ پھر سے وہ ہسپتال آنے لگی۔ اس دوران میں کبھی کبھی مکرجی خود میرے کمرے میں آ جاتا اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے غائب ہو جاتا۔ ویسے میں نے ایک بات محسوس کی کہ وہ جب بھی آیا فکرمند اور پریشان سا لگا۔ آخر ایک دن میرے شدید اصرار پر اس نے یہ اعتراف کیا کہ وہ چمپا کیلئے پریشان ہے۔

☆......☆......☆

دن یوں ہی گزرتے گئے۔ چمپا خود کو ایمان لانے پر آمادہ نہ کر سکی لیکن دینی کتابوں کا مطالعہ وہ بڑی باقاعدگی سے اور بڑی دلچسپی سے کر رہی تھی۔ ایک مہینے کا عرصہ ہو گیا لیکن مکرجی نے کبھی آ کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے اب اس کا ڈر جاتا رہا۔ ایک روز وہ کالج آئی تھوڑی دیر بعد ہی راؤنڈ پر جانے کے بجائے وہ باہر جانے لگی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی وہ راؤنڈ پر ضرور جاتی تھی۔ کبھی اس نے مس نہیں کیا تھا۔ میں نے باہر نکل کر اسے آواز دی مگر یا تو اس نے سنا نہیں یا پھر اس نے جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اسی رفتار سے وہ ہسپتال کے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکتا جا رہا تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ فاصلہ کم ہونے کے بجائے بڑھتا جا رہا تھا۔ اچانک میں نے غور سے دیکھا تو کچھ یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ زمین پر نہ چل رہی ہو بلکہ ہوا میں تیرتی جا رہی ہو۔ آگے بڑھ رہی ہو۔ ابھی میں اس سے کوئی پچاس قدم پر تھا کہ وہ ہسپتال سے باہر نکل گئی۔

میں نے دیکھا کہ گیٹ کی دیوار کے پاس ایک بہت ہی شاندار قسم کی گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔ چمپا نے اس کا دروازہ اس طرح سے کھولا جیسے یہ اس کی اپنی گاڑی ہو۔ پھر وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر اسٹیئرنگ وہیل سنبھال لی۔ مجھے شدید حیرت ہوئی نہ صرف اس گاڑی کے باعث بلکہ اس وجہ سے بھی کہ چمپا کو گاڑی چلانا بالکل بھی نہیں آتی تھی۔ مگر اس وقت اس نے کسی ماہر ڈرائیور کی طرح گاڑی اسٹارٹ کی اور میں جب تک گاڑی کے قریب پہنچتا وہ تیزی

سے آگے بڑھ چکی تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر فوری طور پر میرے ذہن میں یہی شبہ پیدا ہوا کہ یہ بھی غالباً مکرجی کی کوئی شرارت ہے۔ میں نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک خالی آٹو رکشا آ رہا تھا اور میں نے اسے اشارے سے روکا اور رکتے ہی اس میں سوار ہوگیا اور اس سے کہا کہ اس گاڑی کا تعاقب کرے۔ ڈرائیور نے بھی چوں کہ چمپا کو دیکھ لیا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ میں اس حسین لڑکی کے چکر میں ہوں۔ وہ مشکوک ہوگیا تھا۔ میں نے دس ٹاکا کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا اور اس سے کہا کہ اس گاڑی میں میری عزیزہ جا رہی ہے۔ میں اسے روکنا چاہتا ہوں پھر کیا تھا دوسرے لمحے رکشا اس گاڑی کے تعاقب میں ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ گاڑی کا رخ کالی دیوی کے مندر کی طرف ہے۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا کہ یہ حرکت مکرجی کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے۔ میں نے رکشا ڈرائیور سے کہا کہ وہ اور رفتار تیز کر کے رکشا گاڑی سے آگے نکال لے لیکن ناکام رہا کیوں کہ گاڑی کی رفتار آپ ہی تیز ہو جاتی تھی۔ پھر ایک جگہ رکشا بند ہوگیا اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی اور وہ گاڑی نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔ میں نے رکشا والے کو دس روپے دیئے اور مندر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

ایک میل کی مسافت تیز دوڑتے ہوئے طے کرنے میں دس بارہ منٹ لگ گئے۔ میرا دل یہ خیال کر کے گھبرا رہا تھا کہ خدا جانے اس دس منٹ میں اس پر کیا گزر چکی ہوگی؟ جب میں مندر پہنچا تو گاڑی نظر نہیں آئی۔ میں شش و پنج میں مبتلا ہوگیا کہ چمپا یہاں آئی یا وہ کسی اور جگہ چلی گئی ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ اب جب کہ یہاں تک آیا ہوں تو کیوں نہ ایک نظر مندر کے اندر بھی جھانک لوں۔ رہا گاڑی کا ہونا نہ ہونا مکرجی نے اسے اس طرح غائب کر دیا ہوگا جس طرح اس نے حاصل کیا تھا۔ یہ اللہ کی مہربانی تھی کہ میں نے صحیح فیصلہ کیا تھا...... کیوں کہ مندر میں گھستے ہی مجھے جو منظر دکھائی دیا وہ یہ تھا کہ چمپا لباس سے بے نیاز کالی دیوی کے بت کے سامنے ناچ رہی تھی اور قریب مکرجی کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی جسے وہ ہر دوسرے لمحے ہونٹوں سے لگا کر دو تین گھونٹ بھرتا اور چمپا کی طرف دیکھنے لگتا۔ یہاں تک کہ بوتل خالی ہوگئی۔ پھر اس نے بوتل بے پروائی سے ایک طرف پھینک دی اور جھومتا ہوا چمپا کی طرف بڑھا۔

"خبردار مکرجی!" میں اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ہذیانی انداز سے چیخا۔

"رک جاؤ۔"

اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور مجھے پہچانتے ہی اس نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ "تو تم بھی آ گئے...... ؟ چلو اچھا ہی ہوا۔ اب مجھے آخری ملاقات کیلئے تمہارے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہے گی اور پھر تم یہ بھی دیکھو گے میں اس حسین اور نوجوان لڑکی سے انتقام کس طرح لیتا ہوں۔"

"جب تک میں زندہ ہوں تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے......" میں اور آگے بڑھا۔ چمپا میری آواز سن کر ناچتے ناچتے رک گئی تھی اور مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اس وقت پوری طرح مکرجی کے زیر اثر ہے۔ محبت کا پاک جذبہ اس طاقت کے خلاف نبرد آزما ہے لیکن بظاہر اس کے جیت جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو جبار! جب کہ وہ بزرگ صاحب بھی کچھ نہ بگاڑ سکے۔" مکرجی نے اور مکروہ قہقہہ لگایا۔ "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مجھے ایک خاص وقت کا انتظار ہے۔ بزرگ صاحب نے مقدس الفاظ سے چمپا کے گرد جو حصار قائم کر دیا تھا وہ اس کی ناپاکی کی حالت میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جیسے ہی اس کی یہ حالت شروع ہوئی میں نے اپنا دام پھیلایا اور چمپا کسی پکے پھل کی طرح میری آغوش میں آ گری...... یہ تم دیکھ رہے ہو نا......؟"

"اگر یہ بات ہے تو تم اس حصار کے باندھے جانے سے پہلے کیوں نہ اس پر قابو پا سکے؟"

"اس وقت میں نے اپنی طاقت حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔" مکرجی نے جواب دیا۔ "میرا خیال تھا کہ اگر میں چمپا کے اندر کے دیوتا کو جگانے میں کامیاب ہو جاؤں تو وہ بخوشی اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی مگر میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ تمہاری محبت کی وہ ایسی اسیر ہوئی کہ میں اپنی ہر کوشش میں ناکام رہا۔"

"یہ تو تم اب بھی اسے اس کی خوشی اور مرضی کے بغیر قابو میں نہیں لا سکتے؟"

"مجبوری ہے......" مکرجی نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔ "کالی ماتا نے مجھے جو مہلت دی تھی وہ ختم ہو رہی تھی اور اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی انتقام کی آگ

بجھانی ہے۔"

میں نے لپک کر چمپا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "چمپا!" میں نے اسے جھنجوڑا۔ "تم اب بھی چاہو تو اس مردود سے نجات حاصل کر سکتی ہو۔"

ایک لمحے کیلئے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرے ہاتھ کے لمس نے اس کی پراسرار طاقت کے سحر کو ختم کر دیا ہے۔

"وہ کیسے......؟" اس نے یوں پوچھا جیسے کوئی نشے کی حالت میں بول رہا ہو۔

"میں جو کچھ کہوں تم اسے میرے ساتھ دہراتی جاؤ" میں نے تیزی سے کہا۔ پہلے اپنا لباس پہنو اس نے جلدی سے قریب پڑا ہوا اپنا لباس پہنا۔

"جبار! میں کہتا ہوں کہ اگر تمہیں اپنی سلامتی عزیز ہے تو اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ میرے نفرت اور غصے کی آگ تمہیں بھی جلا کر بھسم کر دے گی۔"

میں نے مکرجی کی بات اور دھمکی کا کوئی اثر نہیں لیا اور اپنی تمام تر توجہ چمپا پر مرکوز کر رکھی تھی۔ اس کا ہاتھ میں نے ابھی تک تھام رکھا تھا۔ "کہو چمپا! کہو......" میں نے عجلت سے کہا اور کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ اگر چمپا اس لمحے ایمان لے آئے تو مکرجی اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکے گا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا ادھر چمپا کے ہونٹ ہلے اور اس نے جیسے کسی نامعلوم طاقت کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے میرے ساتھ کہے ہوئے مقدس الفاظ دہرانے شروع کر دیئے۔ مکرجی پیچ و تاب کھاتا ہوا تیزی سے آ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ چمپا تک پہنچتا وہ کلمہ مکمل کر چکی تھی۔

مکرجی کے ہاتھ کو یوں جھٹکا لگا جیسے اس کا ہاتھ بجلی کی ننگی تار پر پڑ گیا ہو۔ وہ گھبرا کے پیچھے ہٹا اور پھر اس لمحے میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ہستی جن کے پرنور چہرے سے جلال ٹپکتا تھا ہمارے اور مکرجی کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔ میں سمجھ گیا یہ وہی بزرگ ہیں جو چمپا کی حفاظت کی ذمے داری سنبھالے ہوئے ہیں۔

"میں اس مبارک لمحے کا منتظر تھا۔ انہوں نے چمپا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ "اگر تم پہلے ایمان لے آتیں تو یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی۔ اب تم فکر نہ کرو شیطانی قوت اب تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔"

چمپا کو ایکدم سے ہوش آ گیا۔ پہلے تو اس نے گھبرا کر ادھر دیکھا اور اپنے عریاں جسم پر نظر پڑتے ہی شرم و حیا سے دہری ہو گئی۔ فرش پر اس کا لباس بکھرا پڑا تھا وہ اسے اٹھا

کر اس سے جسم چھپا کر سامنے والے کمرے میں گھس گئی۔

مکرجی ایک چیخ مار کر دروازے کی طرف بھاگا لیکن بزرگ صاحب نے اپنا عصا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ عصا سے ایک شعلہ سا لپکا ابھی وہ وہاں کی سیڑھیوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس شعلے نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ دل خراش چیخیں مار رہا تھا۔ چلا رہا تھا۔ ''میں جل رہا ہوں...... میں جل رہا ہوں...... میں جلا......'' پھر چند لمحوں کے بعد سیڑھیوں پر بکھری ہوئی راکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس کے بعد بزرگ میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ ''ستیش مکرجی نے تمہیں اپنی داستان حیات سناتے ہوئے خود کو بے حد مظلوم اور دنیا کے ستائے ہوئے ایک بے بس و مجبور انسان کے روپ میں پیش کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی کے ابتدائی حالات اسے مظلوم ہی قرار دیتے ہیں۔ انتقام کے اندھے جنون نے اسے کالی ماتا کا چیلا بنا دیا۔ تم نے اسے مورتی سے آزاد نہ کیا ہوتا تو وہ ابھی قید ہی رہتا لیکن ایک بات اچھی ہوئی کہ چمپا نے اسلام کا راستہ اپنا کر اس کے اس شعبدے کو ناکام بنا دیا۔

☆......☆......☆

ان واقعات کو دس برس بیت چکے ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑا ہسپتال کھول لیا تھا جو آج بھی غریبوں کی مفت خدمت انجام دے رہا ہے۔ میں اور بتول (چمپا) جو میری بیوی اور میرے دو بچوں کی ماں ہے اپنا زیادہ تر وقت ہسپتال میں دیتے ہیں۔ نسرین کی بھی ایک ڈاکٹر سے شادی ہو گئی۔ اس کے بھی دو بچے ہیں اور وہ ہمارے ہسپتال میں پریکٹس کر رہی ہے۔ ہم بہت خوش و خرم پر مسرت زندگی گزار رہے ہیں۔

البتہ جب کبھی مجھے اس لمحے کا خیال آ جاتا ہے جب وہ شیطانی مجسم چمپا کو کالی کے مندر میں اپنی ہوس کا نشانہ بنانے پر تلا ہوا تھا تو اب بھی یہ سوچ کر کانپ جاتا ہوں کہ اگر اس گھڑی میری محبت چمپا پر طاری ہو کر شیطانی سحر کو لمحے میں ختم کر کے اس کی زبان سے خدا کی وحدانیت اور اس کے آخری رسول ﷺ کی گواہی کا اقرار و اعلان نہ کرتی تو ہمارا انجام کیا ہوتا......؟

(ختم شدہ)